مطالعہ بریلویت

۳

ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب

ایک تاریخی، فکری اور تحقیقی جائزہ

مطالعۂ بریلویت

جلد سوم

مصنف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

تقریظ

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب
مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

حافظی بکڈپو دیوبند یو۔پی
Hafzi Book Depot, Deoband (U.P.)

نام کتاب

مُطالعہ بریلویّت

جلد ـــــــ سوم

مصنّف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی

زیر اہتمام

عُثمانی برادرس

ناشر

حافظی بُکڈپو دیوبند
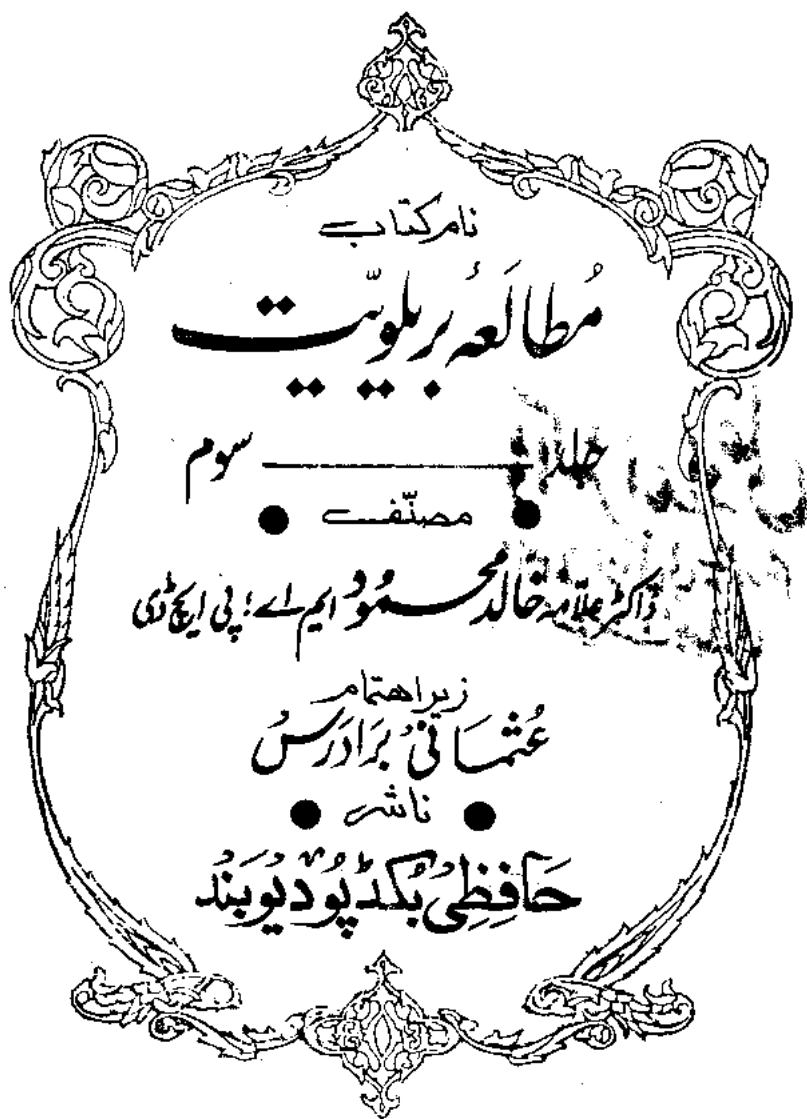
HAFZI BOOK DEPOT
DEOBAND U.P.

فہرست مضامین

مقدمہ

بریلویت اسلام کے عہد سابق میں

مطالعۂ بریلویت

بریلویت ہندو اثرات کے سائے میں

بریلویت مسیحی اثرات کے سائے میں

بریلویوں کے شیعہ عقائد

بدعات کے گہرے سائے

اسلام کا صراطِ مستقیم

معارک الحرمین

مولانا احمد رضا خاں کی وصیت

تحریکِ خلافت اور مولانا احمد رضا خاں

اسلام کا مقامِ خلافت

حضرت شیخ الہندؒ کا خطبہ

خواجہ ضیاء الدین سیالویؒ کی جمعیت علماء ہند کے فتویٰ کی تائید

دارالعلوم سیال شریف کا مفصل فتویٰ

دارالعلوم دیوبند اور انگریز

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مطالعۂ بریلویت میں لفظ بریلویت ایک وسیع مفہوم میں لیا گیا ہے یہاں بریلویوں سے مراد صرف وہی لوگ نہیں جو مولانا احمد رضا خاں کے خاص دین و مذہب پر چلے جس کی آپ نے وصیت کی تھی. بلکہ جو لوگ ان کے سے عقائد رکھتے ہیں اور ان کی دینی رونقیں اور مذہبی کاروبار اعراس و ختمات کے گرد گھومتا ہے وہ سب اس وسیع مفہوم میں شامل ہیں. آج مزارات پہ جو عرس اور میلے ہوتے ہیں اور عورتیں ان میں کھچا کھچ چلی آتی ہیں ان کے علماء ان کے خلاف قطعاً کوئی آواز اٹھا نہیں سکتے. یہ مخلوط خانقاہی زندگی مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک بالکل ناجائز تھی. لیکن بریلوی علماء ان سب مجرمین کو اپنے کھاتے میں ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے دعوئے اکثریت کے لیے بڑی قوت بنا کر ساتھ لاتے ہیں اور یہ امداد انہیں انہی خانقاہوں سے ملتی ہے.

کھانا آگے رکھ کر ختم کہنا جو آج کل اسی جاہلی مذہب کی جان سمجھا جاتا ہے اور جو ایسا نہ کرے اسے معلوم نہیں یہ لوگ کن کن القابات سے نوازتے ہیں. اس کا التزام اور اسے ضروری سمجھنا مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک ایک بے کار بات تھی مگر آج اس ہندو رسم کو اپنے مذہب میں جگہ دینے والے سب اسی زمرے میں آتے ہیں اُن کا کوئی علیحدہ نام بھی تو نہیں —— اب یہ آپ دیکھیں کہ جن لوگوں میں یہ کاروبار جاری ہے وہ کیا سمجھے جاتے ہیں —— ہم اگر انہیں بریلوی نہ کہیں تو کیا کہیں قوم نے ان لوگوں کو کوئی اور نام بھی تو نہیں دیا —— دیوبندی یہ کہلاتے نہیں، اہلحدیث انہیں کہا نہیں جا سکتا. لفظ وہابی سے انہیں ویسے ہی چڑ ہے —— مزاروں پر چادریں چڑھانے اور ان پر چراغاں کرنے کے لیے جب یہ لوگ شہروں کی بڑی بڑی سڑکوں سے پاؤں میں گھنگرو ڈالے چادر کونوں سے پکڑے گزرتے ہیں اور لوگ جاہلی جذبۂ شوق میں ان چادروں میں چندہ اور ان بزرگوں کے نام چٹھیاں ڈال رہے ہوتے ہیں اور یا رسول اللہ اور یا غوث الاعظم کی صدائیں ہر طرف سے گونجتی ہیں تو دنیا آخر انہیں کیا سمجھتی ہے یہ کون آرہے ہیں؟ یہ آج فلاں بزرگ کا عرس شریف ہے دنیا انہیں بریلوی ہی تو سمجھتی ہے —— وارد و صادر انہیں کیا تصور کرتے ہیں؟ یہی نا کہ یہ بریلوی ہیں.

سو اس حیثیت سے بریلویت جہالت کا دوسرا نام ہو کر رہ گیا ہے اور یہ سب جاہلی کا مدیار انہی کے پلڑے میں جاتا ہے اور دنیا اسی جہت سے اعلیحضرت کو جاہلوں کا پیشوا سمجھتی ہے۔

ایسا کیوں ہے ؟ یہ اس لیے کہ اس طبقے کا اور کوئی نام نہیں۔ اور موجودہ بریلوی علماء انہیں اپنے سے اس لیے جُدا کرنے کے لیے تیار نہیں کہ ان کے بغیر ان کا دعوئے اکثریت کسی کرنے میں لائق سماعت نہیں ٹھہرتا۔ اکثریت بنانے میں یہی تو ان کا سرمایہ ہیں اور یہ ایک ایسی گولی ہے جو بریلوی حضرات کو آخر نگلنی ہی پڑتی ہے اور یہ ڈھنگ انہی کے کھاتے میں جاتے ہیں۔

لفظ بریلویت اب اپنے وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے ہماری مراد یہی ہے۔ یہ بات کہ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے آخری وقت میں اپنے جس خاص دین و مذہب کی وصیت کی تھی ، یہ سب خرافات اس کے تحت آتی ہیں یا نہ ؟ اسے ہم آئندہ کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ اس وقت صرف موضوع کا تعارف پیش نظر ہے کہ آجکل بریلویت کسے کہتے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے ؟

دین عناد اور دین الحاد میں تاریخی رشتہ

صحیح اور سچی بات کا کھلا انکار بڑا مشکل ہوتا ہے۔ سچائی کے آگے عناد کے پل آسانی سے نہیں باندھے جا سکتے۔ سو یہاں کفر عناد نہیں کفر الحاد پیدا ہوتا ہے۔ انکار کی بجائے تاویل کی راہ نکالی جاتی ہے۔

جو لوگ کھلم کھلا دین حق کو نہ مانیں وہ کفر انکار اور دین عناد پہ ہوتے ہیں اور جو کھلا کفر اختیار نہ کریں دین حق اور سچائی کی دعوت کو مان کر اس کا حلیہ بگاڑ دیں اور ایک نیا دین و مذہب وجود میں لے آئیں تو وہ کفر الحاد پر ہوں گے جس میں خدا کی کتابوں کی تفسیر خلاف مراد الٰہی ہوگی اور احادیث کے معنی خلاف مراد پیغمبر کیے جائیں گے۔ قادیانی کلمہ اسلام پڑھتے ہیں مگر اس کے معنی و مصداق میں وہ مرزا غلام احمد کو داخل کرتے ہیں اور دوسری کئی ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں یہ کفر الحاد کے مرتکب ہیں شیعہ اہلسنّت کے تقابل عناد کے پلیٹ فارم پہ کھڑے ہیں۔ ان کی حدیث کی کتابیں اپنی علیحدہ ہیں اور یہ ان کی تاریخی علیحدگی کا کھلا نشان ہے۔

بریلوی اہلسنّت میں سے ہو کر الحاد کی راہ پہ چلے ہیں ـــــ اور اب یہ ایک مستقل فرقہ بن چکے ہیں زبان سے یہ کہتے ہیں کہ ہم مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب پہ ہیں لیکن یہ حقیقت میں ان سے بھی آگے نکل چکے ہیں۔ کفر عناد سے نبٹنا آسان ہے مگر کسی کو الحاد کی دلدل سے نکالنا خاصا مشکل ہوتا ہے

ابتداء میں سب ایک دین پر چلے ہیں

دنیا میں کفر عناد پہلے آیا ہے یا کفر الحاد، اس کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ پہلے سب لوگ ایک دین پر تھے اور ان میں فطری ہدایت جاری تھی اور توحید کا عقیدہ قائم تھا۔ یہاں تک کہ شیطان نے دین حق میں الحاد کی راہیں بنائیں اور اولیاء اللہ اور ملائکہ کرام کے ناموں پر پہلے یادگار مجسمے بنوائے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کی عبادت شروع کرادی۔ اس بت پرستی میں تصور ان بزرگوں کا ہوتا تھا جن کی یاد میں وہ مجسمے بنے ہوتے تھے۔ لیکن رُخ ان مجسموں کی طرف ہوتا تھا ــــ یہ دنیا میں شرک کی ابتداء تھی۔ خیر پہلے سے تھی اور شرک کا آغاز اس کے بعد ہوا۔ کفر عناد سے پہلے کفر الحاد وجود میں آچکا تھا۔

شرک اس تصور برزخی سے چلا یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ آپ پہلے رسُول ہیں جو شرک کے خلاف دعوت توحید لے کر اُٹھے۔ اب آپ کے سامنے کھلا کفر تھا جس کا آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا پہلے اس کفر کی صورت الحاد کی تھی۔ لیکن اب مشرکین کفر عناد پر آچکے تھے۔

کان النّاس امّة واحدة فبعث الله النّبیّن مبشرین و منذرین۔

(پ البقرہ ع ۲۶ آیت ۲۱۳)

ترجمہ۔ پہلے سب لوگ ایک ہی دین پر تھے پھر (جب لوگوں نے اختلاف ڈالا تو) اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے۔

تصور برزخی اپنی ذات میں شرک نہ تھا

ان دنوں بھی آپ کو کئی پیر پرست ایسے ملیں گے جو اپنے پیروں کی تصویر کے سامنے بیٹھ کر ذکر کرتے ہیں۔ وہ توحید کا دعوے کرتے ہیں اور یاد خدا کی کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر پیر کی تصویر ان کے لیے ان کے خیال میں شرم وحیا کا سبب بنی ہوتی ہے۔ یہ تصور برزخی گو انتہائی خطرناک ہے مگر اپنی ذات میں شرک نہ تھا۔ ہندوؤں کی بُت پرستی اپنی ابتدائی شکل میں اسی نوع کی تھی مگر اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہندو دُنیا کی سب سے بڑی مشرک قوم ہے اور شرک کی کوئی منزل نہیں جو انہوں نے طے نہ کی ہو ــــ اسی طرح جاہل صوفی جو پیرپرستی کی راہ سے خدا کو یاد کرتے ہیں کسی طرح شرک سے بچ نہیں پاتے۔ مولانا احمد رضا خاں نے مرزا مظہر جانجاناں کے

حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ ہندو مذہب کو دینِ سماوی گمان کرتے تھے ان کے اعتقاد تناسخ کو بھی کفر نہیں سمجھتے تھے ان کی بت پرستی کو صوفیہ کے تصور برزخی کی مثل جانتے تھے[1] اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفرِ عناد کی شاخیں کفرِ الحاد سے ہی پھوٹی ہیں جب قوم اور طبقے میں کفرِ الحاد کی راہ کھلی وہ کفرِ انکار کے ساحل پر آئے بغیر نہ رہا۔

گمراہ قوموں میں باہمی تاریخی رشتہ

صالحین کا تاریخی رشتہ اسناد و اعتماد سے قائم ہوتا ہے۔ مگر گمراہ قومیں بغیر کسی اسناد و اعتماد کے عقائد و اعمال میں ایک ہو جاتی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے مشرکین میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کے مشرکین میں ہند و مشرکین اور مکہ کے مشرکین میں کوئی تاریخی رشتہ نہیں ملتا۔ لیکن عقائد سب کے ایک جیسے ملتے ہیں۔ الکفر ملۃ واحدۃ۔ وہ جہاں بھی ہو اور جتنا بھی ہو اپنی ذات میں ایک ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں پانچ بزرگوں حضرت وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کے تصور برزخی سے شرک ہوتا تھا۔ ہندوؤں کے پانچ بزرگ جن کے نام سے ان کے ہاں شرک نے رواج پایا۔ بشنو، برہما، اِندر، شوجی اور ہنومان تھے۔ مجوسیوں کے ہاں پانچ مختلف قسموں کی آگ ان کا تصور برزخی تھی اور عرب میں شرک ان پنجتن کے نام سے چلا جن کے بت شیطان نے ساحلِ جدہ پر لاگرائے تھے۔ مکہ میں شرک یہ تھا کہ چھوٹے خدا ایک بڑے خدا کی عطا سے خدائی کرتے ہیں اور لفظ عطا آنے سے ان کے ہاں یہ عمل شرک نہیں سمجھا جاتا تھا یہ راہ عمل گو کفرِ عناد نہیں لیکن کفرِ الحاد ضرور تھی اور ہے۔

چودھویں صدی میں الحاد ایک نئے دور میں

چودھویں صدی ہجری میں اسی شرک الحاد نے ایک نیا نام پایا یہ بریلویت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی نسبت براہ راست مولانا احمد رضا خاں کی طرف ہے لیکن ہم اسے ایک وسیع مفہوم میں لے رہے ہیں۔ یہ عقائد و اعمال کا وہی نقشہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے عرب میں منتقل ہوا اور ہندوؤں کے عمل سے اس نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں جگہ پائی ـــــ وسیع تر مفہوم میں بریلویت یہی ہے۔

ان دنوں ہمارے گردوپیش مکہ کے مشرکین، ایران کے آتش پرست یا بنارس اور ہردوار کے ہندو

---

[1] احکام شریعت جلد ۲ ص۱۸۱ مطبع مراد آباد [2] تفسیر عثمانی ص۱۲

نہیں ہیں۔ ہمارے گرد و پیش شرک و بدعت کے نغمے، ندا، غیر اللہ کے نعرے، قبور و مزارات کے میلے اور عرس اور ختموں کے مختلف المیعاد معرکے ہیں۔ ان حلقوں میں شرک و بدعت کی نسبت بریلویت کا لفظ زیادہ معروف و مانوس ہے۔ سو بجائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ شرک و بدعت سے بچیئے۔ یہ کہنا زیادہ فائدہ مند ہے کہ بریلویت سے توبہ کیجئے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ لفظ بریلویت اپنے وسیع تر مفہوم میں لیا جائے۔

الفاظ کو وسیع تر مفہوم میں لینا عیب نہیں

ہمارے بریلوی دوست ناراض نہ ہوں کہ مطالعہ بریلویت ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں کیسے کر لیا۔ الفاظ کو وسیع تر مفہوم میں لینا کوئی عیب نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ لفظ وہابی دنیا میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی نسبت سے رائج ہوا ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۲۰۶ھ) بارہویں صدی کے ایک مصلح تھے۔ آپ حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کے مقلد تھے کسی نئے دین و مذہب کے داعی نہ تھے۔ نہ آپ نے کوئی حکم دیا ہے کہ میرے دین و مذہب پر چلو ـــــ مگر دیکھئے لفظ وہابی پھر بھی اُن کے نام سے چل نکلا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کو دیکھیئے۔ آپ بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی وہابی موجود تھے اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک وہابیت کو ایک وسیع تر مفہوم میں نہ لیا جائے ـــــ سو لفظ وہابیت اگر وسیع تر مفہوم میں لیا جا سکتا ہے تو اگر ہم لفظ بریلویت ایک وسیع مفہوم میں لے لیں اور اس کی تاریخ حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے شروع کریں تو یہ کوئی بے جا بات نہ ہوگی۔ مولانا احمد رضا خاں ایک مقام پر فرماتے ہیں:۔

> حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غنائم تقسیم فرمائے اس پر ایک وہابی نے کہا کہ میں اس تقسیم میں عدل نہیں پاتا۔[1]

پھر آپ (مولانا احمد رضا خاں) سے یہ بھی پوچھا گیا کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں فرقہ وہابیہ موجود تھا۔ آپ نے کہا:۔

> ہاں یہی وہ فرقہ ہے جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے فہمائش کی اجازت چاہی تھی۔[2]

---

[1] ملفوظات حصہ اول ص ۱۲ [2] ایضاً ص ۹

لفظ اہلحدیث اپنے وسیع تر مفہوم میں

لفظ اہلحدیث اہلِ علم کے ہاں محدثین کے معنی میں آتا ہے. اہل تفسیر، اہل حدیث، اہل ادب، اہل لغت کے الفاظ کے معلوم نہیں. سنن نسائی میں ایک جگہ فیہ غناء ومنفعۃ لاھل الاسلام ومن اھل الحدیث و العلم والفقہ والقرآن کے پیرایہ میں یہ الفاظ موجود ہیں[1] لیکن ہندوستان میں جب ترکِ تقلید کی ہوا چلی اور غیر مقلدین سامنے آئے تو مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس خاص مکتبِ فکر کے لیے حکومت سے یہ نام رجسٹر کرالیا. اب اس فرقہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو سرے سے اَن پڑھ ہیں محدث ہونا تو کجا رہا. بعض ایسے بھی ہوں گے جو اردو میں دستخط تک نہ کرسکیں اور بعض ایسے ہیں جو نماز کا ترجمہ بھی نہیں جانتے اور یہ لوگ کسی پہلو سے اور کسی تاویل سے بھی محدثین نہیں سمجھے جاتے. مگر اہلحدیث کا لفظ ان پر فرقہ کے پہلو سے برابر آتا ہے اور یہ لفظ اہلحدیث کا ایک وسیع استعمال ہے اور اس سے مراد غیر مقلد علماء کی پیروی کرنے والے لیے جاتے ہیں نہ کہ اس سے اہلِ علم کا کوئی طبقہ مراد ہوتا ہے کوئی لفظ اپنے وسیع مفہوم میں استعمال ہونے لگے تو اسے امرِ بعید نہ سمجھنا چاہیئے.

لفظ زندیک اپنے وسیع مفہوم میں

پارسیوں کے پیشوا زردشت یا زرتشت ہیں انہیں یہ لوگ پیغمبر مانتے ہیں. ان کے عقیدے میں ان پر جو کتاب اُتری اسے اوِستا Avesta کہتے ہیں. اس کی ایک تفسیر ژند لکھی گئی. یہ ثَنَوِین کی کتاب مقدس سمجھی جاتی ہے. ایران میں جب اسلام آیا اور لوگ کثیر تعداد میں اسلام میں داخل ہوئے تو جن دماغوں میں دین ثنوین کے آثار باقی تھے انہوں نے دینِ اسلام میں ان راہوں کی تلاش کی اور خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہوئے خیر کا خالق یزدان کو اور شر کا خالق (اہرمن کی جگہ) انسان کو قرار دیا. مسلمانوں میں یہ قدریہ کہلائے. انہیں ثنویہ بھی کہا جاتا ہے. یہ اس امت کے مجوس ہیں.

علماء اسلام انہیں زندیق کہتے ہیں. یہ اصل میں پارسیوں کی کتاب ژند کے قائلین ہیں لفظ زندیک اسی سے بنا —— پھر کاف قاف سے بدلا. اب لفظ زندیق صرف قدریہ سے خاص نہیں ہر وہ شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کا مدعی ہو اور دین کی کسی قطعی بات کو اپنے معنی مراد سے بدل دے اسے زندیق کہا

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۶۰

جاتا ہے شرح مقاصد میں ہے :۔

وان کان مع اعترافه بنبوۃ النبی صلی اللہ علیه وسلم واظهاره شعائر الاسلام یبطن عقائد هی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق[1]

زندیق وہ کافر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا معترف ہو مگر اس کے عقائد میں کسی پہلو سے کفر کا دخل ہو۔

علامہ طاہر فتنی اپنی مایہ ناز کتاب مجمع البحار میں لکھتے ہیں :۔

ماخوذ من الزند وهو کتاب بالفهلویة کان لزرادشت المجوس ثم استعمل لکل ملحد فی الدین ..... الزندیق المبطن للکفر المظهر للاسلام[2]

ترجمہ یہ لفظ زند سے ماخوذ ہے اور وہ پہلوی زبان کی کتاب ہے جو زردشت مجوس کی بتائی جاتی ہے پھر یہ لفظ ہر ملحد فی الدین کے لیے استعمال ہونے لگا —— سو زندیق اسے کہتے ہیں جو کفر کو چھپائے اور ظاہر مسلمان کہلائے۔

اہل علم نے کسی لفظ کو اپنے وسیع مفہوم میں استعمال کرنے سے نہیں روکا۔ بشرطیکہ ان میں وجہ جامع پوری روشن ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں بریلویت کی صورت

حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں شرک حجر پرستی نہیں بزرگ پرستی کا نام تھا۔ بزرگ پرستی سے قبر پرستی چلی اور قبر پرستی سے پھر حجر پرستی نے نشو و نما پائی۔ پتھروں نے مخصوص شکلوں میں آکر بتوں کا نام پایا بت پرستی سے پہلے پہلے یہ انہی اوہام میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جنہیں چودہویں صدی میں بریلویت کہتے ہیں۔ لفظ بریلویت یہاں اپنے ایک وسیع مفہوم میں استعمال ہو رہا ہے۔

عیسائیوں میں بریلویت افراطِ عقیدت اور محبت کی راہ سے آئی۔ کفر گمراہی ہے خواہ محبت کی راہ سے آئے یا عداوت کی راہ سے —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اندیشہ گزرا کہ میری امت میری محبت میں اس راہ پر بھی چلے گی اور دنیا نے دیکھا کتنے ملنگ ہیں جو عاشق رسول ہونے کا نعرہ لگا کر دن رات حضور کی سنت سے

[1] شرح مقاصد جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ [2] مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۲۹ اس سے فعل تزندق آتا ہے منتہی الارب جلد ۲ صفحہ ۳

استہزاء کررہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ ابن مریم۔

ترجمہ۔ تم میری تعریف میں وہ مبالغہ نہ کرنا جو عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم کی عقیدت میں کیا تھا۔ تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو (خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہو)

بریلویوں میں شرک الحاد کی راہ سے آیا ہے

اس زمانے میں جو بریلوی قبروں پر شرک کی مسند لگائے بیٹھے ہیں، یا انبیاء و اولیاء میں بعض صفات خداوندی کا ورود مانتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ یہ مولانا احمد رضا خاں کی تعلیم کے مطابق ہے یا نہ، یہ سارا کاروبار اسلام (بریلویت) سے چل رہا ہے یہ لوگ شرک کی دہلیز پر اسلام کے منکر ہو کر نہیں بیٹھے اہلسنت کہلا کر ڈیرہ لگائے ہوتے ہیں اور ان کی یہ گمراہی یا شرک و کفر عناد کی راہ سے نہیں الحاد کی راہ سے آیا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ شرک خواہ عناد کی راہ سے آئے یا الحاد کی راہ سے اس کا ٹھکانہ ہر صورت میں جہنم ہی ہے اور یہ لوگ اللہ تعالےٰ پر چھپے نہیں رہتے۔

ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا افمن یلقی فی النار خیر ام من یأتی آمنا یوم القیمۃ۔ (پ ۲۴ حم سجدہ ع ۵ آیت ۴۰)

ترجمہ۔ بے شک جو لوگ ہماری آیات میں ٹیڑھی راہ چلتے ہیں وہ ہم پر چھپے نہیں رہتے کیا جو آگ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آئے۔ تم جو چاہو کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ کفر و شرک یہی نہیں کہ کوئی کھلے بندوں اسلام سے بغاوت کرے۔ بغاوت کی ایک کارروائی الحاد کی راہ سے بھی ہوتی ہے گذشتہ قوموں میں بھی لوگ الحاد کی راہ سے صراط مستقیم سے پھرے اور اس امت میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کفار کے سروں پر کفر کے کھلے سینگ بھی ہوں

بریلویت عہد سابق میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کے طریقوں پر چلنے سے منع فرمایا تھا اور یہ

بھی فرمایا تھا کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس امت میں بھی ایسا ہو گا۔

سو اس امت میں بھی ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے قبروں اور خانقاہوں پر شرک کی مسندیں لگا رکھی ہیں اور بدعات سے اپنا کاروبار چمکا رکھا ہے۔ بدعت فی العقائد اور بدعت فی الاعمال دونوں کے اپنے اپنے طبقے اور حلقے ہیں۔ بدعت فی العقائد کے لوگ پہلی تین صدیوں میں خود ہی اہل السنۃ والجماعۃ سے دور ہٹتے گئے اور یہ لوگ قدریہ، شیعہ، معتزلہ، خوارج، مرجئہ ناموں سے موسوم ہوئے۔ لیکن اہلسنت والجماعۃ میں بدعت فی الاعمال نے البتہ کچھ راہیں نکالیں گو ان کا عمومی دعویٰ اہلسنت ہونے کا ہی رہا۔

حضرت علی ہجویریؒ (۴۶۵ھ) نے ان ظلمتوں (بدعت فی الاعمال) کے خلاف آواز اٹھائی۔ مخلوق سے مدد مانگنے اور بزرگوں کو حاجت روا سمجھنے کی بدعت عام ہو چکی تھی۔ آپ نے حق بات بڑی ذمہ داری سے کہی اور عہد تجدید کا حق ادا کیا۔ فرماتے ہیں:۔

استعانۃ المخلوق من المخلوق کاستعانۃ المسجون من المسجون۔[1]

ترجمہ: مخلوق کا مخلوق سے مانگنا اسی طرح ہے جیسے کوئی قیدی کسی قیدی سے رہائی مانگے۔

یہ پانچویں صدی کی آواز ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں عوام میں بدعات پھیل چکی تھیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان عوام کو علمی استناد مہیا کرنے والا وہاں کوئی طبقہ ان دنوں موجود نہ تھا۔ عوام رسوم و رسمیات میں گھر کر بدعات میں پڑتے اور علماء انہیں ٹوکتے اور ان کا پھیلاؤ خود بخود ٹھنڈا پڑ جاتا۔ ابھی تک بدعت فی الاعمال نے کسی فرقے کی شکل اختیار نہ کی تھی۔ بریلوی عقائد تو موجود تھے مگر بریلوی رسوم نے ابھی جگہ نہ پائی تھی۔ ہندوستان میں یہ اس وقت ہوا جب یہاں انگریز آئے اور انہوں نے علماء حق کے خلاف نفرت پھیلانے کی مختلف راہیں تلاش کیں اور اسلام کے تابناک چہرے کو بدعات سے سیاہ کرنے میں انہوں نے کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ انگریزوں کے ساتھ ان کے سکھ حلیف پنجاب میں ان مفادات کا پہرہ دے رہے تھے۔

مسلم دور حکومت میں مسلمانوں کا علمی اور روحانی مرکز دہلی تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا مدرسہ رحیمیہ مرجع خواص و عام تھا۔ آپ کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی علمی سلطنت سمرقند بخارا اور مصر و شام

---

[1] کشف المحجوب ص۹۵

تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے شاگرد دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور علم کی سند انہی کے نام سے چلتی تھی۔ انہوں نے فتوے دیا کہ انگریزی عملداری میں ہندوستان دارالحرب ہے اور مسلمانوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بلادِ اسلام کو ان غیر مسلم قابضین سے (وہ سکھ ہوں یا انگریز) آزاد کرائیں۔ پھر کیا تھا انگریز اب اس خاندان کے کھل کر دشمن ہوگئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے خلیفہ ارشد حضرت سید احمد شہیدؒ اور بھتیجے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے شمالی ہندوستان میں قبائل کے تعاون سے ایک آزاد سلطنت قائم کی اور وہاں سے جہاد کا آغاز کر دیا۔ اور ہندوستان کی طرف بڑھنے سے پہلے پنجاب کو سکھوں سے آزاد کرانے کی مہم چلائی مجاہدین نے سکھوں کے خلاف پرچم جہاد بلند کیا اور قریب تھا کہ مجاہدین کامیاب ہوجائیں اور ہندوستان پر پھر سے پرچم اسلام لہرا جائے مگر بریلوی (وسیع تر مفہوم میں) مجاہدین کے خلاف وہابی ہونے کا پروپیگنڈا کرنے لگے اور بہت سے افغان سرداروں کو مجاہدین کی مدد سے روک دیا۔ یہ بریلوی سکھوں اور انگریزوں کے آلۂ کار بن کر اس زہریلے پروپیگنڈے سے مجاہدین کی صفیں توڑ رہے تھے۔ یہاں تک حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ جہاد کرتے کرتے بالاکوٹ میں شہادت پاگئے۔ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے دور میں ان سکھوں کو جنہوں نے انہیں شہید کیا اہل خیر قرار دیا اور خیرِ امت میں سے شمار کیا۔ یہ نہ سوچا کہ بھلا سکھ اہلِ خیر میں سے کیسے ہوسکتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

وہ جسے وہابیہ نے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا

وہ قتیل لیلائے نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے[۱]

بالاکوٹ میں سکھوں کی یہ فتح بریلویوں کی پہلی کامیابی تھی اور اب تک بریلوی ان کے یوم وفات پر خوشی مناتے ہیں اور سر تقریریں ان حضرات پر کُفر کے گولے برساتے ہیں

مسلمانوں نے دوسری جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں لڑی۔ یہ جنگ براہِ راست انگریزوں کے خلاف تھی۔ اس میں تین غداروں کے باعث انگریز کامیاب رہے اور علماء حق کو آگ اور خون کے دریاؤں سے گزرنا پڑا۔ لوگ آبادیوں سے نکل کر دیہاتوں اور صحراؤں میں پناہ لے رہے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں کے دادا رضا علی خاں بڑے اطمینان سے ذخیرہ بریلی میں مقیم تھے۔

---

[۱] حدائق بخشش جلد ۲ ص

یہ وہ دور تھا جب علماء حق پھر طاقت جمع کرنے اور کمک پیدا کرنے کے لیے پیچھے ہٹنے انگریزوں کو مغالطہ دینے کی پوری کوشش کی کہ یہ اس جنگ میں ہٹ گئے ہیں اور جب ذرا طاقت جمع ہوئی شیخ الہندؒ نے ترکی اور افغانستان سے رابطہ قائم کرکے ریشمی رومال اور ترک موالات کی تحریکیں شروع کر دیں۔ اور قرآن کریم اس طرح پیچھے ہٹنے اور کمک پیدا کرنے یا دشمن کو مغالطہ دینے کے لیے پسپا ہونے (یہ ظاہر کرنا کہ ہم پیچھے ہٹتے ہوتے ہیں) کی اجازت دیتا ہے۔

یاایھا الذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار ۰ ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ۔ (پ۹ الانفال آیت ۱۶)

ترجمہ۔ اے ایمان والو جب کافروں کی فوج سے مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ اور جو اس دن انہیں پیٹھ دکھائے گا وہ اللہ کے غضب میں پڑا۔ مگر پیٹھ دکھانا (وقتی طور پر) دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ۱۔ لڑائی میں ہنر استعمال کرنے کے لیے۔ ۲۔ یا اپنی جماعت میں جا کر قوت پانے کے لیے۔

اسلام نے یہ جو صورت بتلائی ہے عین فطرت کے مطابق ہے شکستہ حالی میں محض عقاد رکھتے ہوئے مرنا کوئی اچھی بات نہیں اس سے بہتر پھر سے طاقت جمع کرنا ہے۔ ۱۸۵۷ء میں اس ناکامی کے بعد علماء حق پھر سے طاقت جمع کرنے اور قوم کو تیار کرنے میں لگ گئے۔ یہ بھی انگریزوں سے تصادم کی ایک پالیسی تھی مگر اظہار یہ کیا جاتا کہ وہ بغاوت نہیں کر رہے ہیں۔

یہ وہ دور تھا جب مولانا اسماعیل شہیدؒ کے خلاف کام کرنے والے کچھ علماء پیدا ہو چکے تھے۔ ان کے سرخیل مولانا فضل رسول بدایونی تھے۔ انہوں نے محدثین دہلی کے خلاف ایک محاذ بنایا ان کے خلاف کتابیں لکھیں۔ ان پہ کفر کے گولے پھینکے تاہم بطور جماعت وہ ان محدثین دہلی کے پیروؤں کی تحریک تکفیر نہ کر سکے اس کے لیے انگریزوں کو کسی بڑے حضرت کا انتظار تھا۔ اعلیٰ حضرت کی ضرورت تھی۔

مولانا عبدالسمیع رامپوری مؤلف انوار ساطعہ (مولانا احمد رضا خاں انہیں اپنا بڑا بھائی کہتے تھے) بھی اس دور کے اس ذہن کے اہم بزرگ ہیں۔ اسی عہد کے قریب مولانا غلام دستگیر قصوری ہوئے ہیں آپ نے محدثین دہلی کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے بیٹوں کی برابر عزت کرتے تھے۔ علماء دیوبند

کے بھی پہلے بہت معتقد اور نیازمند تھے۔ آپ نے نیچریوں معتزلۂ ہند (جیسے سرسید اور مولوی چراغ علی وغیرہ) کے خلاف اپنی بعض تالیفات پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دیوبند سے بڑے نیازمندانہ آداب سے تقریظ لی تھی اور اسے سرکتاب شائع کیا۔ لیکن جب علمائے دیوبند پنجاب میں آنا شروع ہوئے تو مولانا نے اسے اپنی علمی مملکت میں ایک مداخلت سمجھا۔ تاہم آپ نے مولانا احمد رضا خاں کی طرح علمائے دیوبند پر فتوے لگانے کی مہم میں حصہ نہیں لیا۔ صرف علمی درجے میں اختلاف کیا اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔

علمائے دیوبند کی پنجاب میں آمد

نواب صاحب بہاولپور نے بہاولپور میں جامعہ عباسیہ کے نام سے ایک علمی مرکز قائم کر رکھا تھا نواب صاحب خواجہ غلام فرید صاحب آف چاچڑاں کے مرید تھے۔ خواجہ صاحب نے نواب صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ صدر مدرس دیوبند سے منگوائیں۔ علمی حلقوں میں ان دنوں دیوبند کا نام ہی چلتا تھا۔ چنانچہ عمدۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ شارح ابی داؤد جامعہ عباسیہ میں تشریف لے آئے اور حدیث پڑھانی شروع کی آپ کے یہاں آنے سے ریاست کی علمی زندگی میں بہار آگئی۔ علاقے کے بعض علماء حسد کی آگ میں جلنے لگے اور نواب صاحب کو اس پہلو سے بدگمان کیا کہ آپ کی علمائے دیوبند سے وابستگی آپ کو انگریز حکومت کے ہاں مشتبہ بنا دے گی اور ہمارے سیاسی اور سماجی مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے۔ آپ ان سے ہر طریق سے بچیں۔

مولانا غلام دستگیر قصوری کے ایک شاگرد مولانا زمان شاہ بہاولپور رہتے تھے۔ آپ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کے بھی شاگرد تھے اور ان سے اکتساب علم کیا تھا۔ مولانا غلام دستگیر جب کبھی بہاولپور جاتے تو مولانا سید زمان شاہ کے ہاں ہی قیام فرماتے۔ سو ان کی ذات اس جہت سے مجمع البحرین بنی ہوئی تھی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ آپ پر ریاست کے سیاسی تقاضوں کا خاصا اثر تھا۔

ریاست میں حضرت محدث سہارنپوریؒ کے خلاف ایک طوفان اُٹھا اور ہر طرح سے کوشش کی گئی کہ جس طرح بھی بن پڑے حضرت یہاں سے ہندوستان واپس چلے جائیں۔ ان دنوں یو پی کے اضلاع پنجاب میں اسی نام (ہندوستان) سے معروف تھے۔

بات چلتے چلتے مناظرہ تک پہنچی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے اجازت بھی لے لی۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کی سرپرستی میں مناظرہ شروع ہوا۔ مولانا غلام دستگیر صاحب

خود مناظر نہ بنے. آپ نے اپنی طرف سے تیری (ضلع مظفر گڑھ) کے مولانا سلطان محمود صاحب کو (جو معقولات میں اپنے علاقے میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے) کھڑا کیا.

ان دنوں نہ بریلویت کسی فرقہ کے طور پر معروف تھی، نہ بشریت اور علم غیب اور حاضر و ناظر وغیرہ اس کے امتیازی مسائل بنے ہوئے تھے. اختلاف رائے اختلاف تھا. ناچار مسئلہ امکان کذب اٹھایا گیا اور یہ کوئی نیا مسئلہ نہ تھا خلف وعید کے ضمن میں اس پر پہلے بھی بحثیں ہو چکی تھیں. اب مولانا غلام دستگیر کھل کر سامنے آ گئے اور انہوں نے کہا کہ مولانا خلیل احمد صاحب کے عقیدہ سے ذات باری کی توہین لازم آتی ہے.

علماء تو جانتے تھے کہ لزوم اور التزام میں فرق ہے. کسی عبارت سے کسی بات کا لازم آنا اور بات ہے اور قائل کی طرف سے اس معنی کا التزام امر دیگر ہے. جب تک قائل اس جہت کا التزام نہ کرے اسے اس کا عقیدہ نہیں کہا جا سکتا. بہر حال مولانا غلام دستگیر اس لزوم کے مدعی ہوئے اور ان کی طرف سے مولانا سلطان محمد مناظر قرار پائے.

مناظرے میں کس کا پلہ بھاری رہا اور کس کا کمزور. یہاں اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں. یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ حق ہمیشہ غالب آتا ہے اور اس پر باطل غلبہ نہیں پا سکتا.

مناظرے کے بعد خواجہ غلام فرید صاحب کا مولانا خلیل احمد صاحبؒ کو اپنے ساتھ لے جانا اور اپنی مہمانی میں رکھنا اور نواب صاحب کا انہیں بعد عزو احترام واپس بھیجنا اصل صورت حال کی خبر دے رہا ہے. خواجہ غلام فرید صاحب نے حضرت سہارنپوریؒ کی کتاب ہدایات الرشید پر جو تقریظ لکھی ہے کیا یہ علمائے دیوبند کی عقیدت کا کھلا نشان نہیں؟

علمائے علاقہ نے اپنی فتح کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا اور ایک دوسرے کے اشکے ماتحت مولانا سلطان محمدؒ کی فتح کے اعلانات کئے. اصل صورت حال کیا تھی. اس کے لیے مولانا سید زمان شاہ عراقی جو مولانا غلام دستگیر اور مولانا خلیل احمد صاحب دونوں کے شاگرد تھے ان کا ایک خط اس کی ایک کافی ووافی شہادت ہے. یہ خط فارسی میں ہے اور تین پائی (ایک پیسہ) کے پوسٹ کارڈ پر جس پر ملکہ وکٹوریہ کی تصویر والی ٹکٹ ہے لکھا ہوا ہے. یہ قصور کے حضرت مولانا سید محمد عبدالحق شاہ صاحب کے نام ہے. موصوف مولانا سید زمان شاہ صاحب کے بھتیجے تھے. اور خالہ زاد بھائی بھی تھے. شاہ عبدالحق صاحب مولانا غلام دستگیر قصوری کے شاگرد تھے اور وہ اس مناظرے کی صحیح صورت حال جاننا چاہتے تھے. مولانا سید زمان شاہ صاحب نے انہیں نہایت اعتماد میں لے کر اصل صورت حال

لہذا ہم یہاں یہ خط ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

بحضرت والا درجت اخویم مولانا الحافظ سید عبدالحق شاہ صاحب دامت الطافہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آنچہ از حقیقت اصلی انجام مباحثہ استفسار فرمودہ اند بلحاظ دگرگونی زمانہ تکلیف بمالایطاق است اما امر آنحضرت را مقدم دانستہ عرض میکنم کہ مولوی صاحب سہارنپوری را بہ نظر عالمان باانصاف دریں مباحثہ غلبہ تامہ ماندہ وہیچ گونہ ہزیمت عائد نشدہ بلکہ ایں امر از حیطۂ امکان خارج بود کہ فریق ثانی غالب شدے اما چونکہ کسان ایں جائی را بحق مولانا عداوت ہائے ذاتی بودند بدیں وجہ مولانا را بموجب و ناحق متہم بہ ہزیمت درحسد و ایذارسانی ہا شدند اما بحکم الحق یعلو ولا یعلیٰ اکثر خیالات فاسدہ اعدا بظہور نپیوستند و ایزد عزاسمہٗ ایشاں را بکمال مراتب و عافیت راجع بوطن فرمود۔ ایں تحریرم را موکد بہ حلف و ایمان تصور فرمانند ایں جملہ مضمون را از مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب کمال مخفی دارند و دریں باب تاکید مزید متصور فرمایند و از جملہ نماز ال مراسلہ ہذا را پنہاں دارند بلکہ بعد ملاحظہ چاک فرمایند۔

رقیمۂ سید محمد زمان شاہ از بہاولپور مورخہ ۲۴ جولائی ۱۸۸۹ء

ترجمہ وہ جو آپ نے انجام مباحثہ کی اصل حقیقت کے بارے میں پوچھا ہے زمانے کی دگرگونی کے باعث میرے لیے یہ تکلیف مالایطاق ہے۔ تاہم جناب کے حکم کو مقدم سمجھتے عرض کرتا ہوں کہ عالمان باانصاف کی نظر میں سہارنپوری مولوی صاحب کا غلبہ تامہ رہا اور کسی قسم کی ان میں کمزوری نہ رہی بلکہ یہ بات ممکنات میں سے نہ رہی تھی کہ دوسرا فریق غالب آسکے۔ مگر چونکہ یہاں کے کچھ لوگوں کو مولانا سہارنپوری سے ذاتی عداوت ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ مولانا کو ناحق اور بے موجب شکست کا الزام دینے لگے اور آپ کی ایذارسانی کے درپے ہوئے لیکن الحق یعلو ولا یعلیٰ کے مطابق دشمنوں کے بُرے ارادے پُورے نہ ہونے پائے اور اللہ عزاسمہٗ نے مولانا سہارنپوری کو حفظ شان اور عافیت سے وطن واپس پہنچایا۔ اس تحریر کو قسم اور حلف سے موکد تصور کریں اور اس ساری بات کو مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب سے پوری طرح مخفی رکھیں اور اس سلسلہ میں تاکید مزید عرض ہے اور خبر دینے والے تمام لوگوں

سے اسے چھپائے رکھیں بلکہ پڑھنے کے بعد اسے پھاڑ دیں۔ دستخط سید محمد زمان شاہ

یہ اصل خط حضرت مولانا سید مبارک علی شاہ صاحب ہمدانی ؒ کے ہاں محفوظ تھا جو آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد طیب ہمدانی نے مکہ مکرمہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کو دیا۔ آپ نے وعدہ فرمایا کہ اس کا عکسی فوٹو کسی آئندہ کتاب میں شائع کرادیں گے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری نے مناظرہ بہاولپور کے بعد اپنی عزت بحال کرنے کے لیے تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس میں آپ کا دعویٰ کلام لزوم سے آگے نہیں چلتا۔ التزام تو ایک بڑی بات ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا فتویٰ فتاویٰ رشیدیہ میں موجود ہے جو اس بے جا الزام کی کھلے بندوں تردید کر رہا ہے۔

تقدیس الوکیل پر مولانا سید زمان شاہ ہمدانی کے دستخط ایک دباؤ کے تحت لیے گئے۔ مولانا سید زمان شاہ نے ایک خط میں اس دباؤ اور اپنی اس مجبوری کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ کا یہ خط خیرپور (ٹامیوالی) ضلع بہاولپور میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب ہمدانی کے پاس محفوظ ہے۔

یہ تفصیل ہم نے صرف اس لیے ذکر کی ہے کہ قارئین جان لیں کہ ان دنوں بریلویوں کے آج کے نزاعی مسائل (جیسے بشریت، علم غیب اور حاضر ناظر وغیرہ) ہرگز ما بہ النزاع نہ تھے۔ ان دنوں یہ مسائل صرف شیعہ عقائد کے نام سے معروف تھے۔ اہلسنت میں کوئی بشریت انبیاء یا علم غیب کے خاصہ باری تعالیٰ ہونے کا منکر نہ تھا نہ بریلویت ان اطوار سے کہیں معروف تھی، نہ غلام دستگیر قصوری کے یہ عقائد تھے۔

علاقہ بہاولپور میں یہ بریلویت کا آغاز ہے۔ یہاں بھی ہم لفظ بریلویت کو ایک وسیع مفہوم میں لے رہے ہیں۔ ورنہ یہاں مولانا احمد رضا خاں کو کوئی جانتا تک نہ تھا۔ نہ ان کی یہاں کوئی اہمیت تھی۔ خان پور میں اس حلقے کے ایک عالم مفتی سراج احمد گزرے ہیں۔ بریلویوں میں سراج الفقہاء کے نام سے معروف ہیں۔ بہاولپور اور خان پور کے علاقے میں مولانا احمد رضا خاں کہاں تک معروف تھے اسے ان کے سراج الفقہاء کے نام سے سنیئے۔ موصوف لکھتے ہیں:۔

افسوس صد افسوس کہ مجھے اعلیحضرت کے وصال سے دو سال پہلے ان کا پتہ معلوم ہوا۔ [لہ]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی ملکی شہرت کے قصے بہت بعد کے ہیں۔ آپ کی زندگی میں

لہ المیزان بمبئی احمد رضا نمبر ص۱۸۷

۳/۳

آپ کی اپنے علمی حلقوں میں بھی کوئی شہرت نہ تھی ان کے سراج الفقہاء تک ان کی وفات سے دو سال پہلے ان کے نام سے ناآشنا تھے۔

علاقہ بہاولپور میں بریلویت کا آغاز

علاقہ بہاولپور میں پہلے سب لوگ اہلسنت چلے آتے تھے۔ بریلویت صرف جہل و جذب کا نام تھا خواجہ غلام فرید صاحب ہرگز بریلوی فکر و نظر کے نہ تھے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح شرقپور کے حضرت میاں شیر محمد صاحب علمائے دیوبند کو علم کا نور سمجھتے تھے۔ مگر آج دیکھئے ان کے جانشینوں نے وہاں کون سی لائن اختیار کر رکھی ہے۔

خواجہ غلام فرید صاحب کے بعد اُن کے صاحبزادے خواجہ نازک کریم جانشین ہوئے۔ اُن کے مریدوں نے آگے بالفعل بریلویت اختیار کر لی۔ اُن کے ایک مرید جو طالب تخلص کرتے تھے۔ ایک مقام پر کہتے ہیں:۔

طالب خدا گواہ نازک بچشم من عین محمد است کہ عربی شنیدہ ام

ترجمہ۔ اے طالب خدا گواہ ہے کہ میرے مرشد نازک کریم میری آنکھوں میں ہو بہو محمد عربی ہی ہیں جو تم نے سُن رکھے ہیں:۔

اس فضائے اختلاف میں یکایک ایک مولوی محمد یار بہاولپوری اُٹھا اور اس نے سرِعام حضور کی بشریت کا انکار کیا۔ اس سے پہلے کسی سنی نے بشریت انبیاء سے انکار نہ کیا تھا۔ سب جانتے تھے کہ اہلسنت کے ہاں بشریت انبیاء ایک مسلّم عقیدہ ہے۔ مولوی محمد یار بہاولپوری نے برسرِعام یہ عقیدہ پھیلانا شروع کیا اور جہلاء کے ایک طبقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اُتر پڑا وہ مدینے میں مصطفےٰ ہو کر (استغفر اللہ)

دیوانِ محمدی مؤلفہ مولوی محمد یار گڑھی والا اس میں پہلے مولانا احمد سعید کاظمی کا ایک مضمون بطور مقدمہ دیا گیا ہے۔ یہ حلقہ بریلویت کی ایک تاریخی دستاویز ہے۔

قصور میں بریلویت کا آغاز

بریلویت اپنی موجودہ شکل میں قصور میں مولانا غلام دستگیر کی وجہ سے نہیں آئی مولوی محمد یار بہاولپوری

کے بلویں آئی ہے۔ جس نے برسرِ عام قصور کے ایک جلسہ میں جھوم جھوم کر یہی شعر پڑھا۔ جو کھلے طور پر زندقے کی تعلیم دے رہا تھا اور دیوانے جذب وجہل میں سرشار رہے تھے۔ ؎

جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر　　　اُتر پڑا وہ مدینے میں مصطفےٰ ہو کر

قصور میں پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑوی کے خلیفہ اور مولانا غلام دستگیر قصوری کے شاگرد حضرت مولانا شاہ عبدالحق ہمدانی قصوری موجود تھے۔ یہ حضرات واقعات بہاولپور کو بہت قریب سے جانتے تھے اور ان کے خاندان کا ایک حصہ خیرپور میں آباد تھا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا سید مبارک علی شاہ صاحبؒ نے بہاولپوری کے اس الحاد کا سختی سے نوٹس لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر سید البشر کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور اپنے تمام بزرگوں اور معاصرین سے اس پر تصدیقات حاصل کیں۔ یہ اس موضوع پر ہندوستان کی پہلی کتاب ہے۔ اس وقت تک بشریتِ انبیاء مسلمانوں میں کوئی اختلافی موضوع نہ تھا۔

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑویؒ کے خلیفہ خاص حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی اس کتاب پر تصدیق لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد:-

احقر نے اس رسالہ کو بکمالہا پڑھا ہے۔ رسالہ اہلِ اسلام کے مذہب کا صحیح ترجمان ہے تمام سچے مسلمان اسی عقیدہ پر گزرے ہیں اور اس وقت بھی تمام سچے مسلمان اسی عقیدہ پر ہیں جس واعظ صاحب کی تردید اس رسالہ میں کی گئی ہے۔ وہ دراصل شیعہ ہے اور شیعہ کے بہت سے فرقوں میں سے ایک فرقہ حضرات ائمہ اہلبیت علیہم السلام کو خدا یقین کرتا ہے میرے خیال میں واعظ مذکور بھی اسی عقیدہ کا ہے اور اس واسطے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہ اعتقاد رکھتا ہے۔ بعض ناواقف لوگ اسے صوفیہ کرام کے فرقہ مبارکہ میں سے تصور کرتے ہیں۔ بالخصوص صوفیہ وجودیہ رضی اللہ عنہم سے ——— حاشا وکلا صوفیہ وجودیہ کے رئیس شیخ محی الدین ابن العربی اپنی کتاب فتوحات میں بشریت کو خلافت الٰہیہ کا مرادف فرماتے ہیں اور اسی منصب کو موجب تنافسِ ملائکہ بتلاتے ہیں۔ الغرض رسالہ ہذا بہت صحیح اور اس فتنہ کا عمدہ رد ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور انہیں اس اعلاء کلمۃ اللہ کے عوض مدارج عالیہ نصیب فرمائے۔

حضرت مصنف کی خدمت میں اتنی گذارش ہے کہ اس واعظ کے تمام دلائل کو جمع کر کے
اس رسالہ میں ان سب کی تردید کریں تو بہت ہی موزوں ہوگا۔

غلام محمد گھوٹوی (شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ بشریت میں ان دنوں خانقاہ گولڑہ اور اس کے جملہ متوسلین علماء دیوبند کے ساتھ تھے۔ بریلویت اپنی موجودہ شکل میں ابھی ابھری نہ تھی۔

حضرت میاں غلام محی الدین صاحب قصوری کے اسم گرامی سے کون واقف نہیں۔ آپ حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی کے خلیفہ ارشد ہیں۔ آپ کے صاحبزادے میاں عبدالرسول جن کے لیے آپ نے تحفہ رسولیہ لکھا، کے داماد حسین شاہ صاحب قصور میں ہی آکر آباد ہوگئے تھے۔ ان کے صاحبزادگان سید محمد شاہ اور سید احمد شاہ اپنے وقت میں حضرت میاں غلام محی الدین صاحب قصوری کے جانشین رہے ہیں۔

مولانا سید مبارک علی شاہ صاحب ہمدانی کے رسالہ سید البشر پر جناب مولانا سید محمد شاہ صاحب مجددی نے بھی تقریظ لکھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ بشریت ان دنوں تک اہلسنت میں کوئی اختلافی مسئلہ نہ بنا تھا۔ قصور کی مسجد حوض والی کے خطیب صاحبزادہ علی احمد شاہ صاحب سید احمد شاہ صاحب مذکور کے پوتے ہیں جناب سید محمد شاہ صاحب سید البشر کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جو کچھ حضرت شاہ صاحب سید مبارک علی شاہ صاحب نے تحقیق فرمائی ہے وہ صحیح ہے اور فقیر کے اعتقاد میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ کے بیٹے تھے اور حضرت عبدالمطلب کے پوتے تھے اور بنی نوع انسان سے تھے۔ اگر کوئی آپ کو بنی آدم میں سے نہ مانے تو وہ ہدایت کا انکار کرتا ہے اور وہ سخت جاہل ہے۔ باقی حقیقت محمدیہ اور شخص محمدیہ میں امتیاز لوازمات اسلام سے ہے حقیقت محمدیہ اور شخص محمدیہ کا مرتبہ میں فرق نہ کرنا زندقیت ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔

ہمارا ایمان شخص محمد پر جو کہ میں حضرت عبداللہ کے صلب اور حضرت آمنہ کے بطن سے پیدا ہوئے ان پر ایمان ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے مرسل نبی تھے اور خاتم الانبیاء تھے اور تمام کمالات انسانی کے جامع تھے بلکہ انسان کامل تھے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ و التزم متابعۃ المصطفیٰ

فقیر حافظ سید محمد قصوری مجددی

جامع مسجد قصور کوٹ کلاں کے خطیب مولانا منظور الحق صاحب نے بھی اس پر دستخط کیے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان دنوں قصور کی یہ مرکزی مسجد اہل السنۃ والجماعۃ کے پاس تھی منکرین بشریت کی وہاں کھلے بندوں تردید ہوتی تھی تقسیم ملک کے بعد یہاں کے حالات میں تبدیلی پیدا ہوئی ہے پہلے وہاں اہل بدعت کا قبضہ نہ تھا۔

جس وقت مولوی محمد یار بہاولپوری نے قصور میں یہ فتنہ کھڑا کیا وہ مولانا احمد رضا خاں کی زندگی کا آخری سال تھا۔ مولانا سید مبارک علی شاہ صاحبؒ نے ۱۹۴۰ء میں اشتہار میرا ایمان و اعتقاد شائع کیا اور اسی سال مولانا احمد رضا خاں کی وفات ہوئی۔

اس رسالہ کی اشاعت اور بزرگوں کی تصدیق سے یہ نئی اٹھی آواز دب گئی پھر مدتوں بعد غالباً ۱۹۴۱ء میں کوٹ غلام محمد خاں میں ایک مولوی عبدالعزیز صاحب آئے اور انہوں نے یہاں پھر سے بریلویت کا تعارف کرایا۔ انہوں نے کچھ زمین ہموار کی تو مولانا محمد عمر اچھروی نے یہاں حافظ ولی محمد صاحب مرحوم کی مسجد میں جمعہ پڑھانا شروع کر دیا۔ تاہم شہر پر علمائے دیوبند کا ہی اثر رہا۔ اہل بدعت باہر سے آتے اور اپنی اپنی آواز لگا کر چلے جاتے۔ شہر کے پڑھے لکھے لوگ ہمیشہ سے اہل حق کے ساتھ رہے ہیں۔ رسالہ سید البشر اور اس پر سب بزرگوں کی تصدیق اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ انگریز ابھی تک قصور میں یہ دھڑا قائم نہ کر پائے تھے۔

لاہور میں بریلویت

لاہور میں بریلویت قصور کے بعد آئی ہے۔ قصور مدتوں لاہور ہی کی تحصیل رہا ہے۔ بیسویں صدی کے شروع میں پنجاب کے انگریز گورنر نے دیکھا کہ پنجاب کے آستانہائے مشائخ اپنی تمام بدعات و رسوم کے باوجود اہلسنت مسلمانوں کو ایک امت کے طور پر سنبھالے ہوئے ہیں اور اسے ٹکڑے ہونے نہیں دیتے تو اس نے ضرورت محسوس کی کہ یو۔ پی وغیرہ کے علماء، جو محدثین دہلی کے خلاف ہو چکے ہیں انہیں پنجاب میں لایا جائے۔ وقت گزرتا گیا اور انگریز حکومت مناسب افراد کی تلاش میں کوشاں رہی۔ اس کے بغیر حکومت کے لیے اہلسنت مسلمانوں کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنا بہت مشکل تھا۔ پنجاب کے علماء اور مشائخ اختلاف مسائل کے باوجود امت کی مزید تقسیم کے لیے تیار نہ تھے۔

سر عبدالقادر نے مسجد وزیر خاں کی انتظامیہ کو گورنر کی اس رائے سے مطلع کیا کہ یہاں مولانا دیدار علی شاہ صاحب کو خطیب مقرر کیا جائے۔ پھر اگلے دور میں امروہہ سے مولانا احمد سعید کاظمی ملتان لائے گئے۔ پھر مفتی احمد یار صاحب

کو گجرات ٹھہرایا گیا۔ ان علماء نے پنجاب میں خاصی محنت کی مگر غلبہ پھر بھی مشائخ کا رہا۔ یہ خانقاہ تونسہ شریف اور سیال شریف اور گولڑہ شریف میں بار نہ پا سکے۔ جنگ عظیم اول کے اختتام تک سجادہ نشین سیال شریف علمائے دیوبند کے ساتھ تھے۔ تونسہ شریف کے مدارس و مراکز میں فضلاء دیوبند ہی پڑھاتے رہے اور اب تک وہاں یہی صورت حال ہے۔ گولڑہ شریف کے پیر مہر علی شاہ صاحب نے شاہ اسماعیل شہیدؒ کو کافر کہنے سے صاف انکار کر دیا اور مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ بالکل نہ دیا۔ حضرت مولانا شہید کو برابر مثاب و ماجور کہتے رہے۔

لاہور کے جامعہ فتحیہ اچھرہ کے صدر مدرس حضرت مولانا مہر محمد صاحب جو مدرسہ نعمانیہ میں بھی مدتوں پڑھاتے رہے۔ لاہور کے متقدر حنفی عالم تھے۔ مولانا دیدار علی شاہ اور مولانا غلام مرشد اُن کے ہاں پڑھاتے رہے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک بریلویت ایک فرقہ کے طور پر ابھی اُبھری نہ تھی۔

قصور کے مولانا سید مبارک علی شاہ ہمدانی نے جب بشریت کے موضوع پر رسالہ سید البشر لکھا اور ایک اشتہار بنام میرا ایمان و اعتقاد شائع کیا تو اس پر حضرت مولانا مہر محمد صاحب نے بھی دستخط کیے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک لاہور میں بشریت انبیاء پر اہلسنت مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہ ہوا تھا۔ کچھ لوگوں کے ہاں میلاد کی مجلسیں تو ہوتی تھیں، کچھ رسوم و بدعات بھی رائج تھیں لیکن عقائد کی سطح متنزلزل نہ تھی۔ خود مولانا دیدار علی بھی حضورؐ کے اس طرح حاضر و ناظر ہونے کے قائل نہ تھے جس طرح اس وقت کے بریلوی اسے اپنا عقیدہ بنائے بیٹھے ہیں۔

آپ اپنے رسالہ رسول الکلام فی بیان المولد والقیام میں لکھتے ہیں:۔

> لفظ حاضر و ناظر سے اگر حضور و نظور بالذات مثل حضور و نظور باری تعالیٰ ہر وقت و ہر لحظہ مراد ہے تو یہ عقیدہ محض غلط و مفضی الی الشرک ہے ـــــ الا اہل اسلام میں یہ عقیدہ کسی جاہل و اجہل کا بھی نہ ہوگا۔ رسول الکلام صـ۱۰۵

مولانا دیدار علی شاہ مولانا احمد رضا خاں کے معاصر تھے ان کے مرید نہ تھے۔ مولانا احمد رضا خاں کا پورا رنگ مولانا دیدار علی پر نہیں اُن کے بیٹے ابوالبرکات پر چڑھا۔ ورنہ وہ کبھی مولانا غلام مرشد صاحب جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے کے ساتھ مل کر ایک مدرسہ میں کام نہ کرتے۔ سو صحیح بات ہے کہ لاہور میں بریلویت مولانا ابوالبرکات سے آئی ہے۔ ان سے پہلے بشریت انبیاء یا علم غیب یا مسئلہ حاضر و ناظر لاہور کے مسلمانوں میں کوئی اختلافی مسائل نہ سمجھے گئے تھے۔ تمام اہل سنت عقائد میں ایک تھے اور حضرات انبیاء کرام کو نوع بشر ہی سے مانتے تھے۔ ورنہ مفتی لاہور حضرت مولانا مہر محمد صاحب، حضرت مولانا سید مبارک علی شاہ صاحب ہمدانی کے عقیدہ بشریت پر ہرگز دستخط نہ کرتے۔

مولانا سید عبدالحق شاہ ہمدانی مولانا غلام دستگیر قصوری کے شاگرد تھے۔ آگے ان کی سند کا عکس ملاحظہ فرمائیں۔ اس کی دوسری طرف مولانا عبدالحق شاہ صاحب کے صاحبزادے مولانا سید مبارک علی شاہ کے ایک اشتہار کا فوٹو ہے جس میں آپ نے مسئلہ بشریت پر اپنا ایمان و اعتقاد تحریر فرمایا ہے اس پر ان حضرات کے تصدیقی دستخط ہیں :-

① حضرت مولانا عبیداللہ صدر مدرس جامعہ عباسیہ بہاولپور۔
② مولانا محمد صادق مدرس دوم جامعہ عباسیہ
③ مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ۔
④ مولانا محمد جعفر از دربار عالیہ گڑھی شریف۔
⑤ مولانا عبدالعلیم ملتانی
⑥ مولانا سید اشفاق علی از ملتان چھاؤنی۔
⑦ مولانا سید عبدالکریم شاہ ممدال ضلع ملتان۔
⑧ مولانا محمد صالح از منچن آباد۔
⑨ حضرت مولانا مہر محمد صاحب صدر مدرس جامعہ فتحیہ اچھرہ —— وغیرہم من العلماء الکبار

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت پورے سرائیکی علاقے میں سب علمائے اہل سنت اسی عقیدے پر تھے جو مولانا سید مبارک علی شاہ صاحب قصوری نے قلمبند فرمایا ہے اور شیعہ کے سوا اور کسی کو اس سے اختلاف نہیں رہا۔ پہلا شخص جس نے علاقہ بہاولپور میں اس اختلاف کا بیج بویا وہ زندقہ کا شکار یہی واعظ محمد یار تھا۔

جامعہ عباسیہ جو اس علاقے کا علمی مرکز تھا اس کے صدر مدرس، مدرس دوم شیخ الجامعہ اور شیخ الحدیث سب اسی عقیدے پر تھے جسے آج عقیدہ علماء دیوبند کہا جاتا ہے۔ خانپور میں مدرسہ دارالعلوم جو مدرسہ مخزن العلوم خانپور کے مدتوں بعد بنا ہے اور اس میں بھی بریلویت بہت بعد میں آئی ہے۔ اس کے مفتی سراج احمد کو ۱۹۴۸ء تک مولانا احمد رضا خاں کا پتہ تک نہ تھا۔

ملتان کے سب معتمد علماء اسی عقیدے پر تھے جس کی تصدیق مولانا عبدالعلیم ملتانی نے کی ہے۔ ملا نظام الدین ملتانی نے بھی کبھی ان سے اختلاف نہ کیا تھا۔ ملا نظام الدین ملتانی اور کئی

باسمہٖ سبحانہٗ

میرا ایمان و اعتقاد

سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اب بھی وہی ہے۔ جو آج سے ۸۰۰۰ سال قبل میں اپنے رسالہ "سید البشر" مصدقہ علماء قصور و ریاست بہاولپور میں بدیں الفاظ ظاہر کر چکا ہوں۔

"ہمارا اعتقاد اور ہمارا پختہ علم یہی ہے۔ کہ آپ بشر تھے۔ اور مطلق بشریت میں ہمارے مثل تھے۔ باقی رہے آپ اپنے فضائل و کمالات کے لحاظ سے سو اس بات میں تو بڑی سے بڑی مخلوق بھی آپ کے رتبہ کے قریب نہیں پہنچ سکتی آپکے مثل ہونا تو کہیں رہا۔ یہ صحیح ہے۔

"وَ اِنّہٗ خیر خلق اللہ کلہم یا ؏ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

یعنے حضور ہماری طرح کے انسان تھے بھی اور نہیں بھی۔ ہماری طرح کے انسان تھے بھی وہ یوں کہ آپ آدمؑ کی اولاد تھے۔ دوسرے انسانوں کیطرح آپکی بھی اولاد ہوئی آپ کھاتے پیتے تھے دیگر انسانوں کیطرح زمین پر چلتے پھرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ اور ہماری طرح کے انسان نہ تھے۔ وہ یوں کہ آپ پر وحی آتی ہم پر نہیں آتی۔ آپکے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے معجزات ظاہر کئے۔ آسمانوں پر بلا کر شرف بخشا اور سب انسانوں کیا ساری مخلوقات سے افضل و اکرم و اعظم بنایا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو شخص اس سے کچھ زیادہ میری طرف منسوب کرے وہ جھوٹا ہے۔

قرآن مجید۔ حدیث شریف اور اکابر علماء اہلسنت نے اسی عقیدہ کی تصریح کی ہے۔ جسطرح آپ کے قدر کو گھٹانا برا ہے۔ اسی طرح یہانتک آپکو بڑھانا کہ "نبی خاص خدای ذات ہے" کہدیا جائے کفر ہے۔ عیسائیت اور اس عقیدے میں کچھ فرق نہیں۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ "مسیح بن مریم اللہ ہے" اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ایسے لغو عقیدوں سے محفوظ رکھے۔

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ

بندہ مبارک علی (سید ہمدانی) (سنہ ۱۹۴۰)

از کوٹ مراد خاں قصور

بدعات فی الاعمال میں تو ملوث تھے لیکن بشریت النبی کا انکار نہ کرتے تھے اس عقیدہ پر سب کے متفقہ دستخط آج بھی موجود ہیں اور پچھلی صدی کے لاہور کے اعتدال کی خبر دے رہے ہیں۔

پنجاب کے دیگر بڑے بڑے شہروں کو دیکھو۔ سرگودھا، راولپنڈی، لائلپور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ جیسے بڑے شہروں کی مرکزی جامع مساجد میں موجودہ اختلافات سے پہلے علماء دیوبند ہی مرجع خواص وعوام نہیں رہے؟ سرگودھا کی جامع مسجد بلاک ۱۰ میں شیخ الحدیث مفتی محمد شفیع صاحب، راولپنڈی کی مرکزی جامع مسجد میں مولانا مولا بخش صاحب تلمیذ حضرت شیخ الہند، لائلپور میں حضرت مولانا مفتی محمد یونس اور مولانا محمد مسلم صاحب شیخوپورہ کی جامع مسجد میں مولانا امین الحق صاحب تلمیذ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ اور گوجرانوالہ جامع مسجد شیرانوالہ میں محدث العصر حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب اور حضرت مولانا عبدالواحد صاحب تلمیذ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ۔ یہ کون حضرات تھے؟ یہ سطح احوال پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ پنجاب میں پہلے سب لوگ مسلک اہلسنت پر تھے اور دیوبند کو اہلسنت کی ہی مرکزی درس گاہ سمجھا جاتا تھا۔ بریلویت یہاں بیسوی صدی کے نصف آخر میں چمکی ہے اور ابتداء میں بریلوی کہلانا پڑھے لکھے لوگوں کے لیے ایک عار سمجھا جاتا تھا اور اب تک اونچے پڑھے لکھے طبقے کا یہی احساس ہے۔

اب آیئے اس عہد لاحق میں بریلویت کا کچھ مطالعہ کریں کہ یہ بریلویت اپنی موجودہ صورت میں کس سیاق سے چلی ہے۔

بریلویت عہد لاحق میں

اب آیئے آپ کو بریلویت کے اصل مرکز بریلی میں لے چلیں۔ یو۔پی میں بریلویت اپنے وسیع مفہوم میں پہلے بدایوں سے اٹھی تھی۔ اس کے مرکزی کردار مولانا فضل رسول بدایونی تھے۔ قاضی فضل احمد صاحب مؤلف انوار ہدایت نے بھی اس خاکے میں رنگ بھرا۔ مولانا عبدالسمیع رامپوری بھی اسی حلقے میں انوار ساطعہ لائے۔ اس کے بعد بریلویت اپنے اصل مفہوم میں اس علاقہ میں پھیلی۔ مولانا احمد رضا خاں بھی پہلے مولانا غلام لیسین کے حلقے کے تھے۔ جب مولانا غلام لیسین دیوبند کے پہلے جلسہ تقسیم اسناد پر دیوبند گئے تو مولانا احمد رضا خان ان سے ناراض ہو گئے اور اپنی علیحدہ مسجد اور مدرسہ کا سوچنے لگے گویا بریلویت اب اپنے اصل مرکز اور اپنے اصل رنگ پر آنے لگی۔ یہ بریلویت کا بریلی کا نقشہ ہے۔ پنجاب ان دنوں مولانا احمد رضا خاں سے نا آشنا تھا۔ یہاں تونسہ شریف،

سیال شریف اور گولڑہ شریف روحانی مرکز تھے اور ان میں علماء دیوبند کا نام ہی چلتا تھا۔ عام لوگ آستانہ بریلی سے بے خبر تھے اور مولانا احمد رضا خاں کا کہیں کوئی خاص تعارف نہ تھا۔

جو لوگ رسم و رواج اور ختم و چہلم کے رسیا ہیں وہ بھی مولانا احمد رضا خاں سے متعارف نہ تھے اور عقائد کی سطح تک تمام اہلسنت والجماعت ایک تھے۔ ملّا نظام الدین ملتانی جن کے فتاوے بریلویوں نے مولانا احمد رضا خاں، حامد رضا خاں، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا سردار احمد لائلپوری کے ساتھ انوار شریعت کے نام سے شائع کئے ہیں۔ ان کا ان فتاویٰ میں جگہ پانا بتلاتا ہے کہ بریلویت ان دنوں مضافات ملتان میں ملّا نظام الدین کے نام سے راہ پا چکی تھی۔ تاہم ملتان میں ابھی تک اہلسنت میں کفر و اسلام کے فاصلے قائم نہ ہوئے تھے۔ مولانا احمد سعید کاظمی امروہہ سے یہاں آباد ہوئے تو ان کے ذریعہ یہاں مولانا احمد رضا خاں کا تعارف ہوا اور پھر ان سے یہ زمین بریلویت سے آشنا ہوئی۔ ورنہ ان سے پہلے تمام علماء حضرت مولانا غلام گھمڑوی کی طرح واعظ محمد یار کے انکار بشریت کو زندقہ و الحاد سمجھتے تھے۔

بریلویت اپنے مرکز میں

مولانا احمد رضا خاں کے خاندان کے لوگ مولانا نقی علی، رضا علی، کاظم علی کن عقیدوں کے لوگ تھے اس وقت اس سے بحث نہیں۔ یہ نام اس تسلسل سے خود ایک حلقے کا پتہ دے رہے ہیں تاہم یہ درست ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے آپ کو سنّی العقیدہ ظاہر کیا اور اہلسنت کے مرکز مارہرہ شریف جا کر باپ، بیٹا دونوں ایک ہی دن بیعت ہوئے۔ باپ کا اس بڑی عمر میں بیعت کرنا بتلاتا ہے کہ اس وقت تک شاید ان کی مذہبی دلالتیں کسی اور طرف ہوں اور پھر کسی اور پروگرام کے تحت یہ حضرات معروف سنّی خانقاہ میں حلقہ بگوش ہوئے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس سابقہ بریلویت (اپنے وسیع مفہوم میں) کو ایک باضابطہ شکل دی۔ اس کے اصول و فروع طے کئے۔ اسے اپنے مستقل دین و مذہب کا نام دیا اور اپنے حلقہ اعتقاد کو اس دین و مذہب کے پابند رہنے کی تلقین کی۔ اپنی وصیت میں کہا کہ شریعت کی اتباع تو تم حتی الوسع کرو لیکن میرے دین و مذہب پر قائم رہنا ہر فرض سے بڑا فرض ہے۔ استغفر اللہ العظیم

اب وہ بریلویت جو پہلے سے منتشر چلی آرہی تھی تنظیم پانے لگی اور مولانا احمد رضا خاں نے اپنی پوری علمی قوت سے اس کے رسم و رواج کو علمی استناد مہیا کیا۔ پہلے کے علمی مراکز، وہ دیوبند کے ہوں یا بدایوں کے انہوں نے انہیں کمزور کرنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن ابھی یہ مرحلہ باقی تھا کہ کس طرح اہلسنت کو مستقل طور پر

دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تاکہ یہ قوم کبھی ناموس صحابہ پر شیعہ کے خلاف یک جان نہ ہو سکے۔ جب بھی اہلسنت شیعہ کے خلاف کسی تبرا پر شاکی ہوں ایک طبقہ کر دہ بھائی بھائی کر کے اپنے ساتھ ملا سکیں اور ناموس صحابہ کا پلیٹ فارم بالکل ایک خالی نعرہ ہو کر رہ جائے۔

اب بریلویت اپنی ایک باضابطہ شکل میں آچکی ہے۔ ترتیب حالات سے پتہ چلتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند اس سے بہت پہلے قائم ہو چکا تھا اور بریلوی مکتب فکر محض اس کے ردِ عمل کے طور پر اب وجود میں آیا۔ آیئے ہم اس پر ایک غیر جانبدار شہادت پیش کرتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں ہے:۔

بریلوی: برصغیر پاک و ہند میں اہل السنۃ والجماعۃ (حزب الاحناف) کا ایک گروہ ہے جو فکر و عقائد میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی قادری ۱۲۷۲ھ ۱۸۵۶ء تا ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو اپنا پیشوا تسلیم کرتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے یہ گروہ ..... علمائے دیوبند کی تحریک کے ردِ عمل کے طور پر وجود میں آیا۔[۱]

یہ بریلویت کا اپنے اصل مفہوم میں نقطہ آغاز ہے۔ لیکن بات کہاں تک پہنچی ہے اسے عبدالرزاق کی زبان سے سنیئے۔ یہ بریلویت کا نقطۂ انتہا ہے:۔

حضرت انسؓ بنو امیہ کے زمانے میں رویا کرتے تھے کہ عہد اوّل کا دین باقی نہیں رہا۔ اگر وہ ہمارے اس زمانے کو دیکھتے تو کیا کہتے؟ کیا وہ ہمیں مشرک قرار نہ دیتے اور ہم انہیں کوئی بُرا نام نہ دیتے؟ کیونکہ اس وقت اور اُس وقت کے اسلام میں اب اگر کوئی مشترک چیز باقی رہ گئی ہے تو صرف لفظ اسلام ہے یا چند ظاہر و رسمی عبادتیں ہیں اور وہ بھی بدعت کی آمیزش سے پاک نہیں۔ کتاب اللہ جیسی آسمان سے اُتری تھی اب تک بے غل و غش قائم ہے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدون و محفوظ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے مگر کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ دونوں مہجور و متروک ہیں طاقوں اور الماریوں کی زینت ہیں۔ یا گنڈوں اور تعویذوں میں مستعمل ہیں۔ مسلمان اپنی عملی زندگی میں ان سے بالکل آزاد ہیں اور باوجود ادعا کے اتباع ان سے مخالف چل رہے ہیں۔

اجمیر کا عرس دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے یہ وہی مسلمان ہیں جو حامل قرآن اور توحید کے علمبردار تھے؟

---

[۱] دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۴ صفحہ ۴۸۵ مطبوعہ ۱۳۸۹ھ

کیا یہی حضرت خواجہ معین الدینؒ کا عمل تھا؟ اودھ کے ایک ہندو راہ بنانے اجمیر کی کیفیت دیکھ کر کہا تھا:

اب تک مجھے شک تھا کہ ہندو مسلمان میں اتحاد ہو سکتا ہے مگر آج یقین ہو گیا کیونکہ ہمارے اور مسلمانوں کے مذہب میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف ناموں کا ہے، حقیقت دونوں کی اک ہی ہے۔

یہ اس نے سچ بات کہی، کیونکہ اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے شرک میں اگر فرق ہے تو ناموں اور طریقوں ہی کا ہے۔ ورنہ حقیقت تقریباً ایک ہے۔ ہندو بتوں کے سامنے جھکتے ہیں اور توحید کے علمبردار قبروں کے سامنے۔ ہندو رام اور کرشن کی پرستش کرتے ہیں تو مسلمان جیلانی اور اجمیری کی۔ حالانکہ ان بزرگوں کی تعلیمات ایسی ہرگز نہ تھیں۔ یہ کہنا کہ ہم پرستش نہیں کرتے، انہیں خدا نہیں سمجھتے محض بے معنی ہے کیونکہ ہندو بھی بجز اللہ واحد کے کسی کو بھی خدا سمجھ کر اس کی پرستش نہیں کرتے اور نہ مشرکین عرب کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم میں مفصل مذکور ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تم اپنی پرستش کو "پرستش و عبادت" نہیں کہتے، کچھ اور نام دیتے ہو۔ مگر ناموں کے اختلاف سے حقیقت تو نہیں بدل سکتی۔

حساس آدمی کے لیے ان شرک میں گھرے مسلمانوں کے حالات و خیالات معلوم کرنا ایک ناقابل برداشت مصیبت ہے۔ اس فرقہ میں عقل و نقل دونوں کا کال ہے۔ اک طرف تسلیم کرتے ہیں کہ خدا علام الغیوب ہے سمیع و بصیر ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرہ بھی اس سے اوجھل نہیں اور نہ بغیر اس کی مرضی کے حرکت کر سکتا ہے۔ وہ ہم سے دور نہیں نزدیک ہے اور اتنا نزدیک کہ اس سے زیادہ نزدیکی ممکن نہیں، پھر وہ رحمٰن و رحیم ہے، غفور و غفار ہے، سخی ہے، بے حساب دیتا ہے، جبار بادشاہ بھی نہیں کہ کسی کو اپنے در پر نہ آنے دے ہر وقت اس کا دروازہ کھلا ہے۔ ہر وقت اس کا ہاتھ پھیلا ہے۔ ہر وقت اس کا لنگر جاری ہے۔ یہ سب اور اس سے زیادہ مانتے ہیں مگر ——

"مگر" کے آگے عقل و دانش کی موت ہے۔ انسانیت اور انسانی شرافت کا ماتم ہے! مگر کے بعد یہ ہے کہ قبروں کے سامنے جھکنا ضروری ہے۔ فوت ہونے والوں سے منتیں ماننا لازمی ہے۔ سفارش و شفاعت کے بغیر اس دربار میں رسائی ناممکن ہے۔ یہ قبر غوث الاعظم کی ہے جو وفات کے بعد بھی "غوث" ہیں اور ملک الموت سے قبض کی ہوئی روحوں کا تھیلا چھین سکتے ہیں! یہ محبوب سبحانی ہیں، عاشق جانثار کو ضد کر کے بھرپور کر دیتے ہیں۔ یہ غریب نواز ہیں جو بعد وفات بھی مٹھیاں بھر بھر کے دیتے ہیں۔ چنانچہ انسانیت و اسلام کے یہ

ملی جوق درجوق قبروں پر جاتے ہیں، ماتھے گھستے ہیں، ناک رگڑتے ہیں اور وہ سب کچھ کرتے ہیں جو کوئی شریف النفس اور خوددار انسان کسی مخلوق کے سامنے نہیں کرسکتا۔ انسان کے پاس سب سے بڑی دولت اس کی اپنی انسانیت ہے یہ جاتے ہیں اور اس متاعِ عزیز کو چونے اور اینٹ کے چبوترہ دل پر بڑی بے دردی سے قربان کرآتے ہیں۔

اگر کہا جاتا ہے کہ دیکھو کیا کرتے ہو؟ شریعت نے منع کیا ہے، شرک ٹھہرایا ہے۔ جہنم کی سزا بتائی ہے تو جواب اعراض و انکار ہے۔ تاویل و تحریف ہے۔ شریعت و حقیقت کی بحث ہے۔ ظاہر و باطن کی حجت ہے۔ قرآن کی آیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلہ میں حسن بصری، شبلی، جیلانی، چشتی کے خود نقل کردہ ملفوظات ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کسی نے بھی کوئی شرک جائز نہیں رکھا۔ مگر کس سے کہا جائے، کان ہوں تو سنیں، آنکھیں ہوں تو دیکھیں، دل ہوں تو سمجھیں:۔

لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم آذان لا يسمعون

بها اولئك كالانعام بل هم اضل۔ (پ ۹ الاعراف آیت ۱۷۹)

ترجمہ۔ ان کے دل ہیں مگر وہ ان کو سمجھنے کے لیے استعمال نہیں کرتے —— ان کے آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں —— ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں —— دراصل وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔

یہ صرف عوام کا ہی حال نہیں کہ جہالت کی وجہ سے معذور کئے جائیں۔ ان لوگوں کا بھی ہے جو اپنے تئیں منہ پھاڑ پھاڑ کے علماء امت وارث علوم نبوت اور خود کو انبیاء بنی اسرائیل کا مشابہ بتاتے ہیں۔ ایک طرف اسرار شریعت کے حامل اور دوسری طرف حقیقت و طریقت کے رازداں ہونے کے مدعی ہیں۔ دراصل یہی لوگ امت محمدیہ کے لیے اصلی فتنہ اور تمام تباہیوں اور بربادیوں کے اصلی سبب ہیں۔ یہ علماء سوء اس امت کے فقیہی و فریسی و صدوقی ہیں۔ ہاروت و ماروت ہیں، رؤس الشیاطین ہیں، انہیں نے شرک کی تحریف کی ہے انہیں نے کتاب و سنت کا دروازہ مسلمانوں پر بند کیا ہے۔ انہیں نے طریقت کے نام سے بدعت کی تاریکی پھیلائی ہے۔ انہیں نے اسلام کا نام لے کر اسلام کو مسلمانوں کے دلوں سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ تیرہ سو برس کی پوری تاریخ ہمارے سامنے کھلی ہے۔ وہ کون سی مصیبت ہے جو ان کے ہاتھوں نہیں آئی۔ وہ کون سی گمراہی ہے جس کا جھنڈا انہوں نے اپنے کاندھوں پر نہیں اٹھایا؟

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کہہ گئے ہیں:

وھل بدل الدین الا الملوک واحبار سوء ورھبانھا

ترجمہ۔ اور کیا دین کو بادشاہوں، علماء سوء اور صوفیوں کے علاوہ کسی اور نے بدل ڈالا ہے؟

الفاظ سخت ضرور اور شاید قابل مواخذہ بھی ہوں مگر دل و جگر میں جو گھاؤ پڑے ہیں وہ زیادہ ماتم پر مجبور کرتے ہیں۔ کون انسان ہے جو کروڑوں انسانوں کی بے دردانہ تباہی دیکھے اور خاموش رہے۔ کون مسلمان ہے جو امت مرحومہ پر یہ قزاقانہ تاخت اپنی آنکھوں سے دیکھے اور چپ رہے؟ کیا اس کے بعد بھی انسان دیوانہ نہ ہو جائے گا کہ دن کو رات بتایا جاتا ہے، آفتاب کو سیاہ ٹیکا کہا جاتا ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق ٹھہرایا جاتا ہے؟ کون مسلمان ہے جس کے دل میں ذرا بھی نور ایمان ہو اور شریعت کو ضلالت، سنت کو بدعت، ایمان کو کفر، توحید کو شرک اور شرک کو توحید ہوتے دیکھے اور جوش سے اُبل نہ پڑے؟ مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ کتاب و سنت کا فہم ناممکن ہے لہذا اس سے دُور رہو۔ اچھے پیر ملاں کی تقلید واجب ہے۔ لہذا بے چون وچرا ان کے پیچھے چلو، قبریں اونچی کرو، قبے بناؤ، اولیاء سے منتیں مانو، خدا تک مخلوق کو وسیلہ بناؤ، جو چاہو کرو بخشے جاؤ گے کیونکہ شفیع المذنبین کی امت ہو، یہی شریعت ہے یہی سنت ہے! کیا ہم یہ سب سنیں اور خاموش بیٹھے رہیں؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مصلحین امت اُٹھیں اور علماء سوء کے اس گروہ مشئومہ کے چہرے سے نقاب اُلٹ دیں۔ تاکہ مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ان بڑی بڑی پگڑیوں کے نیچے شیطان کو سجدہ کرنے والے سر ہیں اور ان لمبی لمبی قباؤں کے نیچے کفر و ریاء کی سیاہی چھپی ہوئی ہے؟ —— یہی لوگ ہیں جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی پگڑیوں اور داڑھیوں کی مقدس سنت کو بدنام کر رہے ہیں۔

کیا مسلمان اپنے ان عالموں اور رہنماؤں کے اسلام و اصلاح کا حال سننا چاہتے ہیں جو ان سنن اکرام سے کھیل رہے ہیں۔ عبرت کے ساتھ یہ واقعہ نوٹ کر لیں کہ ان کے ایک مستند عالم نے جو صوفی اور شاید پیر بھی تھے تحریک خلافت کے دوران میں تجویز کی تھی کہ علماء و مشائخ کا ایک وفد مرتب ہو کر اجمیر شریف جائے اور خواجہ صاحب کو امت کے حالات ایک ایک سنا کر فریاد کرے۔ صرف تجویز ہی نہیں بلکہ سنا ہے کہ عملاً یہ مولوی صاحب اپنے ہم مشربوں کے ساتھ شد رحال کر گئے اور مزار پر خوب روئے پیٹے۔ مگر افسوس وہاں سے کوئی جواب نہ ملا اور بے مراد لوٹ چلے آئے؟ کیا یہی وہ توحید ہے جس کی بنیادیں قرآن نے قائم کی تھیں جس کی حفاظت کے علماء دین مدعی ہیں اور جس کے اتباع و تمسک پر مسلمانوں کو ناز ہے؟ اگر خواجہ صاحب امت محمدیہ کو اس سے مصائب

سے نجات دلا سکتے ہیں تو رام کرشن کی خدائی پر مسلمان کیوں منہ بناتے ہیں؟ اس اجمیری مفتی کی تحریک پرائیویٹ نہ تھی اخبارات کے کالموں میں علانیہ کہی گئی تھی۔ مگر کسی عالم نے بھی یہ اعلان کرنے والے کی زبان نہ پکڑی کہ یہ شرک ہے۔ بلکہ بہت سے مولویوں (علماء سوء) نے تو اس کی تحریراً تائید کی جیسا کہ اخبارات کے پرانے فائل گواہ ہیں کیا یہی وہ حفاظت دین ہے جس کا یہ لوگ بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں؟

اور اے کاش: ضلالت و بدعت کی حمایت علماء کے اسی گروہ میں محدود ہوتی جسے بدعتی کہا جاتا ہے اور اس گروہ میں منتقل نہ ہوتی جو عام مسلمان ہیں اور کسی فرقہ بندی پر یقین نہیں رکھتے۔ افسوس وہ حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور ان غلط کاموں سے دور بھی نہیں ہٹتے۔

بدعتی علماء انہیں اپنی ہر نئی دعوت کا لقمۂ تر سمجھتے ہیں اور وہ ہیں کہ کبھی حقیقت حال پر غور نہیں کرتے کیا یہی طریقہ شریعت کی حفاظت کا ہے۔ کیا یہی نیابت انبیاء علیہم السلام ہے جس کا فرض ہمارے علماء اس خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مسلمان آنکھیں کھولیں اپنے مذہبی پیشواؤں کی حقیقت معلوم کریں اور دین کی حفاظت اور شرک و بدعت کے ازالہ کے لیے آگے بڑھیں۔ اسلام میں نہ پاپائیت ہے نہ اس قسم کی روحانی پیشوائیت کہ خانقاہوں کو علم و معرفت کا سرچشمہ بنانے کی بجائے شرک و بدعت کی منڈیاں بنا دیا جائے۔

بریلویت عہد سابق کی ہو یا عہد لاحق کی جو قدر مشترک اس میں اب تک موجود رہی وہ یہ ہے کہ اسلام کا عقیدۂ توحید ان دونوں دوروں میں الحاد کی زد میں رہا ہے اور مقام سنت بدعت میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ہند و تصورات پھر سے جاگ اٹھے ہیں۔ ایران کا دین نورین ماتمی جلوسوں کی اوٹ میں پھر سے ابھر رہا ہے۔ انگریزی تعلیمات کے سائے علماء حق کے لیے ایک بڑی آزمائش بنے ہوئے ہیں —— ان حالات میں ہمارے بس میں سوائے اس کے کچھ نہیں کہ علم پسند دوستوں اور طلبہ کو زیادہ سے زیادہ حالات آشنا کریں۔ وہ بریلویت کو اس کے وسیع تر مفہوم میں اچھی طرح سمجھیں۔ اس کا عہد سابق بھی ان کی نظر سے اوجھل نہ ہو اور اس کے عہد لاحق پر بھی ان کی پوری نظر ہو۔ مطالعہ بریلویت میں بریلویوں کی تردید نہیں ان کے عقائد و نظریات کی علمی تصویر ہے۔

مقدمہ میں موضوع زیر بحث کے جو خدوخال ہم نے واضح کئے ہیں۔ ان کی روشنی میں اب ہم اپنے اس ... بتاتے ہیں توحید کا چشمۂ صافی کس طرح شرک سے گدلا کیا گیا یہ کوئی چند سالوں کی کارروائی نہیں۔

اس کے پیچھے صدیوں کی تاریخ ہے. قرونِ خالیہ میں یہ معرکہ آرائی ایک ملت کے دو فریقوں کی حیثیت سے نہ تھی. اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان کے محاذ تھے ـــــ شرک نہایت تیرہ و تاریک راہوں سے دینِ فطرت میں اپنی راہیں نکالتا رہا ہے. اب یہ اولیاء الرحمٰن سے انکار نہیں. انہیں اللہ والے مان کر یہ ان کی تعلیمات اور راہوں سے کھلی بغاوت ہے ـــــ آپ اس تاریخ پر نظر رکھیں کہ شرک الحاد کی کن راہوں سے اس درجے تک پہنچا ہے.

یہ دین جس پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں قائم کیا ہے یہ خدا کا آخری دین ہے اور حضورؐ خدا کے آخری پیغمبر ہیں اس کی حفاظت کا خدا تعالیٰ کفیل ہے اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ اب تک محفوظ اور غیر محرف ہے. اولیاء الشیطان کی تمام منڈیاں مل کر بھی شجرِ اسلام کو نہیں اکھیڑ سکیں گی.

ہاں ایسا ضرور ہوا کہ اسلام کی عملی راہوں میں بڑی بے دردی سے بدعات کے کانٹے بچھائے گئے لیکن خدا کا یہ فضل بھی کوئی کم نہیں کہ اہلِ حق ہر دور میں چراغِ مصطفوی لیے سنت کی دعوت دیتے رہے ہیں. سو بریلویت کی تاریخ میں آپ کو ہر جگہ علماء دیوبند کی مداخلت بھی ملے گی ـــــ جس طرح تاریخِ شرک میں ہم قرونِ خالیہ پر بحث کریں گے. تاریخ بدعت میں بھی ہمیں چودہ صدیوں کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا.

اب ہم اس بحث کا آغاز کرتے ہیں کہ شرک کی جڑ کہاں سے چلی، انکارِ مذہب سے یا الحادِ مذہب سے ـــــ آپ کو اس بحث قبر پرستی اور حجر پرستی میں تاریخی رشتے ملیں گے. یہ بریلویت کی پہلی کڑی ہے شرک کا یہ تاریخی تجزیہ بتلاتا ہے کہ مزاراتِ اولیاء کرام پہ یہ آجکل کے عرس میلوں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط اور اُن سے دنیوی امور میں امداد کی دہائی اور فریادیں یہ سب امور اسی انداز کے ہیں جو آپ کو ہندوؤں کے مندروں اور گنگا اور جمنا کے کناروں پر ملیں گے. غور کیجیے بریلویت مسلمانوں کو کہاں لے گئی ہے.

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) نے اس موضوع پر کہ دنیا میں شرک کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس کا تاریخی خاکہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:.

اول ما حدثت الاصنام علیٰ عهد نوح وکانت الابناء تبر الآباء فمات رجل منهم فجزع علیه فجعل لا یصبر عنه فاتخذ مثالا علیٰ صورته فکلما اشتاق الیه نظره ثم مات ففعل به کما فعل حتی تتابعوا علیٰ ذلك ذات الآباء فقال الابناء ما اتخذ اباؤنا هذه الا انها کانت آلهتهم فعبدوها

ترجمہ: سب سے پہلے بُت حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں بنائے گئے بیٹے اپنے باپوں سے نیکی کرتے تھے جب ان میں سے کوئی شخص فوت ہوجاتا تو یہ بیٹا اس پر جزع و فزع کرتا جب صبر نہ کر پاتا تو اس کی شکل کی تصویر بنا لیتا. جب شوق بھڑکتا تو وہ اسے دیکھ لیتا. پھر جب یہ مرا تو اس کے ساتھ بھی وہی کچھ ہوا جو یہ اپنے باپ سے کرتا رہا. پھر یہ سلسلہ جب چل نکلا بڑے مرتے گئے تو چھوٹے کہنے لگے ہمارے باپوں نے انہیں اس لیے بنایا تھا کہ یہ ان کے معبود تھے جن کی وہ عبادت کریں اور وہ ان کی عبادت کرنے لگے[1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بُت پرستی اپنی ابتدائی شکل میں بزرگ پرستی تھی. پہلے ان بزرگوں کی تصویریں بنیں ـــ وہ تصور برزخی سے ان بزرگوں کی یادیں تھیں. بزرگوں کی ان شکلوں کی عبادت ہو یا بزرگوں کی قبروں کی، دونوں صورتوں میں یہ اصلاً بزرگ پرستی تھی جس نے آہستہ آہستہ بُت پرستی کی صورت اختیار کرلی. علامہ شامی بھی کہتے ہیں کہ بُت پرستی اپنی ابتدائی شکل میں نیک لوگوں کی قبروں پر سجدے تھے.

ان اصل عبادۃ الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد[2]

ترجمہ. بے شک بُت پرستی کی جڑ یہی رہی کہ بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا گیا.

کسے معلوم نہیں کہ اعتکاف. طواف اور نماز تینوں عمل عبادتیں ہیں اور عبادت اسلام میں صرف اللہ رب العزت کی ہی ہوسکتی ہے. کسی دوسرے کی ہو تو یہ داخل شرک ہے. وہ دوسرا پیغمبر ہو یا ولی. بُت ہو یا فرشتہ. عبادت کے لائق ایک اللہ کے سوا اور کوئی نہیں. طواف صرف کعبہ کے گرد ہے اور ظاہر ہے کہ وہ کوئی مقبرہ یا خانقاہ نہیں ہے اللہ کا گھر ہے. جو لوگوں کے لیے بطور عبادت گاہ بنایا گیا.

مولانا حامد رضا خاں نے بریلی میں یہ فتوے دیا کہ جو شخص کعبہ نہ جاسکے وہ مولانا احمد رضا خاں کی قبر کے گرد طواف کرلے یہ بھی طوافِ کعبہ ہے. اعلیٰحضرت آخر قبلہ و کعبہ تو تھے ہی ـــ پنجاب میں بریلویوں کے اس فتوے سے بہت گراہی پیدا ہوئی. مولانا ظفر علی خاں نے روزنامہ زمیندار میں

---

[1] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۵۴۲ [2] رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۲۵۲

اس کا بروقت نوٹس لیا ہے

اوڑھ کر حامد رضا خاں آئے بدعت کا لحاف — ذات اُن کی ہے مجدد بات اُنکی لام کاف
زندگی اس کی ہے ملت کے لیے پیغام موت — کر رہا ہے جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

اب بجائے اس کے کہ پنجاب کے بریلوی اس غلط مسئلے کے خلاف اُٹھتے انہوں نے لاہور میں حضرت علی ہجویریؒ کے مزار کے گرد طواف عبادت بنا لیا اور اُسے ستر حج کے برابر قرار دیا غور کیجئے مولانا احمد رضا خاں کے آثار باقیہ امت کو کس گڑھے میں دھکیل رہے ہیں:۔

داتا صاحب کی مسجد شریف میں ایک نماز باجماعت ادا کرنے کا ثواب ستر مقبول حج کرنے کے برابر ہے. آپ (کرمانوالی سرکار) فرمایا کرتے تھے کہ نادار مسلمان کو چاہیئے کہ اگر وہ حج بیت اللہ شریف کے لیے استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ حضرت داتا گنج بخش کے مزار اقدس کا طواف کرے اسے حج کا ثواب حاصل ہو گا.[۱]

شرک و بدعت کی تاریخ بریلویت سے پہلے کی ہے. سو بریلویت اس پہلو سے زیادہ اہم ہے کہ اس نے عام سادہ لوح مسلمانوں اور خانقاہی رسوم و بدعات میں گھرے انسانوں کو اپنی ان خرافات رسوم اور بدعات پر علمی استناد مہیا کیا ہے پہلے یہ بدعات کسی نہ کسی درجے میں عام ملنگوں اور جہلاء میں ہی پائی جاتی تھیں اہل علم سے کوئی کھلے بندوں ان کی حمایت نہ کرتا تھا. اب ان کے اپنے مولوی ہیں جو انہیں اس شرک و بدعت پر باقاعدہ فتوے دیتے ہیں.

بریلویت کی موجودہ صورت حال ایک مختلف پیرائے میں اس عقیدے کی صدائے بازگشت ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بزرگوں کی تعظیم کے نام سے گھڑ رکھا تھا. اس کے خلاف تبلیغ اور محنت تراثِ انبیاء ہے. اسی نیک جذبے سے ہم اپنے اس سفر کا آغاز کر رہے ہیں. اللہ رب العزت ہماری اس محنت کو کامیابی سے منزل تک پہنچائے. اللہ ولی التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق.

خالد محمود عفا اللہ عنہ

---

[۱] خزینۂ کرم صفحہ ۱۸۲ مطبوعہ کمالیہ پبلشرز کراچی

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ءاللہ خیر اما یشرکون امابعد:۔

مسلمانوں پر ایسا وقت آلگا ہے کہ ان کے لیے متوازی فکری نظریات کا مطالعہ ناگزیر ہوگیا ہے۔ انکار مذہب اور الحادِ مذہب اور ایجادِ مذہب کے گہرے بادل ہر سُو چھائے ہوئے ہیں۔ عام سادہ مسلمان کدھر جائے اور کہاں پناہ لے یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہوگیا ہے۔ خارجی حملوں کے ساتھ ساتھ داخلی انتشار اور بڑی مصیبت ہے۔ ہمارے خیال میں اس کا واحد حل یہ ہے کہ سُنی سنائی باتوں کی بجائے نوجوان اپنے مذہبی مطالعہ کو بڑھائیں اور علمی اصطلاحات سے بچ کر عام اور سادہ الفاظ میں اختلافات کو سمجھنے کی کوشش کریں نظر کو غیر جانب دار ہونے کی عظمت بخشیں۔ فرقہ بندی کے کانٹوں میں نہ الجھیں۔ مذہب کا داخلی اختلاف علم اور جہالت کا اختلاف ہے فکر اور قانون کا اختلاف نہیں۔ آج بھی قرآن ذلک الکتٰب لاریب فیہ ہے۔ اصل دین میں کوئی شک نہیں شک جہالت کے سائے میں آتا ہے اور علم کے آنے سے وہ سائے از خود اُٹھ جاتے ہیں۔

آج مطالعہ مذہب کی سخت ضرورت ہے۔ ہمیں چاہیئے متوازی فکری نظریات کو بھی جانیں اور داخلی مذہبی اختلاف کا بھی کچھ مطالعہ کریں لیکن یہ مطالعہ فنی اور اصطلاحی درجے میں نہ ہو۔ مذہب کو سادہ اور اصطلاحی پیرائے میں سمجھنے کی کوشش کریں۔ ہم یہاں بار بار لفظ مذہب Religion استعمال کر رہے ہیں حالانکہ اصل لفظ دین تھا ـــــ یہ محض اس لیے کہ اپنی بات ذرا سادہ انداز میں کہیں اور نوجوانوں کو مطالعہ مذہب کی دعوت دیں۔ مطالعہ سے کسی کی تردید یا تائید مقصود نہیں حقیقت کا بتلانا مطلوب ہے۔

مسلمان فرقوں میں بریلویت کا نام آپ نے ضرور سُنا ہوگا لیکن کتنے لوگ ہیں جنہوں نے دردمندی سے یہ جاننے کی کوشش کی ہو کہ یہ بریلوی ہیں کیا اور کتنے لوگ ہوں گے جنہوں نے صرف اس پر اکتفا کی ہو کہ ہمارے آباء و اجداد یہ کہلاتے تھے سو ہم بھی وہی ہیں۔

آج ہم آپ کو اس کی تاریخ بتلاتے ہیں لیکن مخالفت کے جذبہ سے نہیں تعلیم کے درجہ میں، مطالعہ کے درجہ میں اور مطالعہ ہر حال میں مفید ہے۔ اپنی صفوں کا ہو یا متوازی صفوں کا ـــــ ہمارا یہی نقطۂ دعوت ہے اور یہی حاصل مطالعہ ـــــ کہ اختلاف جہالت کی پیداوار ہے اور جہالت کا حل علم اور مطالعہ ہے۔ جاہلی

تعصب اور لڑائی نہیں، قومیں علم سے ہی اس بیماری سے شفا پاتی ہیں اور علم کی اساس پر ہی اٹھتی یا گرتی ہیں۔ جہالت قوموں کو گراتی ہے اور جاہلی تعصب انہیں لڑاتا ہے ـــــ آیئے لڑنے کی بجائے مطالعہ کے زینہ پر آئیں اور حقیقتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ بریلویت کا مطالعہ کیجئے اور اسے اس کے پس منظر میں سمجھئے۔

بریلویت کیا ہے ؛ یہ لفظ اپنے وسیع مفہوم میں سب کو معلوم ہے۔ اصطلاحی طور پر بریلویت وہ دین و مذہب ہے جو بریلی کے رہنے والے ایک مولانا احمد رضا خاں بریلوی (۱۹۲۱ء) نے انگریزی عملداری میں نئے سرے سے ترتیب دیا تھا اور اس سے سواد اعظم اہل السنۃ والجماعۃ کے دو بڑے ٹکڑے ہوچکے تھے مولانا احمد رضا خاں کے پیرو علماء جو آپ کے وضع کردہ اصولوں پہ چلے اُن میں آپ کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں، مولانا مصطفیٰ رضا خاں (مرتب ملفوظات مولانا احمد رضا خاں) مولانا امجد علی (مولف بہار شریعت) مولانا نعیم الدین مراد آبادی (مؤلف حاشیہ کنز الایمان) مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیتی، مولانا محبوب علی خاں (مرتب حدائق بخشش حصہ سوم) مفتی احمد یار گجراتی (مؤلف نور العرفان و جاء الحق وغیرہ) مولانا سردار احمد لائلپوری، مولانا ابو البرکات سید احمد ناظم حزب الاحناف لاہور، مولانا احمد سعید کاظمی (ملتان) اور ان کے دیگر اقران زیادہ نمایاں ہیں۔

ان حضرات کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی اس دائرہ میں ہیں جو آپ کے تلامذہ اور مریدین میں سے نہیں لیکن وہ کھل کر آپ کے مذہب پر چلے ہیں۔ آپ کے پیر خانہ مارہرہ شریف کے علماء و مشائخ، بدایوں کے معاصر علماء، پنجاب کے علماء میں سے ملا نظام الدین ملتانی، قطب الدین جھنگوی، محمد یار بہاولپوری، مولانا محمد عمر اچھروی اور مولانا عبد الغفور ہزاروی سب اسی راہ پر چلے ہیں۔

پھر کچھ پیرانِ عظام بھی ایسے آئے جو اگرچہ مولانا احمد رضا خاں کے معتقد نہ تھے لیکن قبور و مزارات اعراس و ختمات اور شرک و بدعات میں وہ بھی آپ کے پہلو بہ پہلو چلے وہ بھی اسی دائرہ میں شمار ہیں اور شرک و بدعت کے فروغ میں یہ سب ایک دوسرے کے اعوان و انصار ہیں۔

شرک کی اساس

ہر مذہب کی اساس عقائد پر ہوتی ہے اعمال ان کی روشنی میں بنتے اور پھیلتے ہیں۔ بریلوی عقائد

کی تہہ میں آپ کو شرک کا نہایت گہرا کنواں ملے گا اور ان کے اعمال بدعت اندھیروں میں کھانے پینے اور نذر و نیاز کے گرد دائرے بناتے نظر آئیں گے ۔۔۔۔ سو مطالعہ بریلویت کے لیے ہمیں شرک و بدعت کے دونوں گھاٹ سامنے رکھنے ہیں۔ شرک سے مراد یہ ہے کہ بندوں کا جو معاملہ اللہ رب العزت سے ہونا چاہیئے وہ مخلوق سے ہونے لگے۔ اور بدعت سے مراد یہ ہے کہ جو حق نبوت اور رسالت کا سمجھنا چاہیئے لوگ یہ حق اپنے علماء و مشائخ کو دینے لگیں ۔۔۔۔ سو بدعت شرک فی الرسالت کا دوسرا نام ہوگا۔ علماء کا کام مسائل بتلانا ہوتا ہے بنانا نہیں۔ شرک سے ایمان جاتا رہتا ہے اور بدعت کے اندھیروں میں قدمیں اُڑ جاتی ہیں اور ان کی کوئی نسبت اپنے مرکز سے قائم نہیں رہتی۔

شرک و بدعت کس اوٹ میں

اس آخری دور میں شرک و بدعت نے بریلویت کے سائے میں جگہ لے رکھی ہے۔ مولویوں کی ایک جماعت عوام کے سامنے منظم ہو کر آگئی ہے جو شرک و بدعات میں ان کی سرپرستی کرتے ہیں، ان کی رسوم و خواہشات کو علمی استناد مہیا کرتے ہیں۔ ظاہراً ایک قدم توحید کی طرف اٹھاتے ہیں تو دو قدم پیچھے شرک کی طرف لوٹتے ہیں۔ کائنات میں قبروں کا تصرف ثابت کرنے کے لیے ایک باریک علمی کھیل کھیلتے ہیں۔ باذن اللہ کی قید لگا کر شرک کو قابلِ ہضم بنا دیتے ہیں۔

شرک و بدعت کا پس منظر

شرک و بدعت بہت پہلے سے چلا آرہا ہے۔ اس نے تاریخ کے مختلف موڑوں پر مختلف نام اختیار کئے ہیں۔ مغل بادشاہ اکبر کے زمانے میں اس نئے مذہب کا نام دین الٰہی رکھا گیا تھا، اس دور میں اسے بریلوی مذہب کہا جاتا ہے۔ بریلویت میں ابتداء میں مختلف ناموں اور مختلف کاموں کے روپ میں ظاہر رہی ہے۔ اب مولانا احمد رضا خاں اور ان کے پیروؤں نے انہیں اہل سنت کی صفوں میں لا کھڑا کیا ہے اور کتنے ہی ناواقف ہیں جو انہیں سنی سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بریلوی ہیں۔

بریلویوں سے امت مسلمہ کا اختلاف صرف بدعات پر نہیں شرک پر بھی ہے۔ سو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ شرک ان میں کن کرونوں سے آیا ہے۔

تاریخ شرک

مناسب ہوگا کہ بریلویت پر بحث کرنے سے پہلے تاریخ شرک پر ایک نظر ڈالی جائے کہ بت پرستی اور مخلوق میں خالق کی صفات ثابت کرنا اس کی ابتدار کیسے ہوئی اور کب سے ہوئی۔ اس کے پس پشت تاویل کی کون سی راہ تھی جو سادہ مسلمانوں کو اس دلدل میں کھینچتی رہی، پھر یہ دیکھا جائے کہ بدعات کب سے چلنے لگیں پھر مولانا احمد رضا خاں کی ان کاوشوں کا جائزہ لیا جائے گا جنہوں نے عوام کے شرک و بدعت کو ایک باقاعدہ دین و مذہب کی شکل دے دی ہے اور یہاں تک شرک و بدعات کو منظم کیا ہے کہ خود اہلسنت کی صف توڑ کر رکھ دی ہے۔

ان كنت لا تدری فتلك مصيبة   وان كنت تدری فالمصيبة اعظم

(ترجمۃ الباب) خان صاحب! اگر آپ نہیں جانتے کہ آپ کی اس کارروائی سے حضورؐ کی امت پر کیا گزری؟ تفرقے کی کتنی گہری آندھی چلی؟ تو یہ ایک بڑی مصیبت ہے کہ آپ کو پتہ نہ چل سکا۔ اور اگر آپ جانتے تھے اور آپ نے جان بوجھ کر امت پر تفرقے کی یہ تیز تلوار چلائی ہے تو یہ اور بڑی مصیبت ہے اس کا رونا کہاں تک رو دیں۔

دنیا میں شرک کی ابتدار کیسے ہوئی؟

فقیہہ شہیر سید الساجدین علامہ ابن عابدین الشامیؒ لکھتے ہیں :-

اصل عبادة الاصنام اتخاذ قبور الصالحين مساجد۔[1]

ترجمہ۔ بت پرستی کی ابتدار دنیا میں یوں ہوئی کہ نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنانے لگے۔

اس سے پتہ چلا کہ شرک کی ابتدار کافروں اور منکروں سے نہیں ہوئی بزرگوں کے ماننے والوں میں ہی ان رجحانات کے جراثیم اٹھے ہیں۔

علامہ شامی نے بت پرستی اور قبر پرستی میں تاریخی ربط بتلایا ہے کوئی حنفی اس کا انکار نہیں کر سکتا علامہ شامی حنفیہ کے نہایت لائق اعتماد بزرگ ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بریلوی علمار بت پرستی اور قبر پرستی کو

---

[1] شامی جلد ۱ صفحہ ۲۵۲

ہمیشہ علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں۔ انہیں آپس میں کبھی مربوط ہونے نہیں دیتے۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ بُت پرستی ہندوؤں کے ذمہ لگا کر قبر پرستی اپنے کھاتے میں ڈال لیں۔ اکابر اولیاء کے نام سے قبروں کو رونق بخشیں اور قبروں کے چراغوں، جھنڈیوں، غلافوں اور مزارات کے غسل و عرس اور نذر و نیاز سے مسلمانوں کو روحانی روشنی کا مغالطہ دیں۔

آیئے پہلے اس بات کی تحقیق کریں کہ کیا بُت پرستی اور قبر پرستی واقعی دو قوموں کی جُدا جُدا میراث ہے یا جیسا کہ علامہ شامی نے نشاندہی کی ہے۔ ان دونوں میں واقعی کوئی تاریخی رشتہ ہے؛ پھر اگر بُت پرستی قبر پرستی سے چلی ہے تو قبر پرستی کس سے چلی تھی؟ —— اس تحقیق میں اُتریں تو معلوم ہوگا کہ قبر پرستی بزرگ پرستی سے چلی۔ اسی غلط عقیدت سے قبر پرستی نے جنم لیا۔ انبیاء و اولیاء کی محبت کا غلط انداز سادہ لوحوں کو اس دلدل میں گرائے جاتا رہا۔ جہاں جاتے تو ہزاروں دیکھے گئے۔ مگر بچ کر شاید کوئی خوش قسمت ہی نکلا ہو۔

شرک کی ابتداء کیسے ہوئی؟

حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر آئے کچھ صدیاں گزری تھیں کہ شیطان نے زمین پر پانچ مرکز بنائے اور عوام کو ان پنجتن پاک کی عبادت کی دعوت دی۔ پھر قوم نے ان پانچوں کو الٰہ (معبود) بنالیا اور کہتے تھے ہم انہیں کسی طرح نہ چھوڑیں گے۔ یہی ہمارے معبود ہیں۔ یہ حضرت وَدّ —حضرت سواع— حضرت یغوث — حضرت یعوق — اور حضرت نسر تھے۔ قرآن کریم میں ہے۔

وقالوا لاتذرن الهتكم ولا تذرن ودّا ولا سواعا ولا يغوث ويعوق ونسرا۔ (پ ۲۹ نوح آیت ۲۳)

ترجمہ۔ اور وہ بولے تم اپنے ان معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا— وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا۔

یہ پانچ اولیاء اللہ تھے جن کے نام پر ان لوگوں نے درگاہیں بنائی تھیں۔ صحیح بخاری میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:۔

اسماء رجال صالحین من قوم نوح فلما هلكوا اوحى الشيطان الى قومهم ان انصبوا الى مجالسهم التى كانوا يجلسون انصابا وسموها باسمائهم ففعلوا

فلم تعبد حتی اذا هلك اولئك وتنسخ العلم عبدت [1]

ترجمہ. یہ نام حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں کے بزرگوں کے تھے جب ان کی وفات ہوئی تو شیطان نے اس قوم کے بڑوں کو اکسایا کہ جہاں یہ بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے نام کے تھان بناؤ. انہوں نے اسی طرح کیا. اس وقت تو ان کی عبادت نہ ہوئی لیکن جب یہ لوگ بھی جاتے رہے اور لوگوں کو صورتِ حال کا علم نہ رہا تو پھر ان کی عبادت شروع ہوگئی.

دنیا میں شرک کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے. حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں لوگ ان بزرگوں سے اُن کی زندگی میں برکت کی دعا لیتے تھے ان کی وفات پر لوگوں نے ان کے دربار بنا دیئے تھان بنا ڈالے. جنہیں دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہوتی تھی ایک نسل تک تو یہی حال رہا. اگلی نسل آئی تو اُن کی پرستش شروع ہوگئی [2] یہ اس کرۂ ارض پر شرک کی ابتدا تھی.

اس تفصیل سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ بُت پرستی اپنی اصل میں بزرگ پرستی تھی حجر پرستی نہ تھی کوئی محض پتھر کے تصور میں انہیں نہ پوجتا تھا جس نے بھی اُن کی تعظیم کی اس تصور میں کی کہ اس کی یہ نیازمندی اس بزرگ کے آگے ہے اور وہی اس کے نفع و نقصان کا مالک ہے. جس کی یاد میں پتھر کا یہ نشان ہے.

عرب میں بُت پرستی کیسے آئی؟

آپ قومِ نوح کے پانچ بزرگوں کا ذکر پڑھ آئے ہیں. جزیرہ نمائے عرب میں ایک جن نے ایک سردار عمرو بن لحی کو آواز دی کہ طوفانِ نوح میں قومِ نوح کے پانچوں بُت پانی کی لہروں نے جدہ کے ساحل پر لا ڈالے تھے اور جہاں وہ اب تک ریت میں دبے پڑے ہیں تم انہیں وہاں سے نکال کر موسمِ حج میں لوگوں کے سامنے رکھو. قومِ نوح کی بت پرستی اس طرح اب عرب میں آنکلی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ترجمہ. میں نے عمرو بن لحی کو بُت پرستی رائج کرنے کی سزا میں جہنم میں دیکھا ہے. وہ اپنی انتڑیاں گھسیٹے جہنم میں جل رہا تھا.

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص۷۳۲ [2] دیکھئے فتح الباری جلد ۸ ص۵۴۲

مجسمے اور قبریں

ان بزرگوں کی یاد میں مجسمے بنائے جائیں یا ان کی قبروں کے تعویذ مجسموں کی صورت میں اُن کی یاد دلائیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بت پرستی کے پیچھے حجر پرستی نہیں بزرگ پرستی کی روح کارفرما رہی ہے ان کے آستانوں پر سجدے پتھروں کے تصور میں نہیں ان بزرگوں کے تصور میں کیے جاتے ہیں. فنافی الشیخ کی مشق رکھنے والے بُت پرستی کو بھی ایک تصور برزخی سمجھتے ہیں اسے شرک قرار نہیں دیتے۔

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ (ھ) نے ایک خط میں ہندوؤں کے دین کو محض بر بنائے ظن وتخمین دین سماوی گمان کرنے کی کوشش فرمائی ہے:۔

بلکہ معارف و مکاشفات و علوم عقلی و نقلی میں ان کا ید طولیٰ مانا ہے اور ان کے اعتقاد تناسخ کو کفر سے جُدا بلکہ ان کی بت پرستی کو شرک سے منزہ اور صوفیہ کرام کے تصور برزخ کے مثل مانا ہے۔[1]

اور ہندوؤں کے بارے میں لکھا ہے:۔

نہ مارا جزم بکفر و ہلاک اتباع آنہا لازم ست و نہ یقین بنجات آنہا بر ما واجب معاملہ حسن ظن متحقق است۔[2]

ترجمہ: ہمیں ان کے ماننے والوں کی ہلاکت اور کفر پر یقین کرنا ضروری نہیں نہ ان کی نجات پر یقین کرنا ہم پر لازم ہے نیک گمان کی گنجائش اپنی جگہ موجود ہے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حبشہ کے ایک گرجا کا ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا اور آپ نے اور ام المومنین ام حبیبہؓ نے اسے حبشہ میں دیکھا تھا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اولئك اذا مات منهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا فيه تلك الصور اولئك شرار الخلق عند الله۔[3]

ترجمہ:۔ یہ وہ لوگ ہیں جب ان کا کوئی بزرگ فوت ہو جاتا تو یہ اس کی قبر پہ ایک مسجد

---

[1] احکام شریعت جلد ۱ ص۱۵۱ [2] ایضاً [3] صحیح بخاری جلد ۱ ص۶۱

بنا دیتے اور بزرگوں کی جو تصویریں انہوں نے بنائی ہوتیں وہ ان مسجدوں میں رکھ دیتے۔ یہ
لوگ اللہ کے نزدیک ساری مخلوق سے بدتر ہیں۔

اس حدیث میں دونوں باتوں کا ذکر ہے۔ ۱۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا اور ۲۔ اور ان کے بُت بنا کر رکھنا جن سے پہلے ان کی یاد تازہ رکھتے تھے اور پھر آہستہ آہستہ ان کی پرستش کرنے لگے۔ اس میں آپ نے ان کے مجسموں اور قبروں دونوں کو محلِ شرک ٹھہرایا ہے اور بتلایا ہے شرک کن کروٹوں سے یہاں تک پہنچا ہے۔

بریلویوں کا تصورِ شرک

قرآن کریم نے شرک کی سخت مذمت کی ہے اسے ناقابلِ مغفرت گناہ کہا ہے۔ بایں ہمہ بریلوی علماء حضرات اسے ہی شرک بتائیں گے جو ہندوؤں کے ہاں مندروں میں ہو رہا ہو۔ مسلمانوں کی صفوں میں کھلا شرک جلی بھی ہو رہا ہو تو ان علماء کو وہ نظر نہ آئے گا۔ جھٹ عطاء الہٰی کی اوٹ میں وہ اسے لائق برداشت بنا دیں گے۔ بشرطیکہ ان کے ہاں مفتی صاحب کی باقاعدہ خدمات حاصل کی گئی ہوں۔

قبروں اور مزاروں پر اسلام کے نام سے کیا کچھ نہیں ہو رہا۔ یہ ہمارا ایک قومی المیہ ہے۔ جہالت اور بریلوی علماء کے مفادات چکی کے دو پاٹ ہیں۔ جن میں سادہ سُنّی مسلمان نہایت بیدردی سے پس رہا ہے۔

شرک بُت پرستی اور قبر پرستی دونوں میں

یہود و نصاریٰ کے انبیاء زیادہ وہی ہیں جنہیں ہم بھی خدا کے فرستادہ اور بھیجے ہوئے سمجھتے ہیں۔ ان اہل کتاب نے ان بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ حضورؐ نے انہیں کسی تاویل کی راہ نہ دی۔ برملا انہیں لعنت خداوندی کا مورد کہا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد[۱]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہیں ٹھہرایا۔

انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنانا دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ سجدہ قبر کو ہو اور عبادت بھی اسی کی مقصود ہو

---

[۱] صحیح بخاری جلد ا ص۱۷۷ جلد ۲ ص ۶۳۹

دوسرے یہ کہ سجدے میں رُخ قبر کی طرف ہو لیکن عبادت اللہ کی کر رہے ہوں۔ یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کی لعنت کا موجب ہیں اور حرام ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ میں ان دونوں طریقوں کی تصریح کر کے ہر دو عمل کو حرام بتلایا ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ لعنت ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو انبیاء و اولیاء کی تعظیم اور محبت کے لیے ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں۔ اگرچہ ان کا مقصود ان بندگوں کی عبادت نہ ہو۔[2]

اس تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اولیاء اللہ کی قبروں کے قریب ان کی قربت کی نیت سے نماز پڑھنا گو اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت مقصود ہو ہرگز جائز نہیں۔ اس میں ان مزارات کی تعظیم کو اللہ رب العزت کی تعظیم میں شامل کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ شرک ہے۔ بریلوی علماء کا یہ کہنا کہ شرک صرف ہندوؤں اور عیسائیوں میں پایا جاتا ہے۔ قبروں کی تعظیم اور ان پر مسجدوں کا بنانا شرک نہیں، یہ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ دنیا میں شرک کا شیوع قبر پرستی سے ہی ہوا ہے اور اس پر ہمارے پاس چودہ سو سال کی شہادت موجود ہے۔

قبر پرستی اور بُت پرستی میں تاریخی رشتہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کے اس عمل کو محل لعنت بتایا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا تھا۔ قبر پرستی کی تہ میں بندگ پرستی کی روح کارفرما تھی اور اسی سے شرک کا پودا نکا جس نے بڑھتے بڑھتے ایک بڑے درخت کی صورت اختیار کر لی۔ حدیث شریف میں اس درخت کا نام ذات انواط ملتا ہے۔ آنحضرتؐ کا غزوۂ حنین کے موقع پر مشرکین کے ذات انواط (جس پر یہ اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے) سے گزر ہوا۔ کسی صحابی نے جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے تھے اور ذات انواط کی رونق اور جھنڈوں سے متاثر تھے حضورؐ سے یہ کہہ دیا ہمارے لیے بھی آپ ایک ذات انواط مقرر کر دیں۔ حضورؐ نے نہایت حیرت سے کہا، سبحان اللہ ــــــ اور فرمایا یہ تمہاری بات ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا۔ ہمارے بھی ایسے معبود بنا دیں جیسے بُت پرستوں کے معبود ہیں ــــــ اس کے بعد فرمایا "تم پہلے لوگوں کی بگڑی ہوئی راہوں پر چلو گے"

حنین اور طائف کے درمیان ذات انواط ایک بیری کا درخت تھا۔ مشرکین اس کے ساتھ ہتھیار

---

[1] مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ [2] دیکھیے فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۶۹

لٹکاتے تھے اور اس سے برکت لینے کے لیے اس کے آگے جھکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس کو شرک قرار دیا ہے۔ جس صحابی نے مسلمانوں کے لیے ایک ذات انواط کی خواہش کی تھی اسے نومسلم ہونے کے باعث چھوڑ دیا گیا نظر انداز کر دیا گیا۔ بعض روایات میں ان سے مروی ہے۔ ہم ابھی نومسلم تھے کفر سے نکلے زیادہ مدت نہ گزری تھی۔ یہ لفظ ناواقفی اور بے سمجھی سے صادر ہوا۔ سو اسے اس نادانستہ قصور پر معاف کر دیا گیا۔ ورنہ آپ اسے نئے سرے سے مسلمان ہونے کا حکم دیتے (اسلام میں توحید اور شرک کی کہیں آمیزش نہیں اور ان میں کہیں اتحاد نہیں)۔ علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں:۔

والناس الیوم قد اتخذوا من قبیل ذات الانواط شیأ کثیرا لا یحیط به نطاق الحصر والامر بالمعروف اعزمن بیض الانوق والامتثال بفرض الامر منوط بالعیوق والامر للّٰه الواحد القهار۔[1]

ترجمہ: آج دیکھیے لوگوں نے ذات الانواط کی طرح کی کئی درگاہیں بنا رکھی ہیں جن کا شمار کرنا بس میں نہیں۔ اور نصیحت کرنا (شرک سے روکنا) اونٹنی کے انڈوں سے بھی زیادہ نایاب ہے اور فرض کرو کوئی امر بالمعروف کرے تو وہ ان کے منہ لگے جو ماننے کے لیے تیار نہیں اور معاملے کا بس خدا ہی حافظ ہے۔

ایک نومسلم صحابی نے جلد بازی میں حضور سے ذاتِ انواط کی درخواست کی تو دوسرے پختہ کار صحابی نے ایک درخت کو جس کے سائے میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ سو پاکباز انسانوں سے خونِ عثمانؓ کے قصاص کی بیعت لی تھی۔ اپنے دورِ حکومت میں سرے سے کٹوا دیا۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ شرک کے پودے اکابر کی یاد کے اسی تبرک سے پنپتے ہیں۔ اب چاہیے حضرت عمر فاروقؓ کے عقیدۂ توحید پر عالم کے سارے ذاتِ انواط قربان کر دیے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر سجدہ گاہیں بنانے کی نحوست واضح فرما دی ہے۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے اس روایت پر یہ ترجمۃ الباب لکھا ہے۔ ما یکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور۔ قبروں کو سجدہ گاہیں ٹھہرانا مکروہ (تحریمی) ہے۔[2] اس ترجمہ سے پتہ چلتا ہے کہ اہلِ حق نے قبر پرستی کے خلاف ہر دور میں آواز اٹھائی ہے۔ یہ تیسری صدی کی بات ہے۔

---

[1] روح المعانی جلد ۹ صفحہ ۴۳ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ

تعجب ہے بریلوی علماء پر جو شرک صرف اسے سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کے مندروں میں ہو یا عیسائیوں کے گرجا گھروں میں ہو اور جو کچھ قبروں پر ہو رہا ہے اسے عطاء الٰہی کی اوٹ میں بزرگوں کا احترام اور عین اسلام سمجھتے ہیں اور جو اُن کے ساتھ شریک نہ ہو اس پر فتوے برسائے جاتے ہیں اور انہیں بزرگوں کا منکر کہا جاتا ہے

یہ تیسری صدی کی شہادت ہے اب چوتھی صدی میں آیئے۔ حضرت امام طحاوی (۳۲۱ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

لا تصلوا الی القبور و لا تجلسوا علیھا[1]

ترجمہ۔ قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز نہ پڑھو اور نہ اُن پر بیٹھو۔

قبر کو سترہ بنانا کیوں ناجائز ہوا یہ اس لیے کہ اس میں قبر پرستی کا رنگ ہے اور اگر صاحب قبر کوئی بزرگ ہے تو اس میں اس کی تعظیم لپٹی ہے اور نماز میں صرف اللہ کی تعظیم چاہیئے۔ شریعت نے اسی لیے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے روکا ہے کہ یہاں سے شرک پیدا ہوتا ہے ـــــ اور قبروں پر بیٹھنا بول و براز کی غرض سے منع ہے کہ اس میں مقابر مسلمین کی بے ادبی ہے۔ شریعت میں نہ قبر کی تعظیم ہے اور نہ کسی قسم کی بے ادبی جائز ہے۔ بے ادبی سے بچتے ہوئے وہاں بیٹھنا پڑے تو یہ جائز ہے۔ امام طحاوی لکھتے ہیں:۔

اما الجلوس لغیر ذالک فلم یدخل فی ذالک النھی وھذا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ تعالیٰ۔

سو حدیث مذکور میں قبر کی تعظیم اور بے ادبی دونوں سے روکا گیا ہے تعظیم سے اس لیے کہ یہ شرک کا ایک زینہ ہے اور علماء حق نے ہمیشہ قبروں کی تعظیم سے روکا ہے اور ان سے آداب محبت بجا لانے سے منع کیا ہے۔

اب آیئے ذرا پانچویں صدی میں چلیں۔ حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:۔

ان المس والتقبیل للمشاھد عادۃ النصاریٰ والیھود[2]

ترجمہ۔ بے شک مزاروں کو چھونا اور بوسہ دینا یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے جالی کو بوسہ دینے سے روکا ہے لیکن یہ اس لیے نہیں کہ مزارات سے تعظیم و محبت کا یہ معاملہ شرک کا زینہ بنے گا۔ یا یہ کہ یہ یہود و نصاریٰ کی راہ ہے بلکہ اس لیے کہ یہ مزارات مقدسہ اس سے زیادہ تعظیم کے لائق ہیں۔ جتنا یہ جذبۂ شوق اس زائر کے دل میں اُٹھ رہا ہے آپ اسے دل میں بٹھانا چاہتے ہیں

---

[1] طحاوی شریف جلد ۱ صفحہ ۲۹۴ [2] احیاء العلوم جلد ۱ صفحہ ۲۴۴

مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :۔

خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے۔ بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا۔ اپنے مواجہہ اقدس میں جگہ بخشی[1]

دیکھیے بات وہی ہے جو امام غزالیؒ نے کہی تھی کہ مزار کو نہ مس کرے نہ بوسہ دے۔ لیکن وہاں اس کی علت اور تھی ــــ یہاں یہ ہے کہ مزار اس سے زیادہ آداب تعظیم چاہتا ہے ــــ یہ انداز اس کے خلاف ہے۔ مولانا یہ نہیں چاہتے کہ مزارات اور آستانوں کی اس حاضری میں کسی پہلو سے ادب میں کوئی کمی رہ جائے۔ گو وہاں صریحاً شرک ہو رہا ہو۔ استغفر اللہ العظیم

علماء حق نے یہ درس ہمیشہ اسلام کے عقیدہ توحید کے تحت دیئے ہیں۔ قبروں کی بے جا تعظیم کو شرک کا زینہ بتلایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں بت پرستی قبر پرستی کی راہ سے ہی آئی ہے۔ حضرت امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں :۔

انهم وضعوا هذه الاصنام والاوثان على صور انبيائهم واكابرهم وزعموا انهم متى شغلوا بعبادة هذه التماثيل فان اولئك الاكابر يكونون شفعاء لهم عند الله ونظيره في هذه الزمان اشتغال كثير من الخلق بتعظيم قبور الاكابر على اعتقاد انهم اذا عظموا قبورهم فانهم يكونون شفعاء لهم عند الله[2]

کافر لوگ انبیاء اور اولیاء کے بت اس لیے بناتے تھے کہ ان کی پرستش سے وہ بزرگ خوش ہوں گے اس کی مثال اس زمانہ کے بہت سے لوگوں کا قبروں کی تعظیم میں اس خیال سے مشغول ہوتا ہے کہ اس قبر کی تعظیم سے وہ بزرگ خوش ہوں گے اور وہ ہمارے لیے دعا اور شفاعت کریں گے۔

یہ نقشہ عمل آج بھی آپ کو بریلوی حلقوں میں عام ملے گا۔ بریلوی علماء بت پرستی کا سارا بوجھ ہندوں پر ڈال دیتے ہیں اور مسلمان کچھ بھی کرتے پھریں مجال ہے ان پر شرک کا چھینٹا تک آنے دیں۔ یہ ان کی ہر کمزوری اور بد اعتقادی کو کوئی نہ کوئی تاویل یا علمی استناد مہیا کر دیتے ہیں۔ اور ان کی دیگیں ہر وقت گرم رہتی ہیں ؎ کون رہبر ہو سکے جب خضر بہکانے لگے

---

[1] فتاوے رضویہ جلد ۴ صـ۲۲۳ [2] تفسیر کبیر جلد ۲ صـ۲۲۵

اب آیئے ذرا ساتویں صدی میں چلیں ــــ کیا علماء حق نے سردور میں قبر پرستی کے خلاف آواز نہیں اُٹھائی اور مسلمانوں کو اس خطرے سے نہیں ڈرایا؟ قرآن کریم کی یہ وعید کہ خدا مشرک کو ہرگز نہ بخشے گا آخر کن لوگوں کو سُنانے کے لیے ہے اور کن کو کہا جا رہا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی راہوں پر نہ چلیں!

قاضی ناصر الدین عمر البیضاویؒ (۶۸۵ھ) کی آواز علماء حق کی ساتویں صدی کی آواز ہے آپ لکھتے ہیں:-

لما كانت اليهود والنصارىٰ يسجدون لقبور الانبياء تعظيما لشأنهم ويجعلونها قبلة يتوجهون فى الصلوٰة نحوها واتخذوها اوثانا لعنهم ومنع المسلمين عن مثل ذالك فاما من اتخذ مسجدًا فى جوار صالح وقصد التبرك بالقرب منه لا التعظيم له ولا التوجه نحوه فلا يدخل فى ذالك الوعيد[1]

ترجمہ: جب یہود اور نصاریٰ انبیاء کی قبروں پر تعظیمی سجدے کرتے تھے اور انہیں نماز وغیرہ میں قبلہ ٹھہراتے اور پھر (آہستہ آہستہ) انہیں (ان کے) بت بنا لیئے تو اللہ نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے روکا لیکن اگر کوئی کسی نیک شخص کے قریب مسجد بنائے اور اس کے قریب رہنے سے برکت مقصود ہو تعظیم اور ادھر توجہ مقصود نہ ہو تو وہ اس لعنت کی وعید میں نہ آئے گا.

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) بھی اسی صدی کے نامور محدث ہیں. آپ لکھتے ہیں:-

قال العلماء انما نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن اتخاذ قبره وقبر غيره مسجدًا خوفا من المبالغة فى تعظيمه والافتتان به فربما ادى ذالك الى الكفر كما جرى لكثير من الامم الخالية ولما احتاجت الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين والتابعون الى الزيادة فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم حين كثر المسلمون وامتدت الزيادة الى ان دخلت بيوت امهات المومنين فيه ومنها حجرة عائشة رضى الله عنها مدفن رسول الله صلى الله عليه وسلم وصاحبيه ابى بكر وعمر رضى الله عنهما بنوا على القبر حيطانا مرتفعة مستديرة حوله لئلا يظهر فى المسجد فيصلى اليه العوام ويؤدى الى المحذور[2]

---

[1] فتح الملہم جلد ۲ صفحہ ۳۱ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۰۱

ترجمہ: علماء کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور دوسروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے اس لیے روکا کہ ان کی تعظیم میں مبالغہ نہ کرنے لگیں اور کسی فتنہ میں نہ پڑیں۔ کئی دفعہ ایسی بات کفر تک جا پہنچتی ہے جیساکہ اقوام ماضیہ میں ایسا ہوتا رہا ہے اور جب صحابہ و تابعین کو مسلمانوں کی کثرت کے باعث حضورؐ کی مسجد میں اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی اور زیادتی یہاں تک بڑھی کہ امہات المؤمنین کے گھر بھی اس میں آگئے اور انہی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا گھر بھی تھا جس میں حضورؐ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مدفن ہیں انہوں نے قبر مبارک پہ ایک اونچی سیدھی دیوار بنا دی۔ تاکہ مسجد میں وہ قبریں نظر نہ آئیں اور عوام اس طرف دھیان کر کے نماز نہ پڑھنے لگیں اور وہ چیز واقع ہو جس سے شریعت نے پرہیز بتلایا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت آدم اور نوح علیہما السلام کے مابین کچھ اولیاء ہوئے جن کے کچھ مرید تھے جب وہ فوت ہوئے انہوں نے ان کی تصویریں بنالیں اور کہا:۔

لوصورناهم کان اشوق لنا الی العبادة اذا ذکرناهم[1]

ترجمہ۔ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ان کی یاد سے ہم میں شوقِ عبادت ابھرے گا۔

اس وقت تو ایسا ہی رہا لیکن اگلی نسلوں کو شیطان نے ان کی عبادت پہ لگادیا اور انہیں بتلایا کہ انہیں ان کے وسیلہ سے بارش ملتی تھی۔ تاریخ بن آدم میں پہلا بزرگ جس کی عبادت ہوئی اس کا نام وَدّ تھا اور ان کا بُت اسی نام پر بنا تھا۔

فکان اول ما عُبِدَ من دون الله ودّ الصنم ..... فانه استمرت عبادتها فی القرون الی زماننا هذا فی العرب والعجم[2]

ترجمہ: اللہ کے سوا سب سے پہلے جو بُت پُوجا گیا وہ حضرت وَدّ کے نام کا تھا..... اس وقت سے اولیاء کرام کے نام پر بُتوں کی عبادت اب تک چلی آرہی ہے عرب و عجم میں اسی طرح ہو رہا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ بُت پرستی کی ابتداء بزرگ پرستی سے ہوئی حجر پرستی سے نہیں۔ پتھروں کے بُت

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۴۲۶ [2] ایضاً صفحہ ۴۲۴

اُن کے نام سے بعد میں بنائے گئے ہیں۔ وہ لوگ بتوں کے آگے سجدے بزرگوں کو اور فرشتوں کو ان میں ذہنی طور پر اُتار کر کرتے تھے۔ سو یہ اصل عبادت ان مقربین الٰہی اور اولیاء کرام کی ہوتی تھی ان پتھروں کی نہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

انھم عمدوا الی اصنام اتخذوھا علی صور الملئکۃ المقربین فی زعمھم فعبدوا تلک الصورۃ تنزیلا لذلک منزلۃ عبادتھم الملئکۃ یشفعوا لھم عند اللہ تعالیٰ فی نصرھم ورزقھم وما ینوبھم من امور الدنیا۔[۱]

ترجمہ۔ انہوں نے بت بنائے جنہیں انہوں نے اپنے خیال سے ملائکہ مقربین کی شکل دی پھر انہوں نے ان بتوں کی اس طرح عبادت کی کہ وہ انہیں ان فرشتوں کی صورت میں اُتارتے جو ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کریں انہیں مدد دینے میں اور رزق دینے میں اور جو بھی انہیں دنیوی مصائب آئیں۔

مشرکین کہتے تھے جس طرح بادشاہ کے پاس جانے کے لیے پہلے وزیروں اور دفتریوں کی سفارش لی جاتی ہے اس طرح اللہ کے حضور بھی حاضری براہ راست نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے ان مقربین اور فرشتوں کا سہارا ضرور لینا چاہیئے۔ حافظ ابن کثیرؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :۔

لیسوا عندہ کالامراء عند ملوکھم یشفعون عندھم بغیر اذنھم فیما احبہ الملوک وابوہ فلا تضربوا للہ الامثال۔[۲]

ترجمہ۔ یہ مقربین اللہ تعالیٰ کے ہاں اس طرح نہیں جیسے بادشاہوں کے امراء ہوتے ہیں جو ان کی اجازت کے بغیر ان سے ان کی سفارش کر دیتے ہیں جسے وہ پسند کریں یا ان کا انکار کر دیں۔ اللہ کے لیے دُنیا کی مثالیں نہ لاؤ۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مشرکین ان بزرگوں کی قبروں سے ہی اپنے شرک کا آغاز کرتے تھے۔ فلما ماتوا اعتکفوا حول قبرہ فی الارض۔ اور یہ سارا میلہ ان کی قبروں پر ہی ہوتا تھا ——— آپ کے سامنے مشرکین کے اس تصورِ برزخی کی یہ آٹھویں صدی کی شہادت گزر چکی ہے۔

---

[۱] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۳۵۴ [۲] تفسیر ابن کثیر سورۂ زمر جلد ۴ ص ۴۵۔

آٹھویں صدی کے شرک کا حال اب علامہ ابن القیم (۷۵۱ھ) سے بھی سن لیجئے۔ مشرکین مانتے تھے کہ خالقِ کائنات صرف اللہ رب العزت ہے۔ موت و حیات سب اسی کے قبضے میں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اپنے بتوں کو کہیں گے کہ ہم تمہیں رب العالمین کے ساتھ برابر کرتے تھے۔ وہ انہیں خدا کے ساتھ خالق و رازق اور محی و ممیت ہونے میں تو برابر نہ کرتے تھے۔ پھر اس آیت میں برابری کے اقرار کا محمل کیا ہے؟

تاللہ ان کنا لفی ضلٰل مبین اذ نسویکم برب العلمین۔ (پ۱۹ الشعراء ع ۵ آیت ۹۸)

ترجمہ: خدا کی قسم بے شک ہم کھلی گمراہی میں تھے جب ہم تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔

حافظ ابن قیم اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

انما کانت ھذہ التسویۃ فی المحبۃ والتعظیم والعبادۃ کما ھو حال مشرکی العالم بل کلھم یحبون معبودیھم ویعظمونھا ویوالونھا من دون اللہ وکثیر منھم بل اکثرھم یحبون الٰھتھم اعظم من محبۃ اللہ ویستبشرون بذکرھم اعظم من استبشارھم اذا ذکر اللہ وحدہ ویغضبون لمنتقص معبودیھم والھتھم من المشائخ اعظم مما یغضبون اذا انتقص احد رب العالمین واذا انتھکت حرمۃ من حرمات الٰھتھم ومعبودیھم غضبوا غضب اللیث اذا حرد واذا انتھکت حرمات اللہ لم یغضبوا لھا بل اذا قام المنتھک لھا باطعامھم شیئا رضوا عنہ ولم تتنکر لہ قلوبھم۔[۲]

ترجمہ: یہ برابری محبت تعظیم اور عبادت میں تھی جیسا کہ دنیا کے بیشتر مشرکوں کا حال ہے یہ سب کے سب اپنے معبودوں سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تعظیم بجالاتے ہیں اور اللہ کے بغیر ان سے موالات رکھتے ہیں اور بہت سے بلکہ اکثر اپنے ان معبودوں سے خدا سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور ان کے ذکر سے اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جتنے کہ خدائے واحد کے ذکر سے ہوں اور جو ان کے بزرگوں کے معبود اور خدائی طاقتوں کا مالک ہونے میں کچھ کلام کرے تو یہ اس سے اس سے زیادہ ناراض ہوتے ہیں جتنے وہ اللہ

---

[۱] ملا علی قاری شرح شمائل میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں۔ کانا من اکابر اھل السنۃ والجماعۃ ومن اولیاء ھذہ الامۃ۔ (جمع الوسائل جلد ۱ صفحہ ۲۰۷) دوسرے بزرگ ابن تیمیہ ہیں جن کی وجہ سے تنبیہ ہے۔ [۲] فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۲۵۲

رب العالمین کی منقصت سے ناخوش ہوں اور جب ان کے معبودوں اور خداؤں کی کسی پہلو سے حرمت ریزی ہو تو اس طرح بھرتے ہیں جیسے شیر بپھرے۔ جب اسے اللہ کی حرمت ریزی ہو تو ان میں کوئی غصہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایسا گستاخ جب انہیں کچھ کھلانے پر آمادہ ہو جائے تو یہ اس سے رضامندی کی پینگیں بڑھائیں گے اور ان کے دل تک اس سے دوری اختیار نہ کریں گے۔

اب آیئے ذرا نویں صدی میں چلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے دور میں لوگ اپنے نیک لوگوں (اولیاء اللہ) کے مجسمے ان سجدہ گاہوں میں رکھ دیتے۔ جو وہ ان کی قبروں کے پاس بناتے تھے۔ اس پر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں :-

انی فعل ذلك اوائلهم ليتأنسوا برؤية تلك الصور ويتذاكروا احوالهم الصالحة فيجتهدون كاجتهادهم ثم خلف من بعدهم خلوف جهلوا مرادهم ووسوس لهم الشيطان ان اسلافكم كانوا يعبدون هذه الصور ويعظمونها فاعبدوها فحذر النبي عن مثل ذلك سدًا للذريعة المردية الى ذلك.[1]

ترجمہ: ان کے پہلوں نے تو ایسا اس لیے کیا تھا کہ وہ ان تصویروں کو دیکھ کر ان سے مانوس رہیں اور ان کے نیک اعمال کی یاد تازہ رہے اور یہ اسی طرح دین کے لیے محنت کریں جیسا کہ وہ محنت کرتے رہے۔ لیکن پھر ان کے بعد ان کے ایسے ناخلف آئے جو ان پہلوں کی نیت و مراد سے غافل تھے اور شیطان نے انہیں وسوسہ میں ڈالا کہ تمہارے اکابر ان تصویروں کی پوجا کرتے تھے اور ان کی تعظیم بجا لاتے تھے۔ سو تم بھی ان کی عبادت میں لگو ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ نے ایسا کرنے (ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے) سے ڈرایا تاکہ وہ بات بھی عمل میں نہ آئے جو آئندہ اس کفر تک پہنچنے کا ذریعہ ہو سکتی ہو۔

ذرا غور کیجیے یہ سجدہ گاہوں میں رکھے بُت کیا صرف بُت ہوتے تھے یا قبر کی یاد اور تلاش ہوتے تھے؟ ــــ مشرکین انہیں دیکھ کر کن کی عقیدت میں جھکے چلے جاتے تھے، پتھروں کی عقیدت میں یا ان بزرگوں

---

[1] فتح الملہم جلد ۲ صفحہ ۱۲۱

کی عقیدت میں جن کی قبروں کے پاس یہ سجدہ گاہیں بنی ہوتی تھیں؛

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شرک کی جڑ حجر پرستی سے نہیں قبر پرستی سے لگی ہے اور اگر اب بعض کلمہ گویانِ اسلام ان بزرگوں کے مجسموں پر نہیں ان کے مزاروں پر سجدہ ریز ہوتے ہیں تو اس میں یہ بات کھل جاتی ہے کہ یہ لوگ خدا کو ایک مانتے ہوئے ان مقابر کے لیے وہی بدنی تعظیم بجالاتے ہیں جو بدنی تعظیم خدا کے حضور بجالائی جاتی ہے. یہ کہتے ہیں فرق بدنی جھکاؤ اور تعظیم میں نہیں ہماری نیت میں ہے. خدا کے حضور ہم عبادت کی نیت سے جھکتے ہیں اور یہاں ہم انتہائے تعظیم میں بہتے اور جھکتے چلے جاتے ہیں ـــ افسوس یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ عبادت اسی انتہائے تعظیم ہی کا تو نام ہے جس کا تم خود اقرار کر رہے ہو. کچھ خدا کا خوف کرو ـــ اس لفظی ہیر پھیر سے اپنے آپ کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو.

اب ذرا دسویں صدی کا حال سنیئے. علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں اور تو اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کی تعظیم میں ساتھ نہ ملاؤ. ایمان لانے کے بعد بندہ براہ راست خدا کے قرب میں آگیا ہے اور اب خدا مومن کو اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہو گیا ہے. آپ دارالخواص علی فتاویٰ سیدی علی الخواص میں لکھتے ہیں :-

> اپنے درمیان اور اللہ کے درمیان عبادت میں واسطہ[1] نہ بناؤ نہ نبی کو نہ کسی دوسرے کو ـــ رسول تو اللہ کی طرف بلانے میں واسطہ بنتے ہیں نہ کہ اپنی طرف بلانے میں ـــ جب ایمان حاصل ہو گیا تو دل میں اللہ کا قرب پیدا ہو گیا ـــ اب اللہ تعالیٰ مومن کو اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں اور جتنا رسول اس شخص کے قریب ہے اس سے بھی زیادہ اللہ اس بندے کے قریب ہیں ـــ رسول کی طرف سے اب صرف شریعت کی تبلیغ کا کام جاری رہتا ہے. نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس پر غیرت کرتی ہے کہ امت کے لوگ اللہ کو چھوڑ کر رسول کے پاس ٹھہرے رہیں کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ

---

[1] واسطہ اور وسیلہ علم میں تو ہے عبادت میں نہیں. عبادت میں بندہ براہِ راست اللہ کے حضور حاضر ہوتا ہے جماعت کی نماز میں امام خدا کی نمائندگی نہیں کرتا نمازیوں کی نمائندگی کرتا ہے اور ان سب کی طرف سے کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین جمع بتلاتا ہے کہ اب مقتدی کو یہ خود کہنے کی حاجت نہیں رہی.

> دین پہنچا دینے[1] سے آپ کا کام پورا ہو چکا ہے اور آپ کو اس کا اجر بھی مل چکا ہے ——
> اب اللہ کی عزت دیکھو اپنے بندوں کے بارے میں فرمایا (جب میرے بندے تجھ سے
> میرے بارے میں پوچھیں تو کہہ دو میں قریب ہوں اور ہر دعا کرنے والے کی دعا سنتا
> ہوں جب وہ مجھے بلائیں) اس میں خدا نے بتلایا کہ میں تمہیں تمہاری جانوں سے بھی
> زیادہ قریب ہوں اور میرا رسول جتنا تمہارے قریب ہے اس سے بھی زیادہ میں تم
> سے قریب ہوں۔[2]

اب سوچو خدا کے اس قرب کے آگے کس کا قرب چل سکتا ہے؟ اور اس کی تعظیم کے ساتھ کس کی تعظیم ملائی جا سکتی ہے —— سو جو لوگ اس تعظیم میں کسی اور کی تعظیم شامل کرتے ہیں وہ مقام عبادت کو پا ہی نہیں سکے۔ بزرگوں کی محبت وہ ہے جو خدا کی عبادت میں انہیں شریک نہ کرے نہ کہ ان کی طرف توجہ اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ ہونے لگے۔

یہ اسلام کے پہلے ہزار سال کی شہادت ہے۔ علماء اسلام نے ہر دور میں مسلمانوں کو شرک سے روکنے کی کوشش کی ہے جو اپنی جہالت کے اندھیروں میں راہ پا گیا ہے۔ وہ بزرگوں کے تصور میں ان کے مجسموں یا ان کی قبروں کے آگے جھکتے رہے اور اسے عبادت نہیں تعظیم کہتے رہے اور وہ یہ نہ سمجھ پائے کہ شرک کی ابتدا حجر پرستی سے نہیں بزرگ پرستی سے ہوئی ہے۔ مشرکین اپنے تصور برزخی میں ان بزرگوں کو ذہنی طور پر ان بتوں میں اتارتے اور پھر ان کے آگے جھکتے تھے۔ اسلام کے اس پہلے ہزار سال میں علمائے اہل السنۃ والجماعۃ نے ہر دور میں شرک کی مذمت کی ہے اور اسے تاریخی طور پر قبروں کی تعظیم و محبت سے وابستہ کیا ہے۔ اس دور میں علماء اہل السنۃ ایک ہی آواز تھے اور ان دنوں بریلویت کسی بھی نام سے موجود نہ تھی جو ان مشرکین کو کسی طرح کا کوئی علمی استناد مہیا کرے علماء تھے اور یا جہلاء —— ان جہلاء کی حمایت میں مولویوں کا کوئی طبقہ خم ٹھونک کر نہ نکلا تھا۔

گیارہویں صدی میں پھر وہ لوگ بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے اکبری دربار میں دین الٰہی کے نام سے ایک نیا مذہب ترتیب دیا۔ ان کا مذہب اسلام کو ہندو مذہب کے ساتھ ایک کرنا تھا۔ ہندوازم کی نشاۃ جدید کی طرف یہ پہلا قدم تھا جو نہایت بے دردی سے اٹھایا گیا۔ اس کا مقصد کفر و شرک کو کسی برزخی تاویل سے اسلام

---

[1] دین پہنچانے کے دو دائرے ہیں علماً اور عملاً —— پیغمبر اپنے عمل سے بھی امت کے لیے راہیں روشن کرتا ہے مگر وہ عبادت میں واسطہ نہیں ہوتا بندہ کو خدا کے پاس ہونے کا درس دیتا ہے۔ [2] کتاب الابریز صہ

میں جذب کرنا تھا۔

اللہ رب العزت خود اس دین کا محافظ ہے۔ اس نے اس وقت کے بریلویوں کے سدباب کے لیے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) کو مبعوث فرمایا۔ آپ کی بھی مخالفت اسی طرح ہوئی جس طرح اس دور میں بریلوی حلقوں کی طرف سے علماء دیوبند کی رہی ہے اور ان لوگوں نے آپ پر بھی کفر کے فتوے لگائے۔ لیکن اس کا کوئی خاص اثر نہ ہو سکا۔ یہ بریلویت کی ابتدا تھی گو اس الحاد نے ابھی بریلویت کا نام نہ پایا تھا۔ ابھی اس باب میں کسی بڑے حضرت کا انتظار تھا۔ حضرت امام ربانی نے شرک و بدعت کے ان تھانوں کے خلاف پُرزور آواز اُٹھائی اور تعظیم قبور کو شرک کا سبب ٹھہرایا۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

استمداد از اصنام و طاغوت در دفع امراض و اسقام کہ در جہلہ اہل اسلام شائع گشتہ است عین شرک و ضلال است و طلب حوائج از سنگہائے تراشیدہ نفس کفر و انکار از واجب الوجود تعالیٰ و تقدس۔

ترجمہ۔ بتوں اور شیطان سے رفع امراض کے لیے مدد مانگنا جیسا کہ جاہل مسلمانوں میں چل نکلا ہے یہ عین شرک و گمراہی ہے۔ تراشے پتھروں (بتوں) سے حاجتیں مانگو یا ناتراشے پتھروں (قبروں) سے۔ ہر دو صورتیں کفر کا عمل ہیں اور یہ اللہ واجب الوجود کا انکار ہے۔

پھر اسی مکتوب میں آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

وحیوانات را کہ نذر مشائخ مے کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح می نمائند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند[1]

ترجمہ۔ اور جو بکرے یہ بزرگوں کی نذر مانتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر انہیں (اللہ کے نام سے) ذبح کرتے ہیں فقہ حنفی میں اسے بھی شرک میں داخل لکھا گیا ہے۔

بریلوی دوستو کچھ خیال کرو کیا شرک صرف وہی ہے جو مندروں اور گرجا گھروں میں جا کر ہو۔ مسلمان جو بھی کرتے پھریں ان پر شرک کا کوئی چھینٹا نہیں پڑتا؟ کیا حضرت امام ربانی نے جاہل مسلمانوں کو اس کا مرتکب نہیں بتلایا؟ کیا وہ مسلمان مندروں کے بُت پوجتے تھے؟ نہیں۔ وہ قبروں پر جمع ہو کر شرک کرتے تھے۔

---

[1] مکتوبات حصہ سوم مکتوب ۱۴ ص۲۲

کیا آپ نے اس وقت کے بڑھتے شرک کو قبروں سے وابستہ نہیں بتلایا؟ اگر شرک انہی خانقاہوں پر پرورش پاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں تو اس وقت کے بریلوی علماء ان مزارات پر جا کر جہلاء کو ان حرکات شرکیہ سے کیوں منع نہیں کرتے۔ علماء دیوبند جب انہیں شرک و بدعت سے روکتے ہیں تو یہ بریلوی علماء اُلٹا ان جہلاء کو علمی استناد مہیا کرنے لگتے ہیں۔ انہیں تاویل کی راہیں بتاتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان اہل بدعت کو اب باقاعدہ اہل السنۃ ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا جاتا ہے اور عام لوگ سمجھ نہیں پاتے۔ اہل بدعت اور اہل سنت میں زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔ یہ بدعتی کیسے سُنی ہو سکتے ہیں اور سنت اور بدعت کیسے جمع ہو سکتی ہیں!

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بھی اسی صدی کے نامور بزرگ ہیں۔ آپ بھی قبر پرستی کو صریح لفظوں میں شرک بتلاتے ہیں۔ قبروں کے پاس اہل مقابر کی تعظیم کے لیے چراغ جلانا ممنوع بتلاتے ہیں:۔

چراغ افروختن بر قبور ممنوع است مگر آنکہ در سایہ آں کار می کنند[1]

ترجمہ۔ قبروں پر چراغ جلانا منع ہے ہاں (کسی زندہ کو) اس کی روشنی میں کام کرنا ہو (اس زندہ کے لیے وہاں چراغ جلانا ناجائز نہیں)۔

قبروں کی زیارت اہل قبور کو نفع پہنچانے اور ان کے لیے طلب مغفرت اور عطاء رحمت کے لیے مشروع ہے اپنی دنیوی مرادات مانگنے کے لیے نہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ فرماتے ہیں:۔

ترجمہ۔ جو زیارت اس مقصد کے لیے ہو اور اس میں کوئی بدعت[2] ناپسندیدہ بات نہ ہو مستحب ہے۔

حدیث میں قبروں پر سجدہ گاہیں بنانے اور چراغ جلانے کی ممانعت صریح لفظوں میں وارد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں:۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج[3]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو بار بار قبروں پر آتی ہیں اور وہاں سجدہ گاہیں بنانے والوں پر اور چراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے۔

اس مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی مروی ہے۔

---

[1] مدارج النبوت جلد ۱ ص ۲۳۲ [2] ایضاً [3] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۲۰

یہ جانیئے کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا دو طرح سے ہے۔ ۱. سجدہ تعبدی ہو۔ ۲. سجدہ اللہ کو ہو مگر قبر کی طرف رُخ کرنے سے اس کی رضا بھی مطلوب ہو۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

ترجمہ۔ یہ دونوں فعل حرام ہیں کسی نبی اور ولی کی قبر کے پاس برکت اور تعظیم کے لیے نماز پڑھنا حرام ہے اور اس پر سب علماء کا اتفاق ہے۔

یہ گیارہویں صدی کی آواز آپ نے سن لی کیا ان بزرگوں نے شرک و بدعت کو خانقاہوں میں ہوتا نہیں بتایا؟ کیا انہوں نے بھی کہا کہ شرک صرف وہ ہے جو ہندوؤں کے مندروں اور عیسائیوں کے گرجا گھروں میں ہو۔ بزرگوں کی قبروں پر چراغاں ہو یا سجدہ تعظیمی، یہاں شرک و بدعت قریب نہیں پھٹکتے ـــــ اگر یہ بزرگ صریح لفظوں میں جہلاء کو قبر پرستی سے روکتے رہے تو آج کون علماء ہیں جو ان بزرگوں کے نقش قدم پر شرک و بدعت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں اور ان جاہلوں کو ایسے عرسوں اور میلوں سے روکتے ہیں اور کون علماء ہیں جو ان جہلاء کو علمی استناد مہیا کر کے ان خانقاہوں سے بڑے بڑے نذرانے وصول کرتے ہیں۔ یہ گیارہویں صدی ہجری کی شہادت آپ کے سامنے آچکی اور آپ پر حجت تمام ہوچکی۔

اب ہم آپ کو بارہویں صدی میں لے چلتے ہیں۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

ومن اعظم البدع ما اخترعوا فی امر القبور واتخذوھا عیداً۔[۲]

ترجمہ۔ اور سب سے بڑی بدعت جو لوگوں نے اختراع کی وہ قبور کے بارے میں ہے اور ان قبروں کو انہوں نے عید بنا رکھا ہے۔

عید بنانے سے مراد ان قبروں پر عید کی طرح سالانہ اجتماع کرنا اور انہیں حج کا سا موسم بنانا ہے ایک دوسرے مقام پر ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

لا تجعلوا زیارۃ قبری عیداً ـــــ اقول ھذا اشارۃ الی سد مدخل التحریف

---

[۱] مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۱ [۲] تفہیمات الہیہ جلد ۲ صفحہ ۶۴

کما فعل الیہود والنصاریٰ بقبور انبیاءھم وجعلوھا عیداً وموسماً بمنزلۃ الحج۔[1]

ترجمہ۔ یہ حدیث کہ میری قبر کی زیارت کو عید نہ بناؤ اس میں تحریف (دین کا حلیہ بدلنے کی تحریک) کو روکنے کا اشارہ ہے جیساکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عید کی طرح (لوٹ لوٹ کر آنے کا موقع) اور حج کا سا ایک موسم بنا دیا تھا۔

یہ عقیدہ رکھنا کہ ان قبروں کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اس میں تعظیم خداوندی میں قبروں کی تعظیم کو شامل کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔

جو شخص اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی یا سالار مسعود غازی کی قبروں پر اس لیے گیا کہ وہاں وہ اپنے لیے دعا کرے گا اور وہاں وہ ضرور قبول ہوگی تو اس نے بڑا گناہ کیا اور وہ ہے جیسے کوئی بتوں کو پوجے یا لات و عزیٰ کو پکارے۔[2]

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

اگر در تصویر حال مشرکین و اعمال ایشاں توقف داری احوال محترفاں اہل زمانہ خصوصاً آنانکہ باطراف دار الاسلام سکونت دارند ملاحظہ کن کہ
برقبور و آستانہا مے روند و انواع شرک بعمل آرند۔[3]

ترجمہ۔ اگر تو ان مشرکین کے حالات اور اعمال سامنے لانے میں متوقف ہے تو اس زمانے کے بہروپیوں کو دیکھ خصوصاً ان کو جو اسلامی سلطنت کے ساتھ سکونت پذیر ہیں کہ قبروں اور آستانوں پر جاتے ہیں اور طرح طرح کا شرک عمل میں لاتے ہیں۔

پھر آگے چل کر ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

وان شئت ان تری انموذجا لھذا الفریق فانظر الیوم الی اولاد المشائخ الاولیاء ماذا یظنون بآبائھم فتجدھم قد افرطوا فی اجلالھم کل الافراط و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔[4]

ترجمہ۔ اور اگر تو چاہے کہ ان لوگوں کا کوئی نمونہ دیکھ پائے تو اولیاء و مشائخ کے سجادہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص۷۷ [2] دیکھئے تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ ص۴۵ [3] الفوز الکبیر فارسی ص۱۱ [4] الفوز الکبیر عربی ص۶

نشینوں کو دیکھو اپنے باپ دادا کے بارے میں کیا کیا گمان کئے بیٹھے ہیں۔ تو دیکھے گا کہ وہ ان کی تعظیم میں پورے طور پر افراط کا شکار ہیں اور یہ ظالم جان لیں گے کہ کس موڑ پر ان کا انجام ہے۔

ان عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ بارہویں صدی میں بریلویت (اپنے وسیع تر مفہوم میں) اپنے پورے پھیلاؤ کے ساتھ موجود تھی۔ ان دنوں شرک حجر پرستی سے قبر پرستی میں زیادہ نمایاں تھا۔ حجر پرستی اور اصنام پرستی میں ہندو غلطاں و پیچاں تھے تو قبر پرستی ان دنوں ان جاہل مسلمانوں کی رونق کا مرکز تھی

آپ ہی بتائیں کہ کیا بارہ سو سال کے اکابر علمائے اہل سنت نے ان قبروں پر ہونے والے میلوں، چراغوں اور اجتماعات کو شرک کے مراکز نہیں ٹھہرایا؟ ان میلوں اور عرسوں میں ہونے والے اعمال کو کیا شرک و بدعت سے متعلق نہیں فرمایا۔ کیا شرک و بدعت کے کوئی سینگ اُگے ہوتے ہیں کہ جب تک وہ سینگ نظر نہ آئے شرک و بدعت کا کوئی خطرہ نہ ہو جو چاہے کرتے جاؤ۔ چودہویں صدی میں ایک جماعت علماء کی تیار ہو چکی ہے جو تمہاری ہر جہالت کو علمی استناد بخشے گی۔ وہ تمہاری دولت لوٹیں گے اور خود ان کا ایمان لُٹے گا۔

اب آئیے ذرا تیرہویں صدی میں چلیں اور دیکھیں کیا علماء حق نے قبروں پر ان لگے میلوں، عرسوں اور رونقوں کو شرک و بدعت اور تحریف و جہالت سے متعلق نہیں ٹھہرایا؟ اس وقت ہمارے سامنے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) اور مفتی بغداد حضرت علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) کی تفسیریں اور فتاوے کھلے ہیں۔ ان سے مسلمانوں کی تیرہویں صدی کا حال پورا دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الاولیاء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد الیها ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونه عرسا۔[1]

ترجمہ: جاہل لوگ ولیوں اور شہیدوں کی قبروں پر جو سجدے، ان کے گرد طواف اور ان پر چراغاں کرتے ہیں اور عیدوں کی طرح وہاں میلے کرتے ہیں اور ان کا نام عرس رکھتے ہیں یہ سب امور ناجائز ہیں۔

اور یہ بھی لکھتے ہیں:۔

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۶۵

آنچہ بر قبور اولیاء عمارت ہائے رفیع بنا مے کنند و چراغاں روشن می کنند و ازیں قبیل ہر چہ مے کنند حرام است [1]

ترجمہ۔ اور یہ جو اولیاء اللہ کی قبروں پر اونچی اونچی عمارتیں بناتے ہیں اور ان پر چراغ روشن کرتے اور اس طرح کے جو کام بھی کرتے ہیں سب حرام ہے۔

پھر آپ نے یہ بھی لکھا ہے:۔

پیغمبر خدا بر شمع فروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان را لعنت گفتہ۔ [2]

ترجمہ۔ حضورؐ نے قبر پہ چراغ جلانے والوں اور وہاں سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کو دیکھئے۔ آپ ان قبر پرستوں کو شیعوں کا ساتھی ٹھہراتے ہوئے اس طرح ذکر کرتے ہیں:۔

و ہمیں است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازاں و مجاوران قبور و جلالیاں و مداریاں۔ [3]

ترجمہ۔ اور یہی حال مسلمانوں کے بہت سے فرقوں کا ہے جیسے تعزیے بنانے والے اور مجاور اور جلالی ملنگ اور مداری وغیرہم ہیں۔

پھر تفسیر عزیزی میں پیر پرستوں کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:۔

بعضے پیر پرستاں از زمرہ مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت می کنند و در وقت احتیاج بہ ہمیں اعتقاد بآنہا استعانت مے نمائند۔ [4]

ترجمہ۔ مسلمانوں میں سے کئی پیر پرست اپنے پیروں کے بارے میں امر اول کو ثابت کرتے ہیں اور ضرورت کے وقت اسی اعتقاد سے ان سے استمداد کرتے ہیں۔

اب مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) سے تیرہویں صدی کے نصف ثانی کا حال سنیئے:۔

وقد راینا کثیرا من الناس علی هذه الصفة التی وصف الله تعالٰی بها المشرکین یهشون لذکر الاموات یستغیثون بهم ویطلبون منهم ویطربون من سماع حکایات کاذبة عنهم توافق هواهم و اعتقادهم فیهم ویعظمون

---

[1] مالابد منہ ص۹۵ [2] ارشاد الطالبین ص۲۲ [3] فتاوی عزیزی جلد ۱ ص۱۳۴ [4] تفسیر عزیزی پ۲۹ ص

من یحکی لہم ذلک وینقبضون من ذکر اللّٰہ تعالیٰ وحدہ ونسبۃ الاستقلال بالتصرف الیہ عزوجل وسردما یدل علیٰ مزید عظمتہ وجلالہ وینفرون ممن یفعل ذلک کل النفرۃ ینسبونہ الیٰ ما یکرہ وقد قلت یوما لرجل یستغیث فی شدۃ ببعض الاموات وینادی یا فلان اغثنی فقلت لہ قل یا اللّٰہ فقد قال سبحانہ (واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان) فغضب وبلغنی انہ قال فلان منکر علی الاولیاء وسمعت عن بعضہم انہ قال الولی اسرع اجابۃ من اللّٰہ عزوجل وھذا من الکفر بمکان نسأل اللّٰہ تعالیٰ ان یعصمنا من الزیغ والطغیان[1]

ترجمہ. اور ہم نے اس صفت کے لوگ جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی بتائی ہے بہت دیکھے ہیں جو فوت شدہ بزرگوں کا ذکر سن کر جھومتے ہیں ان سے فریاد کرتے ہیں اور ان سے حاجتیں مانگتے ہیں اور ان کے بارے میں جھوٹی حکایات جو ان کی نفسانی خواہشات اور اعتقاد کے مطابق ہوتی ہیں سُن کر خوشی میں آتے ہیں اور جو واقعہ یہ بیان کرے اس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور جب خدائے واحد کا ذکر کیا جائے اس کے مستقل بالتصرف ہونے کا بیان ہو وہ بات کہی جائے جو اس کے مزید جلال و عظمت کا پتہ دے تو وہ رنجیدہ خاطر ہو جاتے ہیں (کڑھنے لگتے ہیں) اور جو ایسا (بیان) کرے اس سے بڑی نفرت سے بھاگتے ہیں اور اسے ناپسندیدہ ناموں سے نسبت دیتے ہیں. ایک دن میں نے ایک شخص کو جو کسی سخت مصیبت میں کسی فوت شدہ بزرگ سے فریاد کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا اے فلاں میری فریاد رسی کر. کہا کہ یا اللہ کہہ خدا نے خود کہا ہے جب تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں پُوچھیں تو بتلا دے کہ میں قریب ہوں. میں بُلانے والے کی پکار کو سنتا ہوں تو وہ غصے میں آگیا اور مجھے بات پہنچی اس نے کہا کہ یہ شخص ولیوں کا منکر ہے اور میں نے ان میں سے بعض کو یہ کہتے ہوئے بھی سُنا کہ ولی خدا سے زیادہ جلدی پکار کو سنتے ہیں اور یہ کفر کا ایک بڑا درجہ ہے ہم خدا سے اس کجی اور

---

[1] روح المعانی جلد ۲۴ صد۱۲

طغیان سے حفاظت مانگتے ہیں۔
پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

ومما تقشعر منه الجلود وتصعّر له الخدود الكفرة اصحاب الاخدود فضلاً عن المؤمنين باليوم الموعود ان بعض المتشيخين قال لی وانا صغير اياك ثم اياك ان تستغيث بالله تعالیٰ اذا خطب دهاك فان الله لا يعجل فی اغاثتك ولا يهمه سوء حالتك وعليك بالاستغاثة بالاولياء السابقين فانهم يعجلون فی تفريج كربك ويهمهم سوء ما حل بك فمج ذلك سمعی وهمیٰ دمعی وسألت الله تعالیٰ ان يعصمنی والمسلمين من امثال هٰذا الضلال المبين ولكثير من المتشيخين اليوم كلمات مثل ذٰلك[1]

ترجمہ۔ اور جس بات کو سُن کر رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور اصحاب الاخدود کافروں کے چہرے سکڑ جائیں قطع نظر ان کے جو قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب میں چھوٹا تھا تو مجھے ایک جعلی شیخ نے مشورہ دیا کہ زنہار مصیبت کے وقت کبھی خدا سے فریاد نہ کرنا کیونکہ وہ کبھی جلدی تیری فریاد رسی نہ کرے گا اور نہ اسے تیری بری حالت کا احساس ہوگا سو تجھے پچھلے اولیاء کرام سے فریاد رسی کرنی چاہیئے۔ وہ تیری تکلیف دُور کرنے میں جلدی کریں گے اور تیری بدحالی نے انہیں بڑی فکر میں ڈالا ہوتا ہے۔ میرے کان اس کی بات سے بند ہونے لگے اور میرے آنسو جاری ہوگئے اور میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ مجھے اور مسلمانوں کو اس کھلی گمراہی سے بچائے اور آج کتنے ہی بناوٹی بزرگ ہیں جو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔
پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :۔

انت خبير بان النّاس اليوم اذا اعتراهم امر خطير وخطب جسيم فی بر او بحر دعوا من لا يضر ولا ينفع ولا يرى ولا يسمع فمنهم من يدعوا الخضر والياس ومنهم من ينادی ابا الخميس والعباس ومنهم من يستغيث باحد

---

[1] روح المعانی جلد ۳ص ۱۲۶

الائمة ومنهم من يضرع الى شيخ من مشائخ الامة لاترى فيهم احدا يخص مولاه بتضرعه ودعاه ولا يكاد يمر له ببال انه لو دعا الله تعالى وحده ينجو من هاتيك الاحوال فبالله تعالى عليك قل لى اى الفريقين من هذه الحيثية اهدى سبيلا و اى الداعيين اقوم قيلا و الى الله تعالى المشتكى من زمان عصفت فيه ريح الجهالة وتلاطمت امواج الضلالة وخرقت سفينة الشريعة واتخذت الاستغاثة بغير الله تعالى للنجاة ذريعة وتعذر على العارفين الامر بالمعروف وحالت دون النهي عن المنكر صنوف الحتوف[1]

ترجمہ۔ اور تم جانتے ہو کہ آج بھی لوگوں کو خشکی میں یا سمندر میں کوئی بڑا خوفناک معاملہ اور خطرناک واقعہ پیش آجائے تو وہ انہیں پکارتے ہیں جو نہ نفع دے سکیں نہ نقصان، نہ وہ دیکھ سکیں نہ سن سکیں۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو خضر اور الیاس کو پکارتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو کسی امام کے نام کی دہائی دیتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو ابوالخمیس اور حضرت عباس کو پکارتے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو مشائخ امت میں سے کسی شیخ کے پاس ملتجی ہوں اور تو ان میں سے کسی کو نہ دیکھے گا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو عاجزی سے پکارے اور اسی سے زاری کرے اور کسی کو خیال تک نہیں آتا کہ اگر وہ صرف خدائے واحد کو اپنی تکلیف میں پکارے گا تو وہ ان خطرات سے بچ نکلے گا۔ سولے مسلمان میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اس حیثیت سے دونوں گروہوں میں سے کون سیدھی راہ پر ہے اور دونوں داعیوں میں سے کس کی بات پختہ ہے اور اللہ کے حضور میں میری شکایت ہے اس زمانے کی جس میں جہالت کی آندھیاں بڑی تیزی سے چل رہی ہیں اور گمراہی کی موجیں تلاطم خیز ہیں۔ شریعت کی کشتی ٹوٹ چکی ہے۔ غیراللہ کے آگے فریاد رسی کرنے کو نجات کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے اور حق پہنچانے والوں کے لیے نیکی کی تعلیم دینا مشکل ہو گیا ہے اور منکرات سے روکنے کے لیے ترکی طرح کی موتیں نظر آرہی ہیں۔

---

[1] روح المعانی جلد ۱۵ ص ۹۵

اہل بدعت نے اولیاء اللہ کے بارے میں جو مختارِ کل کا عقیدہ گھڑ رکھا ہے اس میں وہ اللہ رب العزت کو کلیتہً فارغ نہیں کرتے. یہ نہیں کہتے کہ خدا تعالیٰ چھٹی پر چلے گئے ہیں اور اب کائنات کا سارا کام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور دیگر اولیاء کرام چلاتے ہیں. زمین و آسمان اور عرش و کرسی پر بس انہی کا قبضہ ہے. ہر علاقے کے علیحدہ علیحدہ بزرگ ہیں جو اس علاقے کی حاجتیں پوری کرتے ہیں ـــــ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بھی مدبر کائنات مانتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت پیران پیر کو بھی امورِ کائنات میں متصرف جانتے ہیں علیٰ وجہ الاشتراک لا علیٰ وجہ الاستقلال.

علامہ محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ پیدا کرنے میں، مالک ہونے میں اور متصرف ہونے میں کوئی بھی خدا کا شریک نہیں. نہ بالذات اور نہ بالتبع کہ خدا نے انہیں کائنات میں تصرف کے کچھ اختیارات دے رکھے ہوں ایسا ہرگز نہیں. ایک اللہ رب العزت کے سوا نہ کوئی استقلالاً کائنات میں تصرف کی طاقت رکھتا ہے نہ اشتراکاً ـــــ سو عبادت کے لائق وہی ہے جس کے یہ سب اختیارات ہوں، خدا کی صفات کو عطائی کی اوٹ میں مخلوق کے لیے ثابت کرنا اگر شرک نہیں تو کون سا ایمان ہے.

(الذی له ملك السمٰوات والارض) ای له سبحانه خاصة دون غیره لا استقلالاً ولا اشتراکاً[1]

ترجمہ. آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اسی ذات کے لیے ہے کسی اور کے لیے نہیں. نہ استقلالاً اور نہ اشتراکاً.

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

لا شرکة ولا استقلالاً من حیث الملك والتصرف والاحیاء والاعدام[2]

ترجمہ. مالکیت میں اور تصرف میں زندگی اور موت دینے میں نہ کوئی خدا کے ساتھ علی وجہ الاشتراک شریک ہے نہ علیٰ وجہ الاستقلال ـــــ یہاں ذاتی اور عطائی کی کسی تاویل کو راہ نہیں.

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں -

(لله ما فی السمٰوات والارض) خلقاً و ملکاً و تصرفاً لیس لاحد سواه

[1] روح المعانی جلد ۸ صفحہ ۲۳۳ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۶۱

عزوجل استقلالاً ولا شرکۃ فلا یستحق العبادۃ فیہما غیرہ سبحانہ وتعالیٰ[1]

ترجمہ تخلیق میں، مالکیت میں اور تصرف میں خدا کا کوئی شریک نہیں نہ مستقل طور پر نہ اس کے ملانے سے سو آسمانوں اور زمین میں اس ایک سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں۔

اسلام کی شرک کے خلاف ساری مہم اصل میں اسی چور دروازے کی روک تھام ہے۔ جس میں کائنات میں دوسروں کا تصرف جو خدا کے دیے ہوئے اسباب سے نہیں ما فوق الاسباب راہ سے ہو عطاء اور اشتراک کی اوٹ میں ثابت کیا جاتا ہے۔ کیونکہ خدا کے ساتھ علیٰ وجہ الاستقلال اب تک کسی نے کسی کو شریک نہیں مانا۔ شرک کی یہ سب آفتیں اس لفظ عطاء کے سائے میں در آمد کی جاتی ہیں۔ امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:۔

اعلم انہ لیس فی العالم احد یثبت للہ شریکاً یساویہ فی الوجود والقدرۃ والعلم والحکمۃ وھٰذا مما لا یوجد الی الاٰن[2]

ترجمہ تم جان لو کہ جہان میں کوئی ایسا مشرک نہیں جو اللہ کے لیے ایسا شریک ثابت کرے جو وجود، قدرت، علم اور حکمت میں اس کے برابر ہو اور ایسا مشرک اب تک کہیں نہیں پایا گیا۔

مشرکین جن کو خدا کے شریک ٹھہراتے تھے اس عقیدے کے ساتھ ٹھہراتے تھے کہ یہ اختیار خدا کی عطاء سے پائے ہوئے ہیں اور یہ ہمارا خدا کے حضور میں واسطہ ہیں وہ انہیں واسطہ سمجھ کر معبود ٹھہراتے تھے ۔۔۔ امام صاحب آگے چل کر ان کا عقیدہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

انہا ھی الوسائط بین اللہ تعالیٰ وبین البشر[3]

ترجمہ۔ بے شک یہ واسطے ہیں اللہ کے اور انسانوں کے مابین۔

اسی سے پھر یہ عقیدہ ابھرا کہ جب یہ خدا اور بنی نوع انسان کے درمیان واسطہ ہیں تو خود بنی نوع انسان میں سے نہ ہوں گے انہیں بشر نہ کہا جائے گا۔ استغفر اللہ

---

[1] روح المعانی جلد ۲۱ صفحہ ۹۲ [2] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ [3] ایضاً صفحہ ۱۱۳

بریلوی حضرات نے ایک خدا کے ساتھ کائنات میں تصرف کرنے مصیبت زدوں کی امداد کرنے اور ان کی داد رسی میں اور کن کن کو شریک کر رکھا ہے اس کی ایک طویل فہرست ہے ان کے ہاں ہر علاقے اور شہر کے اپنے اپنے حاجت روا ہیں اور بریلوی مرد اور عورتیں انکی درگاہوں پہ حاضری دے کر ان سے مدد کی فریاد کرتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:۔

انبیاء و مرسلین اولیاء و علماء صالحین سے ان کے وصال کے بعد بھی استعانت اور استمداد جائز ہے اولیاء بعد انتقال بھی دنیا میں تصرف کرتے ہیں [1]

اس عبارت کے دوسرے جزو میں انبیاء کا نام نہیں لیا کیونکہ انبیاء کی قبریں ہر شہر میں نہیں ملتیں۔ ولیوں کی درگاہیں سچی یا جھوٹی البتہ ہر شہر اور قصبے میں ملتی ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے عوام کی رہنمائی کے لیے یہاں انبیاء کا نام نہیں لیا۔ ورنہ ان کا اپنا عقیدہ یہ تھا:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت روا مشکل کشا اور دافع البلاء (بیماروں کو شفا دینے والا) ماننے میں کس کو تامل ہو سکتا ہے وہ تو جبریل علیہ السلام کے بھی حاجت روا ہیں [2]

دوسرے نمبر پر حضرت علیؓ مشکل کشا ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

پکار علی کو کہ مظہر عجائب ہیں تو انہیں مصیبتوں میں اپنا حاجت روا پائے گا (اس طرح پکار) سب پریشانیاں اور غم اب آپ کی ولایت سے دور ہو جائیں گے یا علی یا علی یا علی [3]

تیسرے نمبر پہ ان کے ہاں شیخ عبد القادر جیلانیؒ ہیں۔ ان کی طرف ان لوگوں نے یہ بات منسوب کر رکھی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

من استغاث بي في كربة كشفت عنه ومن ناداني في شدة فرجت عنه ومن توسل بي الى الله قضيت حاجته.

ترجمہ: جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے فریاد رسی کرے اس کا رنج و غم دور ہو گا اور جو کوئی سختی کے وقت مجھے پکارے میرا نام لے کر تو اس کی شدت رفع ہو گی اور

---

[1] ملفوظات ص [2] ایضاً [3] الامن والعلی ص ۱۳

جو کسی حاجت میں مجھے رب کی طرف وسیلہ لے جائے اُس کی حاجت پُوری ہو گی۔[1]

بریلوی ان سے طلب حوائج کے لیے ایک نماز بھی پڑھتے ہیں جس کا نام ان کے ہاں نماز غوثیہ ہے:۔

ہر رکعت میں گیارہ گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھے گیارہ بار صلوٰۃ وسلام پڑھے پھر بغداد کی طرف شمالی جانب گیارہ قدم چلے ہر قدم پر میرا نام لے اور اپنی حاجت مانگے اور یہ شعر پڑھے:

ایدرکنی ضیم وانت ذخیرتی
واظلم فی الدنیا و انت نصیری[2]

ترجمہ: کیا مجھے کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے جب کہ آپ میرا ذخیرہ اعتماد ہوں اور کیا مجھ پر ظلم ہو سکتا ہے درحالیکہ آپ میرے مددگار ہوں۔

بریلوی عقیدے سورج بھی آپ کو سلام کرتا ہے تو طلوع ہوتا ہے ورنہ اس کی کیا مجال کہ روشنی پا سکے یا روشنی دے سکے۔ یہ سب فیض حضرت پیران پیر کا ہے جو اللہ رب العزت کے نائب اکبر بنے پُوری دُنیا کو چلا رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں نے زندگی بھر خدا سے کبھی مدد نہیں مانگی یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ نماز میں ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھتے۔ حضرت سرکار بغداد کی طرف صرف ہمت و پوری توجہ پھیر دیا کر کے لیتے ہوں۔ اس کی وضاحت بریلوی علما ہی بہتر کر سکتے ہیں۔

بہرحال آپ نے فرمایا:۔

میں نے جب بھی مدد طلب کی یا غوث ہی کہا — ایک مرتبہ میں نے ایک دوسرے ولی سے مدد مانگنی چاہی مگر میری زبان سے ان کا نام ہی نہ نکلا — زبان سے یا غوثاہ ہی نکلا۔[3]

ان تین حضرات کے علاوہ یہ لوگ (بریلوی حضرات) ان تین سے بھی فریادرسی کرتے ہیں:۔

---

[1] دیکھیے برکات الاستمداد رسائل رضویہ جلد ۱ ص ۱۸۱ فتاوی افریقہ ص ۱۲۳ [2] دیکھیے جاء الحق ص ۲۰۰ [3] ملفوظات ص

۱. احمد ابن علوان ۲. سید احمد بدوی ۳. احمد زورق

ان کے ہاں حضرت ابن علوان اس وقت مدد کرتے ہیں جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے وہ حضرت انہیں وہ چیز لا دیتے ہیں۔

جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس لا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ رُخ ہو کر کھڑا ہو اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے، پھر سیدا احمد بن علوان کو اور پھر یہ دُعا پڑھے "اے میرے آقا احمد بن علوان! اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال دوں گا[1]

احمد بن علوان کو کہنا کہ میری چیز مجھے دے دے یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ وہ چیز اُٹھائی بھی انہی نے ہو ——— کیا یہی علماء کا احترام ہے؟

۲. حضرت سید احمد بدوی سے نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

جسے کوئی حاجت ہو وہ میری قبر پہ حاضر ہو کر اپنی حاجت مانگے میں اس کی اس حاجت کو پورا کروں گا[2]

وہ یُوں کہے:۔

یا سیدی احمد بدوی میرا ساتھ دیجئے[3]

علامہ شامی نے درمختار کی اس عبارت پہ کہ اولیاء کرام کی قبروں جو اس قسم کی نذریں مانی جاتی ہیں وہ سب بالاجماع باطل اور حرام ہیں جب تک انہیں فقراء پہ خرچ کرنے کی نیت نہ ہو ——— سید احمد بدوی کا بھی ذکر کیا ہے کہ ان کے لیے جو نذر مانی جائے وہ بھی ناجائز ہوگی[4]

۳. نادِ علیا تو آپ پہلے پڑھ آئے ہیں اب نادِ یا زورق بھی پڑھ لیں۔ یہ دو نادہو گئیں ایک نادِ علی اور دوسری نادِ زورق، دونوں اپنے مریدوں کی مشکلات میں مشکل کشا ہیں۔ بریلویوں نے حضرت احمد زورق سے یہ روایت نقل کر رکھی ہے:۔

---

[1] جاء الحق صـ۱۹۹ [2] انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ، رسائل رضویہ جلد ا صـ۱۸۱ [3] ایضاً صـ۱۸۱
[4] رد المحتار علی الدر المختار جلد ۲ صـ۱۴۴

انا لمریدی جامع لشتاتہ — اذا ما سطا جور الزمان بنکبۃ
وان کنت فی ضیق وکرب وحشۃ — فنادی بیا زورق اتی بسرعۃ[1]

ترجمہ: میں اپنے مرید کی تمام پراگندگیوں کو جمعیت بخشنے والا ہوں جب زمانہ کی مصیبتیں اس پر گردش لے آئیں اور اگر تو تنگی تکلیف اور گھبراہٹ میں ہو تو پکار "اے زورق" میں فوراً چلا آؤں گا۔

ان تینوں احمدوں کو جو بُلالیں وہ پکے احمدی ہو جاتے ہیں۔ ایک ایک احمد بھی کم نہیں، اور یہاں تک یہ تینوں جمع ہو گئے ہیں۔

اب ایک حنفی کا ذکر بھی سُن لیجئے۔ یہ رضی اللہ عنہ کہاں سے آگئے اس کی ہمیں تحقیق نہیں ہو سکی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے ہاں یہ کائنات میں بہت متصرف اور اپنے مریدوں کے ہاں عین موقعہ پر پہنچنے والے ہیں —— مولانا احمد رضا خاں اپنے عقیدہ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

> سید محمد شمس الدین محمد حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حجرۂ خلوت میں وضو فرما رہے تھے۔ ناگاہ ایک کھڑاؤں ہوا پر پھینکی وہ غائب ہو گئی۔ حالانکہ حجرے میں کوئی راہ اس کے ہوا پر جانے کی نہ تھی۔ دوسری کھڑاؤں اپنے خادم کو عطا فرمائی کہ اسے اپنے پاس رہنے دو۔ جب تک وہ پہلی واپس نہ آئے۔ ایک مدت کے بعد ملک شام سے ایک شخص وہ کھڑاؤں مع ہدایا لے کر حاضر ہوا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو جزائے خیر دے۔ جب چور میرے سینہ پر مجھے ذبح کرنے بیٹھا میں نے اپنے دل میں کہا یا سیدی محمد حنفی۔ اسی وقت یہ کھڑاؤں زمین سے آکر اس کے سینہ پر لگی کہ غش کھا کر اُلٹا ہو گیا۔[2]

یہ جس رضی اللہ عنہ نے کھڑاؤں پھینکی، معلوم ہوتا ہے انہوں نے اس کا تعارف پہلے سے مرید کو کرایا ہو گا۔ تبھی تو اس نے وہ فوراً پہچان لی اور اسے لے کر حضرت کے پاس آگیا۔ یہ بھی معلوم

---

[1] حیات الموت۔ فتاوےٰ رضویہ جلد ۴ صـ۳۰۰ - وجاء الحق صـ۱۹۹

[2] انوار الانتباہ مجموعہ رسائل رضویہ جلد ا صـ۱۸۱

ہوتا ہے کہ کمزاؤں زیادہ زور سے پیٹنے پر نہ لگی ہوگی ورنہ چور صرف بیہوش نہ ہوتا مر جاتا۔

ناظرین کرام! بریلویوں کے ان عقائد پر مجموعی طور پر نظر کیجیے اور پھر وہ مناظر بھی سامنے رکھیے جو عرسوں زیارتوں اور ختموں کے موقعہ پر یہ بریلوی امت ان مزاروں اور خانقاہوں پر سجا لاتی ہے۔ امت کی اس زبوں حالی پر کون سا دل ہے جو فگار نہ ہو اور کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہو۔

افسوس کہ یہ لوگ فقہاء کرام کی ان تصریحات سے بھی بے خبر ہیں جن میں انہوں نے اس طرح ولیوں اور بزرگوں کے پکارنے کو باطل اور حرام کہا ہے اور اس کے باطل اور حرام ہونے کی کئی کئی وجوہ لکھی ہیں۔ علامہ شامیؒ ان بزرگوں کے تقرب سے اس قسم کی فریادوں پر لکھتے ہیں:۔

کان یقول یا سیدی فلان ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذھب او الفضة او من الطعام او الشمع او الزیت باطل وحرام[1]

جیسے یوں کہے اے میرے فلاں آقا: اگر میرا گمشدہ مال مجھے مل جائے یا میرے مریض کو صحت ہو جائے یا میری فلاں ضرورت پوری ہو جائے تو اتنا سونا یا چاندی یا کھانا۔ چراغاں یا جلنے کا تیل نذرانہ پیش کروں گا ۔ ۔ ۔ ۔ تو یہ نذر باطل اور حرام ہے۔ ردالمحتار شامی جلد ۲ صفحہ ۴۳۹

یہ سارا حادثہ اس پیغمبر کی امت پر گزر رہا ہے جس کا عالمی نشان توحید خالص تھا اور جس کی ہر وقت کی پکار اور ہر نماز کی دعا ایاک نعبد وایاک نستعین تھی۔ افسوس عوام پر نہیں ان علماء پر ہے جو مسلمانوں کو ان خرافات سے بچانے کی بجائے الٹا انہیں اس شرک علمی استناد مہیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں عطا کی اوٹ میں تم جو کچھ بھی کر گزرو شرک قریب نہ بھٹکے گا اور وہ نہیں جانتے، کہ مشرکین عرب بھی تو عطاء خداوندی کی اوٹ میں ہی سارا شرک کا کاروبار کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ شرک شرک ہے خواہ علیٰ وجہ الاستقلال ہو۔ خواہ علیٰ وجہ الاشتراک ــــ اور اس پر علامہ محمود آلوسیؒ جیسے محققین نے بار بار تنبیہ فرمائی ہے۔

تیرہویں صدی تک علماء حق کی یہی آواز سنائی دے گی کہ شرک عطاء خداوندی کے سائے میں بھی شرک ہی رہتا ہے اسلام نہیں بن جاتا اور جو لوگ بزرگوں کی قبروں پر یہ اعمال سجالاتے ہیں وہ مسلمان نہیں رہتے مشرک ہو جاتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

یہ تیرہویں صدی سے آپ گزر رہے تھے۔ اب چودہویں صدی کا حال ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کیا گزری ہے اور کس طرح جاہلی مسلمانوں کو شرک نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ مگر بریلوی علماء ان کی اس حالتِ زار پر رحم نہیں کھاتے۔ ان کی کہیں کوشش نہیں ہوتی کہ ان درگاہوں اور خانقاہوں کے پجاریوں کو شرک سے نکالیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو انبیاء کی خانقاہوں پر ہونے والے شرک کے ذمہ دار یہود و نصاریٰ پر لعنت کریں اور یہ علماء اولیاء اللہ کی درگاہوں پر ہونے والے شرک پر بھی زبان تک نہ کھولیں اور شرک کے جتنے بھی موجبات ہو سکتے ہیں سب ہندوؤں اور عیسائیوں کے کھاتے میں ڈالتے ہیں اور جاہلی مسلمانوں کو یہ تاثر دیں کہ تم جو بھی کرو درست ہے۔ شرک کبھی تمہارے قریب پھٹک نہیں سکتا کیونکہ تم مسلمان ہو۔ (استغفر اللہ)

بریلوی دوائرِ عمل میں ہندو نظریات نئے سرے سے جنم لے رہے ہیں اور یہ ان کے علماء اور پیر ہیں جو ٹس سے مس نہیں ہوتے اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کے سوا ان کا کوئی کام ہی نہیں۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

یہ چودہ صدیوں کا حال آپ نے دیکھ لیا۔ شرک اور قبر پرستی کس طرح ساتھ ساتھ چلے ہیں۔ بزرگ پرستی اور قبر پرستی کس طرح اپنے متن میں ایک ہیں۔ یہ کہنا کہ شرک حجر پرستی میں ہے قبر پرستی میں نہیں کتنا بڑا دھوکہ ہے۔ جو یہ بریلوی علماء اپنے عوام کو دے رہے ہیں۔ بریلوی علماء کی یہ فکری جنگ علماء دیوبند کے خلاف نہیں خود اللہ اور رسول کے خلاف ہے۔ اس پس منظر میں اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ ہندو تمدن کی بریلویت سے پھر زندہ ہو رہی ہیں۔ آیئے اب اسے اس زاویہ سے دیکھیں اور غور کریں کہ مولانا احمد رضا خاں اور ان کے پیرو کس حد تک اس میں ملوث ہیں۔

شرک کے یہ وہ مباحث ہیں جو مولانا احمد رضا خاں سے پہلے کتابوں میں جگہ پا چکے تھے۔ بریلوی علماء نے انہیں پوری طرح سبوتاژ کرنے کی کوشش کی ہے اور قوم کو پھر سے شرک کے گھاٹ لا بٹھایا ہے۔ بریلوی علماء ان میں اتنے آگے نکلے ہیں کہ وہ مولانا احمد رضا خاں کو بھی پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب عورتوں کے مزاروں پر آنے کے حق میں نہ تھے۔ مگر آج اولیاء کرام کے مزارات پر عرسوں میں رونق ہی عورتوں سے بنتی ہے۔ علماء حضرات آتے ہیں اور ان بزرگوں کی چند کرامات سنا کر مجمع کو گرما دیتے ہیں، مجاور پھر انہیں

گرما دیتے ہیں اور یہ جبہ و عمامہ سنبھالے مزار شریف پر الوداعی فاتحہ پڑھتے ہیں اور رخصت ہو جاتے ہیں ـــــ مجال ہے منکرات پر کسی طرح کی نکیر کریں یا کم از کم عورتوں کی حاضری کو ہی خلاف شرع کہیں مولانا احمد رضا خاں تو اتنے مجاوروں سے ڈرے ہوئے نہ تھے۔ آپ ان مجاوروں پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وہ ابلیسی مسخرے کہ علماء دین پر ہنستے اور ان کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں۔ انہی میں وہ جھوٹے مدعیان فقر ہیں جو کہتے ہیں کہ عالموں اور فقیروں کی سدا سے ہوتی آئی ہے یہانتک کہ بعض خبیثوں صاحب سجادہ بلکہ قطب وقت بننے والوں کو یہ لفظ کہتے سُنا کہ عالم کون ہے؟ سب پنڈت ہیں۔[1]

عورتوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

عورتوں کو مزارات اولیاء و مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔[2]

جس وقت گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں سوائے روضۂ انور کے اور کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔[3]

جب قبر پر آتی ہے میت کی روح اسے لعنت کرتی ہے اور جب پلٹتی ہے اللہ کی لعنت کے ساتھ پھرتی ہے۔[4]

قارئین سے التماس ہے کہ اب ایک بریلوی مفتی یا عالم ایسا تلاش کریں جو ان مزاروں، درگاہوں اور عرس پر جاکر بے حیائی کے اڈوں کا سدِ باب کرے اور عورتوں کا وہاں جانا خلاف قانون قرار دے۔ تو کیا آپ کسی ایسے عالم کو پا سکیں، سو آج بریلویت وہ نہیں جو مولانا احمد رضا خان کے وقت میں تھی بلکہ بریلوی عوام اور ان کے موجودہ علماء دینی بے راہروی میں اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ اب وہ احمد رضا خاں کی بھی پرواہ نہیں کرتے ـــ بریلویت وہ دینی آزادی ہے جو مولانا احمد رضا خاں کے میدان میں آنے سے پہلے بھی کسی نہ کسی نام یا کام سے قائم تھی اور آج بھی آپ کو یہ دینی انارکی ـــ بدعت پسندی کے جلوہ میں ہر مزار اور ہر بازار میں ملیگی اور یہ ضروری نہیں کہ بریلویت اپنی حدود تک رہے۔ جس حد تک مولانا احمد رضا خاں نے اس نئے مذہب کا نقش بٹھایا تھا۔

---

[1] فتاویٰ افریقہ ص۱۱۴ [2] احکام شریعت جلد ۲ ص۱۵۵ [3] ملفوظات حصہ دوم ص۔ [4] فتاویٰ افریقہ ص۸۸

چودھویں صدی میں شرک کا علمی انضباط

تیرھویں صدی تک شرک کی آوازیں صرف جہلا اور تکیہ نشین ملنگوں کے حلقوں میں ہی سنائی جاتی تھیں یا مزارات پہ کوئی پریشان حال ضرورت مند اپنے حواس کھوتے یا خواجہ اجمیری کی صدا لگاتا سنائی دیتا تھا یا کہیں آسیب زدہ مجاور نعرہ حیدری لگاتے چھٹے ہلاتے آنکھیں ملاتے شرک کی دلدل میں دھنسے نظر آتے تھے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تیرہ صدیوں تک شرک کی ان لہروں کو کسی طبقہ علماء نے کبھی کوئی علمی استناد نہ بخشا تھا۔ چودہویں صدی میں بریلویت نے ایک منظم شکل اختیار کی اور جہالت کی ان آتاہ گہرائیوں میں انہیں علماء کا ایک ایسا طبقہ میسر آگیا جو ان کے ہر عمل شرک کو ایک تاویل مہیا کرتا ہے اور ان کی ہر بدعت کو اپنے علمی سائے میں جگہ دیتا ہے۔

پانچویں صدی سے لے کر تیرہویں صدی تک شرک و بدعت کے اندھیرے تو تھے۔ لیکن انہیں علمی سند دینے والا کوئی طبقہ علماء نہ تھا۔ اس وقت بریلویت صرف اپنے وسیع مفہوم میں تھی۔ چودہویں صدی میں اب انہیں ایسے علماء مل گئے جو عرسوں اور ختموں کی محفلوں میں ان جہلا کی پشت پناہی کرنے لگے اور روکنے ٹوکنے والوں پر فتوے لگانے لگے۔ اب بریلویت اپنے اصل مفہوم میں سامنے آگئی اور اس کے لیے کم علم مولویوں کا ایک اچھا خاصا گروہ قائم ہوگیا۔ یہ مولانا احمد رضا خاں کی پچاس سالہ محنت تھی جس سے سواد اعظم اہلسنت ہمیشہ کے لیے دو مستقل ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئے۔

چودہویں صدی نے شرک کو باقاعدہ ایک علمی انضباط دیا ہے۔ بریلویوں نے اپنے عقائد خمسہ باقاعدہ ترتیب دے لیے ہیں۔ انہیں وہ تفسیروں اور حدیثوں سے مزین کرتے ہیں اور شرک کی تلخ گولی پر تاویل کی شوگر اس صفائی سے لگاتے ہیں کہ یہ گولی نہ صرف جہلا کے حلق میں اتر جاتی ہے۔ بلکہ انہیں ہضم بھی ہو جاتی ہے۔

(۱) ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شان و صفت میں نور کہنا کوئی غیر معقول بات نہ تھی یہ بات ہر کسی کی سمجھ میں آجاتی تھی لیکن بریلویوں نے آپ کو صفت میں نہیں حقیقت و ذات میں

بدی نوع قرار دیا اور نورٌ من نور اللہ کا عقیدہ بڑی صفائی سے مسلم صفوں میں لے آئے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حدوث و امکان کے دائرہ سے نکال کر ذاتِ واجب کے ساتھ بٹھا دیا اور پھر یہ علماء قوم کے جہلاً کو بڑے آرام اور پیار سے شرک کی دہلیز پہ لے آئے۔

(۲) ــــ دوسرا عقیدہ انہوں نے علم غیب کا گھڑا۔ علم غیب ذاتی طور پر غیب کی باتوں کو جاننا ہے۔ شرک کی اس گولی کو انہوں نے عطائی کے لیبل سے مسلمانوں کے حلق میں اُتارا اور عطائی سے بھی یہ غیب دانی کی کنجیوں کی عطا مانتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک ایک جزئی میں وہ اللہ کے بتانے کے محتاج ہوں۔ ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اب ان کے عقیدے میں انبیاء و اولیاء ذاتی طور پر غیب دانی سے متصف ہیں۔ گو یہ اتصاف انہیں خدا نے دیا ہے ــــ کیا یہ ذاتی طور پر ہی غیبی باتوں کو جاننے کا عقیدہ نہیں۔

(۳) ــــ تیسرا ان کا عقیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا ہے کائنات کا ایک ایک ذرہ ہر وقت آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کے سامنے کھلی نہ ہو۔ اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہو گا کہ آپ کا جو جسم پاک ماں کے بطن سے پیدا ہوا یا وہ جسم پاک جس سے آپ مکہ کی گلیوں میں چلتے پھرتے رہے اور پھر اسی وجودِ مسعود سے اور جسم پاک سے آپ نے بمعیت حضرت ابوبکر صدیق رضی مدینہ کی طرف ہجرت کی یا جس جسد اطہر کو آپ کی وفات کے بعد صحابہ رضی نے قبر مبارک میں اُتارا، وہ جسم مبارک اور جسد پاک آپ کا اصلی وجود نہ تھا اصلی وہ تھا جس سے آپ ساری دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

(۴) ــــ چوتھا عقیدہ ان کا یہ ہے کہ آپ کائنات کے ذرے ذرے پہ ہر انسان کے نفع و نقصان پہ اور دنیا کے ہر خیر و شر پہ پوری طرح قادر اور مختار ہیں اور جس کو چاہیں دیں، جس کو نہ چاہیں نہ دیں۔ مختار کل ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات میں ہر چیز پہ قادر اور مختار بنا دیا ہے۔ اب زمین و آسمان اور انفس و آفاق پر آپ ہی کا اختیار چلتا ہے۔ ہر جاندار کی موت و حیات اور بیماری اور شفا سب بس آپ ہی کے قبضے میں ہی ہے ؎

ان کا حکم جہاں پہ نافذ ‌ ‌ ‌ قبضۂ کل پہ رکھاتے یہ ہیں

(۵) ــــ پانچواں عقیدہ ان عقائد خمسہ میں یہ ہے کہ ہر کسی کی فریاد رسی بس آپ کے

ہی قبضے میں ہے۔ آپ ہی پریشان حالوں کے حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ خدا سے جسے کچھ نہ ملے اسے آپ جھولیاں بھر بھر کر دیتے ہیں۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

اور پھر یہاں تک وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔

خدا کے پکڑے چھڑائے محمدؐ
محمدؐ کے پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکتا

یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سورج کا طلوع و غروب حضرت پیران پیر کے حکم سے ہوتا ہے اور دنیا میں قحط و مرض کی آفات دور کرنے والے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ان کے یہ عقائد خمسہ ان کے حلقوں میں اسلام کے پانچ ارکان سمجھے جاتے ہیں اور اسلام کے جو اصل پانچ ارکان تھے انہیں یہ رائے ونڈ والوں کے کھاتے میں ڈالے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں اور ان کے پیروؤں نے ان عقائد خمسہ کو جو تیرہویں صدی تک تو محض جہالت کے اندھیرے تھے۔ چودہویں صدی میں علمی استناد بخشا۔ مولانا احمد رضا خاں کی کتاب الامن والعلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دافع البلاء ہونے پر مولانا مصطفےٰ رضا خاں کی الاستمداد۔ مولوی محمد یار گڑھی والے کا دیوان محمدی مع مقدمہ مولانا احمد سعید کاظمی، مولوی محمد عمر اچھروی کی مقیاس النور اور مولانا احمد سعید کاظمی کی تسکین الخواطر، مولانا نعیم الدین مرادآبادی کی انباء المصطفیٰ اور مفتی احمد یار گجراتی کی تحریرات یہ سب انہی عقائد خمسہ کی صدائے بازگشت ہیں۔

شرک کو یہ علمی انضباط بس چودہویں صدی میں ہی ملا ہے۔ پھر ان مولویوں نے اپنی مسجدوں میں محراب پر جہاں امام کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے یااللہ اور یامحمد ایک دوسرے کے مقابل لکھوائے تاکہ نمازی نماز میں بھی یامحمد کے تصور میں لگا رہے۔

ساتھ ساتھ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید پر بھی یہ برستے رہے کہ انہوں نے کیوں کہا ہے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے صرف ہمت کر کے (توجہ موڑ کر) اسے اپنے بڑوں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگانا نماز میں اللہ کی تعظیم میں ایک دوسری تعظیم شامل کرنا ہے اور یہ نماز کے لیے ایک

بڑی آفت ہے ـــــ یہ مسئلہ انہوں نے کیوں اُٹھایا؟ محض اس لیے کہ نماز جیسی عبادت میں بھی یہ حضرات انبیاء و اولیاء کی طرف توجہ باندھنے کی راہ ہموار کر سکیں۔ تاکہ اسلام کا چشمۂ توحید پوری طرح گدلا ہو جائے۔

کہیں یہ لوگ محراب مسجد میں آگے | یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ | کا کتبہ لٹکا دیں گے۔ تاکہ امام نماز میں بھی اس پر نظر رکھے۔ اگر کوئی کہہ دے کہ نماز خالصتہً اللہ کی عبادت ہے اس پر کسی اور کی طرف نیت نہ باندھی جائے۔ صرف ہمت کسی اور طرف نہ کرے تو اسے نبیوں اور ولیوں کا گستاخ کہہ دیا جاتا ہے۔

الغرض یہ وہ طریقے ہیں جن سے بریلویت نے چودہویں صدی میں پہلی نو صدیوں (پانچویں صدی سے تیرہویں صدی تک) کے شرک کو علمی انضباط میں لے لیا ہے۔ اب کسی کی کیا مجال کہ اس اندھیرے میں توحید کا نور پھیلائے۔

اب شرک و بدعت کے یہ اعمال محض ایک ملنگوں کی کارروائی نہیں بلکہ اب شرک و بدعت کی اس ظلمت نے باقاعدہ ایک مسلک کا روپ دھارا ہے اور برصغیر پاک و ہند میں سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں اب بریلویت کو ایک باقاعدہ مسلک سمجھا جانے لگا ہے۔

چودہویں صدی کی یہ کارکردگی مولانا احمد رضا خاں کی محنت کا نتیجہ ہے اور ان کے پیرو انہیں اپنے مسلک کا بانی سمجھتے ہیں۔ یہ خود حضرت کہلاتے ہیں اور انہیں اپنے اعلیحضرت کہتے ہیں۔

پندرہویں صدی میں دین اسلام سے کھلا مذاق

اب بریلویت اپنے نئے دین پر اتنی بے باک ہو چکی ہے کہ اب انہوں نے کھلے بندوں اپنے عرس وغیرہ تقریبات میں ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے ساتھ شریک کرنا شروع کر دیا ہے اور اس پہلو سے آپ بریلویت کو ہندو مذہب کا ہی ایک طور جدید پائیں گے۔ شام چوراسی ضلع ہوشیارپور کے قطب الاقطاب جناب عبد الغنی کے مزار پر جائیں تو آپ کو وہاں سکھ عورتیں ختم پڑھتی ملیں گی۔ ہندو مسلمان مل کر مزار پر چادریں چڑھاتے ملیں گے۔ ہندو عرسوں کے متولی بنے بیٹھے ہوں، کیا یہ اسلام سے کھلا مذاق نہیں؟

فوق الاسباب اللہ کے سوا کسی اور کی دہائی دینا اور مصیبت کے وقت اسے بایں اعتقاد پکارنا کہ وہ میری حاجت روائی اور مشکل کشائی پر پوری قدرت رکھتا ہے اور میرے نفع و نقصان کا پوری طرح مالک ہے۔ یہ شرک نہیں تو کون سا ایمان ہے؟ شرک کے لیے خدا سے فارغ ہونا ضروری نہیں۔ اسے مانتے ہوتے اوروں کو اس سے ملانا اور اس کے ساتھ انہیں اپنے حق میں برابر کرنا یہی تو شرک ہے۔ اگر خدا سے فارغ ہو گئے یا خدا کو اپنے نفع و نقصان سے فارغ مان لیا تو یہ شرک کہاں رہا شرک تو دوسروں کو خدا سے ملانے کا نام ہے اس سے فارغ ہو گئے تو شرک نہیں رہے گا۔ اس کی علاوہ ان دوسروں کو اپنے لیے مافوق الاسباب۔ حاجت روا اور مشکل کشا جاننا یہ شرک کی کھلی اور واضح صورت ہے۔ اس میں بھی خدا سے برابری نہیں۔ یہ سب چھوٹے خدا ایک بڑے خدا کی ماتحتی میں مسند نشینان شرک ہیں اور ساری کائنات کو چلا رہے ہیں۔

مزار اور درگاہوں پہ عرسوں اور میلوں پہ، نشہ نوش فقیروں کے تکیوں اور ملنگوں کے ڈیروں پہ کتنے مسلمان ان عقیدوں سے حاضر ہوتے ہیں اور وہاں جہالت کے اندھیرے میں جہالت جیسی متاع عزیز بریلویت کی بھینٹ چڑھا کر واپس آجاتے ہیں۔

آہ! اسلام جس کا عالمی امتیاز عقیدہ توحید اور ان ماتحت خداؤں کا انکار تھا اور دنیا میں دین محمدی اسی اقرار و انکار سے جانا اور پہچانا جاتا تھا۔ اس دائرے میں اب علم و عقل کے ایسے دشمن آگھسے ہیں کہ اُلٹا مسلمانوں کو کوس رہے ہیں کہ تم اولیاء اللہ کے منکر ہو۔

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پاکستان کی ایک غیر جانبدار علمی دستاویز ہے۔ اس میں بریلویوں کے امتیازی عقائد دیکھئے یہ بریلویوں کا چودھویں صدی کا تعارف ہے۔

ہندومت کی نشاۃِ جدید

بریلویت کے سائے میں

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

ہندو مذہب کی نشأۃِ جدید

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ آ اللہ خیر اما یشرکون۔ امّا بعد:

اسلام دینِ فطرت ہے اور دوسرے ادیان انسانی فکر و تجربے پر مرتب ہوتے ہیں۔ فطرت اپنے لیے راہ خود نکال لیتی ہے اور اس کی آواز کو کہیں ہمیشہ کے لیے دبایا نہیں جا سکتا۔ اسلام کا تابناک چہرہ جہاں اور جب بھی بے نقاب ہوا، جملہ اندھیرے یکسر چھٹ گئے اور جب مسلمانوں نے خود مفادات کی قبائیں اوڑھ لیں تو دبے ہوئے ملبے سے باطل کی چنگاریاں اُٹھنے لگیں مسلمانوں میں دوسری تہذیبوں اور نظریات کے اثرات اسی راہ سے آئے ہیں ورنہ حق اور باطل میں کیسے سمجھوتہ ہو سکتا ہے ـــــ کبھی نہیں

ایک عالمگیر دین

اسلام عالمگیر دین ہے۔ اس کی دعوت کسی ایک خطۂ زمین، کسی ایک رنگ یا کسی ایک نسل کے لیے نہیں۔ یہ ایک عالمگیر دعوت ہے جو مشرق و مغرب، شمال و جنوب، اسود و احمر اور ہر چھوٹے بڑے فردِ انسانی کو شامل ہے۔ ارشادِ باری ہے:

تبارک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔

(پ۱۸، الفرقان: ع ۱۵)

ترجمہ: اور برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن اُتارا، تاکہ آپ تمام جہانوں کو ڈرانے والے ہو جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ممالک کے بادشاہوں کو اسلام لانے کی دعوت دی نہ لانے کی صورت میں اُنہیں تمام رعیت کے گناہوں کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اسلام کی جو دعوت پہلے مرحلہ

میں ام القریٰ و من حولہا[1] تک کے لیے تھی. اب اکنافِ عالم اور اقطارِ ارض تک پہنچنے لگی.

اسلام کی یہ جامعیت تھی ہے کہ اس میں کسی ایک علاقے کی تہذیب، حالات اور نظریات کبھی سمو نہ پائیں. ورنہ اس کی نسبت پُورے اکنافِ عالم سے ایک سی نہ ہو گی. علاقائی نظریات اور آفاقی نظروں میں یہ جوہری فرق ہے جو تاریخ کے ہر موڑ پر اپنی اصلیت نکھارتا ہے.

قوموں کی اپنی تہذیب و ثقافت

ہر قوم طبقے، برادری اور علاقے کی اپنی تہذیب ہوتی ہے. عرب سے دریائے نُور متلاطم ہوا. حق کی صدا اُٹھی اور دیکھتے دیکھتے پُوری دُنیا اس کی لپیٹ میں آگئی. کیونکہ یہ ایک عالمگیر دین تھا. ایک عالمی آواز تھی. پھر دُنیا نے دیکھا کہ فطرت کی آواز تمام متوازی افکار پر چھا گئی اور حق سب اَدیان پر غالب آگیا. یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا موضوع تھا کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو دُنیا کے تمام نظریات و مذاہب پر غالب کر دے.

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله وکفیٰ بالله شهیدا. (پ۲۶ : الفتح ع ۱۲)

ترجمہ. اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسُول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین کو باقی تمام دینوں پر غالب کر دے. اور کافی ہے خدا گواہ.

اسلام جن ممالک میں پہنچا تو وہ کچھ اپنی تہذیب و ثقافت بھی رکھتے تھے. جسے کلیۃً بھُول جانا بظاہر آسان نہ تھا. جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ان میں جو کمزور ذہن تھے انہیں اپنی پہلی روایات سے کچھ نہ کچھ لگاؤ باقی رہا اور وہ اسلام اپنی تہذیبی روایات میں تطبیق کی راہیں تلاش کرنے لگے اور بات یہاں تک پہنچی کہ ان ممالک کے کمزور ذہن مسلمان اپنے ہاں کی جاہلی رُسوم کو کچھ ترمیم کے ساتھ اسلام میں لانے لگے اور ان کے حلقے میں دین اک نئی شکل اختیار

---

[1] پ۷ الانعام ع ۱۶ مکہ اور اس کے اردگرد کے لیے

کرنے لگا۔ جس ملک میں یہ دعوت پہنچی وہاں کے اپنے قدیم خیالات کچھ نہ کچھ اس میں دخل ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ رہا کہ ہر ملک کی بدعات ایک دوسرے سے مختلف رہیں اور ہر ملک کی مذہبی رسوم نے جُدا جُدا ترتیب پائی۔ یہ صرف سنّت ہے جو بین الاقوامی تعارف رکھتی ہے۔ بدعت ہمیشہ علاقائی ہوتی ہے۔ اتنی بات سمجھ لینا اس کے ابطال کے لیے کافی ہے۔

ایران کا ساسانی دورِ حکومت

ایرانی لوگ ساسانی بادشاہوں کے ربانی حقوق کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اُن کے ہاں عربوں کی طرح عوامی اقتدار کا بالکل تصور نہ تھا۔ جب اسلام یہاں آیا تو ان لوگوں نے وہی بادشاہوں کے ربانی حقوق کا عقیدہ یہاں تلاش کیا اور اسے جناب پیغمبر اسلام کی اولاد کے حق میں تبدیل کر لیا ــــــ اور پہلی دفعہ مسلمانوں میں آسمانی امامت نے راہ پائی یہ لوگ گو اسلام کے نام سے چل رہے تھے لیکن حقیقت میں وہ اپنی قدیم روایات کا احیاء بھی کر رہے تھے۔ ان کا اسـ [illegible] اس نہ رہا تھا اور ایران میں جاہلی تصورات نے نئی راہ بنالی تھی۔ شیعیت اس نئی راہ کا نام ہے[1] جو اب تک اسلام کے نام سے چل رہی ہے۔ یہ عقیدے اور نظام حکومت کی بات تھی جو اس طرح اُن میں گھس آئی۔ جہاں تک تہذیب و تمدن اور مذہبی رسوم کا تعلق ہے۔ آگ کو انہوں نے ہمیشہ بڑے احترام سے دیکھا ہے۔ محرم میں کبھی اُن کی ایسی تقریبات بھی ہوتی ہیں کہ عزادار آگ میں اُتر کر یہ عبادت بجالاتے ہیں۔

---

[1] شیعیت میں صرف ساسانی نظریات ہی نے جگہ نہ پائی، مسیحی اثرات بھی اُن میں پوری قوت سے کارفرما تھے۔ وہ محرم میں خون بہانے کو جس طرح اپنے تمام گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں، عیسائی حضرت عیسٰیؑ کے خون کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ مشہور مستشرق ایڈورڈ براؤن لکھتا ہے:۔

حضرت امام حسینؓ کے واقعات کے بعض حصوں سے تو بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایرانی شیعہ اور عیسائیوں کے عقائد بعض باتوں میں ایک سے ہیں۔ کچھ مشابہت خصوصیت کے ساتھ کفارہ کے عقیدہ میں نظر آتی ہے جس پر شیعہ اور عیسائی دونوں ہم عقیدہ ہیں۔ (براؤن جلد ۴ صـ ۲۸۶)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے علاقے اور پُرانے مذہب کے باریک اثرات ایمان لانے والوں کے دلوں سے بھی بہت دیر سے نکلتے ہیں۔ یہ صرف نظرِ نبوت کی شان تھی جو ایمان لانیوالے ہر فرد کے دل میں کِھیل کر جلا کر اُسے کندن بنا دیتی اور صحابہؓ ایک ہی نظر میں تزکیہ کی دولت پا لیتے

شیعہ صرف خونِ حسینؓ میں ہی نہیں، امام موسیٰ کاظمؒ کے خون بھی جملہ شیعوں کے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ حضرت امام زین العابدینؒ کے بعد حضرت امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کے کُھلم کُھلا احادیثِ اہلبیت روایت کرنی شروع کیں تو بہت سے شیعہ تقیہ چھوڑ بیٹھے۔ اس پر خدا شیعوں سے ناراض ہو گیا۔ امام موسےٰ کاظمؒ کہتے ہیں کہ پھر خدا نے مجھے اختیار دیا کہ ان کے اس گناہ کے عوض میں اپنی جان کی قربانی دوں یا وہ اپنے اس جُرم میں مارے جائیں۔ اصُول کافی ص۲۶۰ میں ہے:-

عن ابی الحسن موسیٰ علیہ السلام قال ان اللہ عز وجل غضب علی الشیعۃ فخیرنی نفسی اوھم فوقیتھم واللہ بنفسی۔

علامہ خلیل قزوینی خدا کی ناراضگی کی وجہ یہ لکھتا ہے:-

اللہ تعالیٰ غضب کرد بر شیعہ کہ ترک تقیہ کردند۔ (الصافی جلد ۲ ص۲۲۵)

اور پھر حضرت موسےٰ کاظمؒ کی قربانی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

پس نگاہ داشتم شیعہ را بسبب داشتم بجان خود بایں معنی کہ اختیار کشتہ شدن خود کردم تا ایشاں کشتہ نشوند۔

امام موسےٰ کاظمؒ کا خون شیعوں کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ شیعوں کا یہ عقیدہ عیسائیوں میں نیا معروف نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شیعہ صرف خونِ حسینؓ کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ براؤن لکھتا ہے:-

ایرانی شیعہ کی نظروں میں حضرت امام حسینؓ کا وہی درجہ ہے جو عیسائیوں کی نظروں میں حضرت عیسیٰ کا ہے۔ حالانکہ کفارہ کا عقیدہ اسلامی تعلیمات کے بالکل منافی ہے۔

(تاریخ ادبیات ایران جلد ۴ ص۲۸۴)

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ شیعیت صرف سبائی عقائد کی ہی صدائے بازگشت نہیں اس میں مسیحی عقائد کی بھی بہت مؤثر آمیزش ہے۔

ہیں۔ آئندہ نسلیں تو اُن کے لیے پچھلے اثرات سے کلیتہً نکل آنا کسی کسی کو فوری طور پر نصیب ہوتا تھا۔

برصغیر پاک و ہند میں کس طرح ہندو اثرات مسلمانوں میں گھُسے اور کس طرح ہندوازم کی اس نشأۃ جدیدنے بریلویت کی شکل اختیار کر لی۔ اسے سمجھنے کے لیے پہلے ایران پر نظر کریں کہ کس طرح اسلام میں آنے کے باوجود وہاں آتش پرستی کی روح قائم رہی۔

آتش پرستی کی روح

برمکیوں نے اسلام لانے کے بعد آتش پرستی کی روح کو کسی نہ کسی شکل میں باقی رکھا۔ اور مسلمانوں میں اس بدعت کو رواج دیا کہ وہ مخصوص اسلامی راتوں میں اپنے گھروں اور مسجدوں میں ضرورت سے زیادہ روشنی کریں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

> علی بن ابراہیم کا بیان ہے کہ چراغاں اور روشنی کرنے کی ابتداء برمکیوں نے کی، جو نسلاً و اعتقاداً آتش پرست تھے اور ظاہری اسلام لانے کے بعد بھی انہوں نے وہ اپنے وہمی اور خیالی امور کو اسلام میں جاری رکھنے کے لیے حتی الامکان کوششیں کیں۔ کیونکہ اعتقادی طور پر ان کو قدیم رواج کے درست ہونے کا یقین تھا۔ نیز اسلام میں قدیم رواج و رسوم کو باقی رکھنے میں ان کی مصلحت یہ تھی کہ اسلام کے پردہ میں چراغ جلا کر اس کو سجدہ کرتے ہوئے وہ آتش پرستی کی روح باقی رکھیں۔ اور طرّہ یہ ہے کہ جاہل ائمہ مساجد نے چراغ و روشنی اور نماز رغائب کی آڑ میں لوگوں کو جمع کرنے کا طریقہ بنالیا ہے تاکہ اپنی قیادت اور سرداری جتا کر دولت گھسیٹ سکیں۔ ساتھ ہی قصہ خواں مجالس میں خوب قصے بیان کریں اور غریبوں سے روپے لیتے رہیں[1]۔

یہ جاہل ائمہ مساجد کون ہیں؟ یہی نا جو آج کل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویت (اپنے وسیع مفہوم میں) اس وقت بھی موجود تھی۔ آج یہ بریلوی علماء، اولیاء اللہ کی خانقاہوں پر کس قدر چراغاں کرتے

---

[1] ماثبت بالسنۃ ص۲۷۱

ہیں. یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں.

حضرت علامہ شاطبی (۷۹۰ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

ان النار لیس ایقادھا فی المساجد من شان السلف الصالح ...... ومثله ایقاد الشمع لمعرفة لیلة الثامن من ذی الحجه ذکر النووی انها من البدع القبیحة والضلالة الفاحشة جمع فیها انواع من القبائح منها اضاعة المال فی غیر وجهه ومنها اظهار شعائر المجوس[1]

ترجمہ. اور سلف میں مسجدوں میں چراغاں کرنے کا رواج نہ تھا ...... اور اسی طرح عرفہ کی رات (ذوالحجہ کی آٹھویں شب) کو شمعیں جلانا ہے. امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ بدترین بدعات میں سے ہے اور ایک کھلی گمراہی ہے جس میں کہ مال ضائع کرنا اور مجوسیوں (آتش پرستوں) کے شعائر (مذہبی طریقوں) کو پھر سے لانا جیسی کئی برائیاں لپٹی ہیں.

سو جس طرح ایران میں یہ پچھلے جاہلی تصورات عود کرنے لگے. اسی طرح دوسرے ملکوں میں بھی ان جاہلی تصورات نے پھر سے جگہ پائی. جبکہ ایک دفعہ اسلام کا ریلہ انہیں پوری طرح بہا کر لے گیا تھا.

مصر میں فراعنہ کی جاہ وحشمت

مصر کے لوگ جب تک مرکز سے وابستہ رہے ان میں اسلام کی روشنی پوری طرح جلوہ گر رہی اور انہوں نے بڑی علمی خدمات کیں. لیکن جونہی ان کی مرکز سے علیحدگی ہوئی تو عہد جاہلی کی جاہ و حشمت پھر سے اُن میں عود کر آئی اب اُن کی تہذیب خالص اسلام نہ رہی. بلکہ اس میں ان کے اپنے جاہلی آداب بہت دُور تک گھس آئے. حتیٰ کہ ان کا معاشرہ اسلام سے بہت دُور ہٹ گیا اور یہ لوگ اپنی نئی تہذیب کو پھر بھی اسلام ہی کہتے رہے. ان کی جاہ و حشمت مرکز کا علمی رعب قبول کرنے سے انہیں روکتی تھی. یہاں تک کہ عربی تہذیب وثقافت کے یہ خود سب سے بڑے علمبردار بنے

[1] الاعتصام جلد ۲ ص۲۷۳

رہے۔ اُن کی اسلام سے عقیدت بلاشبہ پختہ رہی لیکن اپنے فراعنہ پہ قومی فخر اب تک اُن کے شاملِ حال ہے اور یہ اپنے برابر کسی کو سمجھتے نہیں۔

مسلمانوں میں ہندوانہ رُسوم کا اختلاط

ہندوستان کے لوگ ایک قدیم تہذیب کے وارث تھے۔ مذہبی اعتبار سے وہ ایک بڑے خدا کے ماتحت کروڑوں چھوٹے خداؤں کے قائل تھے اور وہ ان میں الٰہی صفات اس بڑے خدا کی عطا سے ثابت مانتے تھے۔ جب اسلام یہاں پہنچا تو اُن کے قدیم اور جدید افکار کی آمیزش سے کچھ نئے طریقے راہ پانے لگے۔ ان نئے افکار و اعمال سے صرف وہی مسلمان محفوظ رہے جن کا مرکزِ عقیدت برصغیر پاک و ہند سے باہر رہا اور وہ حقیقت میں مکہ اور مدینہ کو اسلام کی سمجھتے تھے۔

اللہ اللہ زبان پہ آنا آسان ہے لیکن رام رام جاتے ہی جاتا ہے۔ اس پہ کچھ وقت لگتا ہے اور محنت درکار ہوتی ہے۔ جو لوگ رسم پرست تھے اور ذہناً کمزور تھے وہ اسلام اور ہندوازم میں تطبیق کی راہیں تلاش کرنے لگ گئے اور بات یہاں تک پہنچی کہ ہندوستان کے کمزور ذہن مسلمان ہندوؤں کے رسوم و توہمات میں اس حد تک گھر گئے کہ اسلام میں شرک و بدعت کے دخل سے کئی نئی راہیں کھل گئیں۔ بریلویت اسی کی اک نئی مرتب صورت ہے۔

مُغل بادشاہ اکبر کا دینِ الٰہی

ہمایوں نے ملک دوبارہ حاصل کیا تھا۔ اس کے بیٹے اکبر پہ اس کے گہرے اثرات تھے۔ اس نے اپنی سلطنت کے استحکام کے لیے ہندوؤں کو زیادہ سے زیادہ اعتماد میں لینا چاہا اور وہ اس درجہ ہندوؤں کے قریب ہوگیا کہ قشقہ لگا کر لوگوں کو درشن دینا مغلیہ دربار کی رسم بن گیا اور حالات یہاں تک بڑھتے گئے کہ اکبر نے اسلام اور ہندو مذہب ملا کر ایک نیا مذہب دینِ الٰہی ترتیب دیا جس میں ہندوستان کے تمام لوگ بلا اعلان آجا سکتے تھے۔ اسلام کی جو شوکت سلطنت سے قائم تھی وہ جاتی رہی اور اُوپر کی سطح پہ اسلام مکمل طور پر ہندو آنہ لپیٹ میں آگیا۔ علماء سوء اکبر کے ساتھ تعاون کرنے

لگے اور حق ملتبس ہو کر رہ گیا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) حق پرست بزرگ تھے۔ انہوں نے بریلوی علماء کی طرح یہ نہ کہا کہ شرک وہی ہے جو مندروں اور گرجاؤں میں ہو۔ انہوں نے صاف لفظوں میں اس وقت کے بریلویوں کو (جاہل مسلمانوں کو) شرک کا مرتکب قرار دیا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

بیماریوں اور تکلیفوں کے دفع کرنے میں بتوں اور شیطان سے مدد مانگنا، جو جاہل مسلمانوں میں راہ پاچکا ہے عین شرک اور گمراہی ہے اور تراشے ہوئے پتھروں (بتوں) سے اور نہ تراشے ہوئے پتھروں (قبروں) سے حاجتیں مانگنا نفس کفر ہے اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض گمراہ لوگوں کے حال کی شکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔ وہ چاہتے ہیں اپنی بات طاغوت کے سپرد کریں۔ حالانکہ انہیں کہا گیا تھا کہ وہ اس کا انکار کریں اور شیطان انہیں کھلی گمراہی میں ڈالنا چاہتا ہے۔

عورتیں انتہائی جہالت کے باعث اس طرح کی (پتھروں سے) مدد مانگنے میں جس سے پر اسلام نے منع کیا ہے بیشتر مبتلا ہیں اور مصیبتوں کو ان ناموں سے جن کا مصداق کوئی نہیں ہوتا دور کرنے کی طلب کرتی ہیں اور ان مشرکوں (ہندوؤں) کی رسموں میں گھری ہیں خصوصاً چیچک پھیلنے کے وقت کہ جسے ہندی سیتلہ کہتے ہیں۔ یہ بات اچھی بری سب عورتوں میں دیکھی جاتی ہے۔ کم عورتیں ہوں گی جو شرک کی ان باریک پہلوؤں سے بچی ہوں اور ان کی رسوم میں سے کسی رسم میں نہ چلیں مگر وہی جسے اللہ تعالیٰ بچالے۔

اور ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور کافروں کی مشہور رسموں کے دن منانا بھی مستلزم شرک اور موجب کفر ہے جیسا کہ دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں ہندوؤں کے طریقوں کو بجالاتے ہیں اور انہیں عید کی طرح مناتے ہیں اور ہندوؤں کی طرح اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو ان موقعوں پر تحفے بھیجتے ہیں۔[1]

---

[1] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۱ ص۹۹۔ منہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے تو کلیۃً مسلمانوں کو ہندوؤں کے دن منانے سے روکا. لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اپنے دور میں انہیں اگلے دن منانے کی رعایت پیدا کی اور فرمایا. کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں بس اتنا فرق کافی ہے کہ دیوالی کے دنوں میں پہلے دن صرف ہندو آپس میں تحفے دیں اور لیں. اور مسلمان اتنا فرق رکھیں کہ وہ انہیں دوسرے لیں اور کھائیں. کھانے پینے کے شائق ان موقعوں پر ہندوؤں سے خوب رابطہ رکھتے تھے. مولانا احمد رضا خاں نے دیوالی کی مٹھائی کے بارے میں فرمایا:

اس روز نہ لے. ہاں اگلے روز دے تو لے لے[1]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف اس وقت کے بریلوی مولوی اٹھے اور ان کے خلاف ایک پوری تحریک چلائی. یہاں تک کہ آپ پر کفر کے فتوے دیئے گئے اور وہی حالات پیدا کیئے گئے جو آج بریلوی دیوبندیوں کے خلاف کرتے ہیں. عبداللہ خویشگی ان دنوں ان مخالفین کی قیادت کر رہے تھے. گویا آپ اپنے وقت کے احمد رضا خاں تھے.

پنڈت اور جوگی اسلام کے لباس میں

ہندو مذہب میں اسلام کے فطری افکار سے مقابلے کی طاقت نہ تھی. ان کے مذہبی پیشواؤں نے جب دیکھا کہ ہندوستان کے عوام بھاری تعداد میں اس نئے مذہب کو قبول کر رہے ہیں تو انہوں نے اس بہتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے کی وہ چال چلی جو ایسے موقعوں پر بزدل دشمن چلا کرتے ہیں. اب یہ لوگ منافقت سے مخالف صفوں میں گھس آئے اور مسلمانوں میں فکری شکوک اور عملی اختلاف پیدا کرنے کی راہیں تلاش کرنے لگے.

آپ انہیں علماء سُور نہ کہیں لیکن یہ مانیں کہ بہت سے ہندو جوگی اور پنڈت اسلام کے لباس میں مسلمانوں کی صفوں میں آئے اور سُنتوں کی بجائے بدعتوں کی محبت راہ پانے لگی ہندوستان کے جاہلی خیالات مختلف شکلوں میں پھر سے ابھرنے لگے اور کمزور مسلمان ان کے اوہام کا بُری طرح شکار ہوتے گئے اور مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جن کا اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ

---

[1] ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ اول صلا

کے سامنے سے بہت مختلف تھا

آنحضرت کی پیشگوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی اب منظر عام پر تھی۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر اذراعا بذراع[1]

ترجمہ۔ ضرور ہو گا کہ تم پہلوں (گمراہ قوموں) کی راہ پر چلو گے ہاتھ بہ ہاتھ بازو بہ بازو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ جاہلیت پھر سے عود کرے اور تم ان قوموں کی راہوں پہ چلو گے جنہوں نے اپنے دین میں زیادتیاں کیں، سو ضرور تھا کہ وہ تمام باتیں ظہور میں آئیں جن کی آپ خبر دے چکے تھے۔ آپ نے جو فرمایا، ہو کے رہا اور جو اب تک نہیں ہوا وہ ہو کے رہے گا۔ نبیوں کی باتیں بدلتی نہیں ہیں۔

ہندو مذہب کی آمیزش کمزور ذہن مسلمانوں کو یہاں تک لے آئی کہ ان کے لیے جوگی اور صوفی میں ۔۔۔ پنڈت اور مولوی میں ۔۔۔ براہمن اور امام میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔ کتنے عالم ایسے اٹھے ہوں گے جو درحقیقت ہندو تھے۔ اور کتنے صوفی ایسے ابھرے ہوں گے جو اندر سے جوگی ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی ایسی سازشیں ہو چکی تھیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

وقالت طائفة من اهل الكتاب امنوا بالذى انزل على الذين امنوا وجه النهار واكفروا اخره لعلهم يرجعون۔

(پ ۳ آل عمران : ع ۸)

ترجمہ۔ اور کہا بعض اہل کتاب نے کہ دن چڑھے تو مان لو وہ جو کچھ اترا ہے مسلمانوں پہ اور پچھلے پہر اس کے منکر ہو جایا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ (دیکھ) مسلمان (شک ڈالنے کے اس طریق سے) پھر جائیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کو ان کی راہ سے بچانے کی سازش پنڈتوں اور جوگیوں نے کی۔ ان

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۱۰۸۸

پنڈتوں، جوگیوں کا مقصد مسلمانوں کو صحابہ کرامؓ والے اعمالِ اسلام سے دُور کرنا اور انہیں رسومات و بدعات میں مبتلا کرنا تھا۔ یہ مسلمانوں کو اصل اسلام سے بھٹکانے کی یہ ایک نہایت تاریک سازش تھی۔ بدعات والحاد کی یہ راہیں کافی عرصہ سے مسلمانوں میں راہ پا رہی تھیں لیکن چودھویں صدی کے نصف آخر میں یہ نیا اسلام ایک باقاعدہ مذہب کی شکل اختیار کر گیا اور اس کے بانی نے برملا وصیت کی:۔

میرا دین و مذہب

میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا
ہر فرض سے اہم فرض ہے[1]

ان ہی حالات میں ضروری ہے کہ مسلمان اس بات کو جاننے کی کوشش کریں کہ ہندوازم دوبارہ کن کن دروازوں سے ان کے ایمانوں میں داخل ہو رہا ہے اور ہم میں وہ کون سی رسوم پائی جاتی ہیں جن کی اصل ہم نے ہندوؤں سے لی ہے۔ یہ تھوڑی سی فکر بریلوی عقائد و افکار کو سمجھنے میں بڑی معاون ثابت ہو سکے گی۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیق الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

---

[1] وصایا شریف صـــ

ہندو مذہب کی گرتی دیوار اور اُس کا غلبہ جاہلی مسلمانوں پر

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی محمد المصطفیٰ وعلیٰ آلہ المجتبیٰ
وعلیٰ من بھدیۃ اھتدیٰ۔ امابعد:

ہندو مت ہندوستان کا سب سے پرانا مذہب ہے وہ اسے سناتن دھرم کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے آنے سے پہلے اس کے خلاف دو مذہب جین مت اور بدھ مت کے نام سے اُٹھے۔ پھر مسلمانوں کے آنے پر خود ہندوؤں میں ایک فکری بغاوت اُٹھی اور آریہ مت نے سناتن دھرم کے خلاف یکایک بُت پرستی کا انکار کر دیا۔ مسلمانوں کی دعوتِ توحید کی روک تھام کے لیے یہ اُن کا ایک بنیادی قدم تھا۔

ہندو مذہب اپنی عمرِ طبعی ختم کر چکا تھا۔ ان کے بوڑھے افکار عصرِ جدید میں اپنا وزن نہ رکھتے تھے۔ عقیدہ توحید میں ایک فطری کشش تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی آمد پر ہندو اقوام جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتی گئیں۔ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کی ہندوستان پر نظر لگی تھی محمد بن قاسم کے رفقاء یہاں دعوتِ اسلام لا چکے تھے۔ سلطان محمود غزنوی اور ان کے ساتھی علمائے کرام کے ذریعہ اسلام کا یہاں علمی تعارف ہو چکا تھا اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی عظیم روحانیت نے ان قوموں کو اپنے اندر جذب کرنے کے سائبان دُور تک لگا دیئے تھے۔

بعض صوفیۂ کرام نے یہاں یہ حکمت اختیار کی کہ ہندوؤں کو مندروں کے اشلوکوں (مذہبی گیتوں) سے ہٹانے کے لیے اپنے روحانی حلقوں میں خدا کی طلب و محبت کے گیت گائے۔ شعروں میں ایک جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔ ہندو اس اثر شعری کو پہلے اپنے مندروں کا روحانی اثر سمجھتے تھے۔ اب انہیں پتہ چل گیا کہ اس سے بہتر اثرات مسلمانوں کے نغمۂ توحید میں محسوس کیئے جا سکتے ہیں۔ ان کی اس حسنِ تعبیر سے اشلوکوں کا طلسم اُٹھ گیا۔ اور پھر ایسی ہوا چلی کہ ان صوفیۂ کرام کی عشقِ حق کی حرارت ہر چہار طرف پھیلی اور کفر و شرک کی آلائشوں کو یکسر جلانے لگی اور ان حضرات نے سرزمین

ہند میں وحدت کا ایسا نغمہ گایا کہ اس کا نشہ آج بھی سلیم دلوں کو روحانی تازگی بخشتا ہے۔

ہندو ازم کی صدائے بازگشت

ہندو سربراہ شروع میں اس صورتِ حال کا جائزہ نہ لے سکے۔ کچھ عرصہ بعد انہیں ہوش آیا تو انہوں نے بھی وہی چال چلنے کی سوچی، جو مسلمان پہلے چل چکے تھے۔ پہلے مسلمانوں نے ہندوؤں کو اپنے قریب کرنے کے لیے خدا کے عشق و محبت کے نغمے اُن کے سے سادہ و انداز میں گائے اور ہندوؤں کی اپنے مراکز سے عقیدت توڑ دی۔ اب ہندوؤں نے طے کیا کہ مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر مسلمانوں کے لباس میں مسلمانوں کو اپنے مرکز سے بے گانہ کیا جائے اور اسلام کے رنگ میں ہندو عقائد و افکار ان کے ذہنوں میں اُتارے جائیں۔ یہ سازش جب عملاً سامنے آئی تو کئی کمزور ذہن مسلمان دعویٰ اسلام کے ہوتے ہوئے عملاً ہندو دکھائی دیئے۔ بہت سے ہندو پنڈت اور جوگی، مسلمان مولوی اور پیر بن کر مسلمانوں کی شاہ گروں (مساجد اور خانقاہوں) پر بیٹھ گئے اور مکہ اور مدینہ کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے لگے کہ اُن کے اماموں کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔

یہ انہی پنڈتوں کی سازش تھی کہ اکبر بادشاہ کے عہد میں اسلام اور ہندو ازم کو ملا کر ایک نیا دین ترتیب دیا گیا جس کے اپنے اصول و فروع تھے۔ علماء سوء میں ان کے پیچھے ابوالفضل اور فیضی جیسے بڑے بڑے اہلِ علم تھے اور ایسے بدعتی مولویوں کی بھی کمی نہ تھی۔ جو ہر رسم و رواج کو تاویل کا سہارا دے کر ہر نئی چیز کو جائز ثابت کر سکتے ہوں۔ عوام کو خوش کرلے اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کی یہ چال ان کے لیے بہت مفید رہی ـــــ جب ضروریاتِ دین تاویل کی بھینٹ چڑھ جائیں تو دین کا کیا باقی رہے گا۔ ؎

وھل افسد الدین الا الملوک   واحبار سوء و رھبانھا

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بدعات کے مقابلے میں خم ٹھونک کر نکلے۔ اکبری عہد کے بگڑے دین کی اصلاح کے لیے آپ نے بجہودِ تجدید الف ثانی اصلاح کا قدم بڑھایا اور بدعات کے خلاف نہایت مضبوط بند باندھا۔ یہاں تک کہ بدعتِ حسنہ کے لیئے بھی کوئی گنجائش نہ چھوڑی۔ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

ایں فقیر در ہیچ بدعت ازیں بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمے کند و جز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید۔ اگر فرضاً عمل مبتدع را امروز بواسطہ ضعف بصارت بطراوت تضارت بینند فردا کہ حدید البصر گردند دانند کہ جز خسارت و ندامت نتیجہ نداشت۔[۱]

ترجمہ۔ یہ فقیر کسی بھی بدعت میں حسن و نورانیت نہیں دیکھتا اور سوائے اندھیرے اور کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگر لوگ بوجہ ضعف بصارت بدعتی کے عمل کو بارونق دیکھتے ہیں تو وہ دن آنے والا ہے (آخرت کا دن) کہ اُن کی نظر تیز ہو جائے گی اور وہ جان لیں گے کہ ان کے ان اعمال کا نتیجہ نقصان اور شرمندگی کے سوا کچھ نہ نکلا۔

پھر لکھتے ہیں :-

ہر گاہ ہر محدث بدعت باشد و ہر بدعت ضلالت پس معنی حسن در بدعت چہ بود۔[۲]

ترجمہ۔ جب (دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے تو بدعت کے حسنہ ہونے کے کیا معنی؟

یہ صحیح ہے کہ جہاں زشتی ہی زشتی ہو وہاں کوئی اچھائی اور بہتری کیسے راہ پا سکتی ہے۔

آپ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :-

اجتناب از اسم و رسم بدعت تا از بدعت حسنہ اند رنگ بدعت سیئہ احتراز نماید بوئے ازیں دولت بمشام جان اُو نرسد و ایں معنی امروز متعسر است کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند و باحیائے سنت لب کشاید۔ اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنت۔[۳]

ترجمہ۔ بدعت کے نام و نشان سے بھی بچو۔ جب تک بدعت حسنہ سے بھی اسی

---

[۱] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب نمبر ۱۸۶ ص ۱۸۶ [۲] ایضاً [۳] مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵۴ ص ۱۳۰

طرح نہ بچے ۔ جیسے بدعت سیئہ سے احتراز کیا جاتا ہے۔ روحانی دولت کی خوشبو تک نصیب نہ ہوگی اور یہ بات آج سمجھنی مشکل ہے کہ جہان کا جہان بدعت کے دریا میں ڈوب رہا ہے اور بدعت کی تاریکیوں میں ڈیرہ ڈالے بیٹھا ہے۔ آج کس کی ہمت ہے کہ کسی بدعت کو مٹانے کے لیے اُٹھے اور کسی سنت کو زندہ کرنے کے لیے زبان کھولے ۔ اس وقت کے اکثر مولوی بدعت کو رواج دینے والے اور سنتوں کو مٹانے والے ہیں۔

مسلمانوں میں ہندوؤں کے اثرات

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ لکھتے ہیں :-

استمداد از اصنام وطاغوت در دفع امراض واستقام کہ در جہلہ اہل اسلام شائع گشتہ است عین شرک وضلال است وطلب حوائج از سنگہائے تراشیدہ ونا تراشیدہ نفس کفر وانکار از واجب الوجود تعالیٰ وتقدس[1]

ترجمہ ۔ بیماریوں اور تکلیفوں کے وقت بتوں اور شیطانی طاقتوں سے مدد مانگنا جو مسلمانوں میں آچکا ہے بالکل واضح شرک اور گمراہی ہے اور گھڑے ہوئے پتھروں (بتوں) اور نہ گھڑے ہوتے پتھروں (قبروں) سے حاجتیں مانگنا بالکل کفر ہے اور واجب الوجود رب برتر و پاک کا انکار ہے۔

پھر لکھتے ہیں :-

کم زنی باشد کہ از دقائق ایں شرک خالی بود و برسمے از رسوم آں در آنجا اقدام ننماید الامن عصمہا اللہ تعالیٰ وتعظیم نمودن ایام منظمہ ہنود را و بجا آوردن ایام رسوم متعارفہ جہود را نیز مستلزم شرک ومستوجب کفر است۔ چنانچہ در ایام ولی کفار جہلہ اہل اسلام علی الخصوص زنان ایشاں رسوم اہل کفر را بجا آرند[2]

ترجمہ ۔ کم عورتیں ہوں گی جو اس شرک کی باریکیوں سے خالی ہوں اور اس قسم

---

[1] مکتوب دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۱ ص ۴۹ [2] ایضاً

کی رسموں میں سے کسی رسم پر عامل نہ ہوں۔ اُن سے وہی بچے جسے اللہ تعالیٰ نے بچایا ہو۔ ہندوؤں کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا اور ہندوؤں کی متعارف رسموں کو بجا لانا بھی مستلزم شرک اور مستوجب کفر ہے۔ ہندوؤں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً ان کی عورتیں ہندوؤں کی رسموں کو بجالاتی ہیں۔

پانچویں مسلمانوں نے ان تمام اعمال کو جو ہندو اپنے دیوتاؤں کے لیے بجالاتے تھے بزرگوں کی نسبت سے اپنے اندر جاری کرلیا ہے۔ وہ پتھروں کے بتوں کے آگے نذرانے پیش کرتے تھے یہ بزرگوں کی قبروں پہ نذرانے چڑھانے لگے اور وہاں بکرے لے جاکر ذبح کرنے لگے۔ حضرت امام ربانیؒ لکھتے ہیں:۔

حیوانات راکہ نذر مشائخ مے کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح می نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل رانیز داخل شرک ساختہ اند[1]

ترجمہ۔ جو بکروں وغیرہ سے بزرگوں کی نذر مانتے ہیں اور انہیں ان بزرگوں کے مزارات پہلے جاکر ذبح کرتے ہیں۔ روایات فقہ میں اس عمل کو بھی داخل شرک قرار دیا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نقشبندی سلسلہ میں جن حضرات نے شرک و بدعت کے خلاف بڑی ہمت دکھائی، ان میں سرفہرست حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے بھتیجے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ہیں۔ ان حضرات نے بڑی ہمت سے اسلام میں گھسنے والے ہندو افکار زندگی کے خلاف آواز اٹھائی۔ وہ ہندو پنڈت اور جوگی جو اسلام کا لباس پہنے اسلام کے عقائد اور سنتوں کے طریقوں کو تار تار کر رہے تھے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے خلاف بڑی ترتیب اور سازش سے اُٹھے اور مولویوں کے لباس میں پنڈتوں کی نمائندگی کردی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان قبر پرستوں کے خلاف ایک مقام پہ یوں

---

[1] مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۱ صہ

رقمطراز ہیں:۔

وبرخے ازایشاں ارواح مدبرہ لوملئکہ مؤکلہ رابر مخلوقات یا ارواح انبیاء واولیاء وطبا ورہابین واحبار وعلماء راجے ملاحظہ بندگی خداو محبوبیت او بالاستقلال در محبت برابر خدامے سازند ونذور وقرابین بنام آنہامے دہند واحکام ایشاں رابے تامل در مآخذ آنہا برابر وحی ناطق الہٰی مے شمارند بلکہ بعض ازایشاں باصور وھیاکل وقبور ومعابد ومساکن ومجالس آنہا افعالی کہ درمسجد وکعبہ برائے خدا باید کرد عمل مے آرند مانند سر برزمین نہادن، وگرد اگرد گشتن ودست بستہ بصورت استقبال قبلہ درنماز ایستادن حالانکہ دین محبت ایشاں مقتضائے ایمان بخدا وبرائے خدا نیست [1]

ترجمہ۔ اوران میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مخلوق کے مختلف کاموں پر متقرر فرشتوں کی ارواح مدبرہ کو یا انبیاء واولیاء اور عبادت گزاروں اور درویشوں اور علماء وفضلاء کی ارواح کو خدا کی عبادت اور اس کی محبت کا لحاظ کیے بغیر انہیں براہ راست خدا کی محبت کے برابر رکھتے ہیں اور نذریں اور قربانیاں ان کے نام کی بجالاتے ہیں اوران کے حکموں کو ان کے ماخذوں کا لحاظ کیے بغیر وحی الہٰی کے برابر شمار کرتے ہیں ـــ بلکہ بعض تو ان میں سے (انبیاء واولیاً اور بزرگوں) کی تصویروں، ہیکلوں، مزاروں، ان کی عبادت کی جگہوں اور ان کے رہنے کے مکانات اوران کی مجالس میں وہ کام کرتے ہیں جو مسجدوں اور کعبہ میں بجالائے جاتے ہیں جیسے زمین پر سر رکھنا (سجدہ کرنا) اوران کے گرد اگرد گھومنا (طواف کرنا) اور جس طرح نماز میں قبلہ کی طرف ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں ان بزرگوں کے تصور میں ان کے لیے قیام (تعظیمی) کرنا۔ حالانکہ ان کی (ان بزرگوں سے) یہ محبت خدا پر یقین ہونے کے تقاضا سے نہیں ہے اور خدا کے لیے نہیں ہے۔

---

[1] تفسیر فتح العزیز ص۴۹۹

حضرت شاہ صاحبؒ نے بدعتی مسلمانوں کا جس دلسوز پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے اس سے ہر وہ مسلمان جس کا دل توحید کے نور سے منور اور سنت کی خوشبو سے معطر ہو۔ ان مسلمانوں کی اس حالتِ زار پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو بزرگوں کی محبت کے دعوے سے ہندوؤں کے ایجنٹ بنے بیٹھے ہیں اور ایک ایک بدعت پر سنت کے غلاف چڑھائے جا رہے ہیں۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :-

ہر کہ از مسلمانانِ جاہل با اہلِ قبور ایں چیزہا بعمل آرد فی الفور کافر مے گردد و از مسلمانی مے برآید[1]

ترجمہ۔ جاہل مسلمانوں میں سے جو بھی بزرگوں کے مزاروں پر اس قسم کے اعمال بجا لاتا ہے فوراً کافر ہو جاتا ہے اور اسلام سے نکل جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد بالکل بجا اور صحیح ہے۔ اندھیرا اور روشنی کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔ ایمان اور کفر کو کیسے ایک جگہ جمع کیا جا سکتا ہے اور سنت اور بدعت کیسے اکٹھی ہو سکتی ہیں۔ جو اہل بدعت ہیں وہ کسی طرح سنت نہیں ہو سکتے۔ ہرگز نہیں۔

پھر ایک اور جگہ حضرت لکھتے ہیں :-

سنت بزرگان و نذر غیر اللہ مانند گلگلہائے شیخ سدو و سہ منی بوعلی قلندر وغیرہ قریب بحرام است[2]

ترجمہ۔ بزرگوں کی منت ماننا اور اللہ کے سوا کسی کی نذر ماننا جیسے شیخ سدو کے گلگلے (ختم میں) دیں گے یا حضرت بوعلی قلندر کی سہ منی دیں گے (پر ختم) دیں گے۔ اس قسم کی نذریں سب حرام کے قریب ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؒ کے کونڈوں کی نذر ماننا اور یا حضرت پیران پیرؒ کے نام گیارہویں کی نذر دینا، کیا یہ سب امور حضرت شاہ صاحبؒ کے اس فتوے کی زد میں نہیں آتے ؟ اور جو مولوی اس قسم کی بدعات کو رواج دیتے ہیں، کیا وہ عملی طور پر مسلمانوں کو ہندوؤں کی آغوش میں نہیں لے جا رہے ہیں ؟

---

[1] فتاوےٰ عزیزی جلد ا صت [2] ایضاً صـ۹

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

بجائے اس کے کہ یہ مولوی نما "ہندو پنڈت"، اور پیر نما "ہندو جوگی" کچھ شرمندگی محسوس کرتے۔ شرک و بدعت کے بادل چھٹتے اور اسلام کا چہرہ اپنی اصل تابانی میں جلوہ گر ہوتا۔ ان ہندو علماء نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بھتیجے اور شاگرد حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ پر اُلٹے الزامات لگائے کہ یہ بزرگوں کو نہیں مانتے۔ انبیاء و اولیاء سے خدائی طاقتوں کی نفی کرتے ہیں اور اس طرح یہ اُن کی توہین اور بے ادبی کر رہے ہیں اور معلوم نہیں انہوں نے کن کن القاب سے حضرت شاہ اسماعیل صاحبؒ کو نوازا اور اُن کی تواضع کی۔

یہ زمین دوز کام کرنے والے ہندو جو مسلمان علماء کہلاتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے خلاف خوب چلے اور ایسے چلے کہ ملّت کا امن اُٹھ کر رہ گیا اور مسلمان تفرقے کی دلدل میں بہت گہرے دھنستے چلے گئے۔

ہندو بُت پرست تھے اور ابھی پنڈت دیانند نے آریہ سماج کی تحریک شروع نہ کی تھی۔ اور مسلمانوں کو بتوں سے بہت نفرت تھی۔ اور وہ کبھی بتوں اور مندروں کے قریب نہ بھٹکتے تھے۔ ہندو چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے ذہنوں سے بتوں کی نفرت اُتاری جائے۔ اچانک یہ مسئلہ کھڑا کر دیا کہ بُت بنانا کفر ہے یا نہیں؟ اس فتوے کے لیے دہلی کے پرانے علمی مرکز مدرسہ کی طرف رُخ نہ کیا گیا۔ ان علماء کی تلاش کی گئی جو ان محدثین دہلی کے خلاف مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی مسند سنبھالے ہوئے تھے مولانا فضل رسول بدایونی ان کے سرخیل تھے اور حضرت اسماعیل شہیدؒ کے خلاف متعدد کتابیں "سیف الجبار" وغیرہ لکھ چکے تھے۔ آپ نے فتویٰ دیا جسے مفید الخلائق پریس شاہ جہاں آباد نے ۱۲۲۸ھ میں بڑی آب و تاب سے شائع کیا:۔

عبادت کے لیے بُت بنانا کفر نہیں [1]

دیکھیے مولانا نے ہندو ازم کو کس گھناؤنے انداز میں سہارا دیا۔ مسلمانوں کو بتوں کے نام سے نفرت تھی۔ وہ اسے ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کرتے تھے، چہ جائیکہ بنانا۔ مگر مولانا نے مسلمانوں کے ذہن سے

---

[1] فتوے مولانا فضل رسول بدایونی مطبوعہ مفید الخلائق پریس شاہ جہان آباد صلا!

بتوں کی نفرت کو کم کرنے کے لیے ایک عجیب فقہی سہارا لیا۔

بریلوی کہتے ہیں مولانا کا منشا ر مسلمانوں کو صنعت کاری میں آگے بڑھانا تھا مسلمان اگر بُت بنانے کے کارخانے لگائیں اور ہندوؤں میں ان کی خریداری عام ہو تو دونوں قومیں بھی ایک دوسرے کے قریب آئیں گی اور مسلمانوں کو تجارتی فائدہ بھی ہوگا۔

ہمارا سوال مسئلے کے فقہی پہلو سے نہیں، سوال اس قوم کی غربت کا ہے جو اس ملک میں بت شکن ہو کر داخل ہوئی تھی۔ اگر ان کا بس نہ چلے اور ہندو بدستور بتوں کو پوجتے رہیں تو یہ امر دیگر ہے لیکن یہ بات کہ مسلمان خود بنائیں اور ان بتوں سے روزی حاصل کریں اور دنیا کے دوسرے مذاہب ان مسلمانوں کی اس بے غیرتی کو دیکھتے ہوں تو اس سے اس قوم کا مستقبل کتنا روشن نظر آئے گا جو سات سو سال تک اس بت کدہ ہند پر حکومت کر چکی ہو۔ ایسے حالات اور ماحول میں یہ فتوے دینا کہ عبادت کے لیے بُت بنانا کفر نہیں، یہ اندرونی کفر کا نکاس نہیں تو کون سا اسلام ہے جس پر بریلوی علماء انبیاء و اولیاء کی محبت کا جعلی لیبل لگائے بیٹھے ہیں۔ ؎

تو ادھر اُدھر کی بات نہ کر　　　تو بتا لُٹا کہاں قافلہ

مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں　　　تیری رہبری کا سوال ہے

یہ فقط بت سازی کی بات نہیں، آگے فتوے بت پرستی پر بھی آرہا ہے۔ یہ مولانا احمد رضا خاں کا ہے۔ آپ نے پنڈتوں کو مسلمانوں کے قریب کرنے میں ہمیشہ تاریخی کردار ادا کیا ہے اور انہیں وہابیوں سے بہتر بتلایا ہے۔ ایک مقام پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو مخاطب کرتے ہوئے ہندوؤں سے یوں پیار کرتے ہیں:۔

ستم کوری وہابی رافضی کی　　　کہ ہندو تک ترا قائل ہے یا غوثؓ

ہندو بلا توبہ از کفر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا نیاز مند ہے اور بزرگوں کا نیاز کیش —

استغفر اللہ العظیم۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بت پرست کی توبہ قبول نہیں ہوتی لیکن توبہ ہو بھی تو۔

بُت پرست کی توبہ قبول

بت پرست حضرت شیخ جیلانیؒ کے پیروں سے ایک علیحدہ ملت ہیں۔ ان کے لیے اسلام

کی طرف آنے کے لیے صرف توبہ کافی نہیں غیر اسلامی ملت سے علیحدگی اور بیزاری بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی ہندو بُت پرستی سے توبہ کرے تو یہ اس کی توبہ قبول نہیں۔ جب تک کہ وہ اس غیر اسلامی ملت سے علیحدگی کا اعلان نہ کرے ــــــ یہ صرف گنہگار مسلمان کا حق ہے کہ اس کی توبہ کے لیے اعلان ضروری نہیں۔

اب دیکھئے مولانا احمد رضا خاں کس طرح اس شرط کے بغیر ہندو کی توبہ مقبول فرماتے ہیں۔

> ساجد صنم (بُت کو سجدہ کرنے والے) کی توبہ باجماع امت قبول ہے مگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ ہزار ہا ائمہ دین کے نزدیک اصلاً قبول نہیں [1]

اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ بت پرستی بھی عام گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے کہ توبہ کرلی اور گناہ مٹ گیا۔ مقام رسالت کو مقام توحید سے اونچا کرنے کے اور بھی کئی پیرائے ہو سکتے تھے۔ شرک سے ہٹنے کے لیے غیر اسلامی ملت سے علیحدگی انتہائی ضروری تھی۔ مگر معلوم نہیں خان صاحب ہندوؤں کی رعایت کیوں کر رہے ہیں۔

ہندوؤں کو اہل کتاب کے درجہ میں لانے کی کوشش

یہودی اور عیسائی تو امتیں ہیں جو باقاعدہ پیغمبروں کی طرف منسوب ہیں اپنی نسبتوں کی وجہ سے انہیں اہل کتاب کہتے ہیں لیکن ہندوؤں اور بدھوں کو باقاعدہ امتیں نہیں مانا جاتا ورنہ علماء اسلام انہیں بھی اہل کتاب میں جگہ دیتے۔ اب بریلویوں کو دیکھئے کس دبے انداز میں ہندوؤں کو کرشن کنہیا کی امت کہہ رہے ہیں اور کرشن کو خدا کا پیغمبر یا اوتار ماننے کی تلقین کر رہے ہیں۔ ان کے مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں :۔

> مجھ سے خود ایک مذہبی ہندو نے کہا کہ جنہیں تم ابراہیم کہتے ہو ہم انہیں کرشن جی کہتے ہیں اور حضرت اسماعیل کو ارجن [2]

[1] حسام الحرمین ص۳۱ معلوم نہیں یہاں آپ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مفتی بہ قول کیوں نہیں بیان کیا۔

[2] نور العرفان ص۴۹۲

مفتی صاحب نے اس ہندو کی تردید نہیں کی بلکہ اس کے اس قول کو اپنی تائید میں نقل کیا ہے. افسوس کہ بریلوی حضرات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کرشن اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ارجن کہتے ان حضرات کی عزت کا کچھ خیال نہ آیا.

اس عقیدے کا لازمی نتیجہ تھا کہ بریلوی مذہب والے اب کرشن میں وہ تمام صفات مانیں جو یہ لوگ امتیازی طور پر پیغمبروں میں مانتے ہیں جیسے کئی جگہوں پر حاضر و ناظر ہونا اور علم غیب وغیرہ. ان حضرات کا عقیدہ کرشن کنہیا کے بارے میں کیا ہے؟ اس میں آپ کے لیے یہ غور کرنے کی بھی گنجائش ہوگی کہ اگر یہ لوگ ان صفات کو کرشن اور رام جی میں بھی ثابت مانتے ہیں تو پھر یہ ان صفات کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیوں دعوے کرتے ہیں اور پھر اُسے شانِ مصطفوی کیوں سمجھتے ہیں؟

کرشن کنہیا کو حاضر و ناظر قرار دینا

مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :.

کرشن کنہیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا ...... اسرار باطن فہم ظاہر سے وراء ہے خوض و فکر بے جا ہے.[۱]

ہندوازم کو مسلمانوں کے قریب لانے کی کوشش اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ وہی صفات جنہیں بریلوی مذہب کے لوگ انبیاء و اولیاء کی صفت و شان قرار دیتے ہیں[۲] ان پر بحثیں کرتے ہیں اور نہ ماننے والوں کو انبیاء و اولیاء کی شان کا منکر سمجھا جاتا ہے وہ سب کرشن کنہیا میں ثابت مانی جائیں ——— اس سیاق میں یہ بالکل صحیح ہے کہ ہندوازم کی اس نشاۃ جدیدہ کے پیچھے ہندو کام کر رہے تھے جو مسلمانوں کے عقیدہ توحید و سنت کو پامال کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے اسلام کا لبادہ

---

[۱] ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ اول ص۱۲ [۲] بریلوی مذہب والے اپنے اس دعوے میں ہرگز مخلص نہیں. ورنہ وہ کرشن کنہیا اور ابلیس کو ہزار ہا جگہ پر حاضر و ناظر نہ سمجھتے کرشن کنہیا کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ تو آپ کے سامنے ہے ابلیس کے بارے میں ان کے پیشوا مولوی عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں :.

" ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک و ناپاک کفر و غیر کفر میں پایا جاتا ہے؟"

(انوار ساطعہ ص۵۸)

اوڑھ رکھا تھا۔ ان میں بہت سے ہندو مولوی اور پیر بھی کہلاتے تھے اور کہلاتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کا یہ فتوےٰ دیکھئے اور خود ہی فیصلہ کیجئے کہ خان صاحب خود کیا ہوں گے؟

یہ درست ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کرشن کنہیا کو کئی سو جگہ پر حاضر و ناظر مانتے تھے لیکن اسے کافر بھی کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ہندو نہ تھے ورنہ اسے کافر نہ کہتے۔ لیکن ایک سوال یہاں پھر اُبھرتا ہے کہ ان کے نزدیک کرشن کنہیا کے کافر ہونے کی دلیل کیا ہے؟ ہمیں اُن کے لٹریچر میں اس کی کہیں تصریح نہیں ملی کہ ان کے نزدیک کرشن کنہیا کس وجہ سے کافر تھا عام مسلمان تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بُت پرست تھے۔ بُت پرستی کی تعلیم دیتے تھے اس لیے وہ مشرک تھے مگر افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ہندوؤں کی بُت پرستی کو شرک سے پاک قرار دے کر اپنے پیروں کو اس وجہ پر بھی قائم نہ رہنے دیا اور بریلوی مذہب والوں کے پاس کرشن کنہیا کو کافر سمجھنے کی کوئی اصُولی دلیل نہ رہی۔

ہندوؤں کی بُت پرستی شرک سے پاک

مولانا احمد رضا خاں صاحب حضرت مرزا مظہر جانجاناں کے ایک خط کا ذکر کرتے ہوئے ہندوؤں کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> ان کی بُت پرستی کو شرک سے منزہ اور صوفیہ کرام کے تصور برزخ کے مثل مانا ہے اور بحکم ولکل امۃ رسول ہندوستان میں بھی بعث انبیاء ہونا اور اُن کے بزرگوں کا مرتبہ کمال و تکمیل رکھنا لکھا ہے۔ مگر رام یا کرشن کسی کا نام نہیں بایں ہمہ فرمایا ہے۔
>
> در شان آنہا سکوت اولے ست نہ ما را جزم بکفر و ہلاک اتباع آنہا لازم است ونہ یقین بنجات آنہا بر ما واجب و ما وہ حسن ظن متحقق است [1]

یہ اس تمام مکتوب کا خلاصہ ہے۔ ان حضرات کا حال قبل اظہار خود آشکار۔ اگر یہ مکتوب مرزا صاحب کا ہے اور اگر ان کا بے دلیل فرمانا سند میں پیش کیا جا سکتا ہے تو ان سے بدرجہا اقدم و اعلم

---

[1] ـــ

حضرت زبدۃ العارفین سیدنا میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ "سبع سنابل شریف" میں کہ بارگاہِ رسالت میں پیش اور سرکار کو مقبول ہو چکی، صنف۱ میں فرماتے ہیں:-

مخدوم شیخ ابو الفتح جونپوری را در ماہ ربیع الاوّل بجہتِ رسول علیہ الصلوٰۃ و السلام از دہ جا استدعا آمد کہ بعد از نماز پیشین حاضر شوند ہر دہ استدعا قبول کردند. حاضراں پرسیدند اے مخدوم ہر دہ استدعا را قبول فرمودید و ہر جا بعد از نماز پیش حاضر شد چگونہ میسر خواہد آمد فرمود کشن کہ کافر بود چندصد جا حاضر می شود، اگر ابو الفتح دہ جا حاضر شود چہ عجب [1]

ترجمہ۔ مخدوم شیخ ابو الفتح جونپوری کو ربیع الاوّل میں آنحضرتؐ کی طرف سے دس جگہ سے دعوت آئی کہ نماز ظہر کے بعد حاضر ہوں۔ آپ نے ان میں سے ہر جگہ کی دعوت قبول کر لی۔ حاضرین نے پوچھا، اے مخدوم! آپ نے سب دس جگہ کی دعوت قبول کر لی اور ہر جگہ نماز ظہر کے بعد حاضر ہونا چاہیئے یہ کیسے ہو سکے گا؟ آپ نے فرمایا کرشن جو کہ کافر تھا سینکڑوں جگہوں پہ جا پہنچتا تھا۔ اگر ابو الفتح دس جگہوں پہ (بیک وقت) حاضر ہو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

گویا یہ بات حضرت مرزا مظہر جانجاناں تک یا حضرت مخدوم ابو الفتح تک محدود نہ رہی۔ مولانا احمد رضا خاں نے اس عبارت میں کرشن کنہیا کے حاضر و ناظر ہونے پر خود حضورؐ کی طرف سے استناد مہیا کیا اور کتنے ہزاروں مسلمان ہوں گے جنہیں مولانا نے ہندوازم یا کرشن کنہیا کے قریب کر دیا ہو گا۔ یہ بات تو آپ نے ہندو بُت پرستوں کے بارے میں نقل کی۔ اب آگے آریوں کے بارے میں بھی سنیئے۔

آریہ بزعمِ خود توحید کے قائل ہیں

تمام کافر مشرک قومیں ہنود، نصاریٰ، یہود وغیرہم دنیا بھر کے کفار اور باتوں کے منکر سہی آخر وجودِ خدا کے قائل ہیں، ایک یہی بات سب سے بڑھ کر اسلام کی بات بلکہ تمام اسلامی اصولوں کی اصل الاصول ہے خصوصاً کفار فلاسفہ و آریہ وغیرہم کہ بزعم خود توحید کے بھی قائل ہیں۔[2]

---

[1] احکام شریعت حصہ دوم صـ۱۹۲ [2] حسام الحرمین صـ۳۲

معلوم نہیں مولانا نے آریوں کو توحید کا قائل کیوں بتلایا ہے ، اگر ان کے ہاں وہ توحید کے قائل نہیں صرف بزعم خود خدا کو ایک مانتے ہیں تو مولانا کو ان کے اس زعم کی بھی تردید کرنا چاہیئے تھی۔ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو آہستہ آہستہ ہندوؤں کے قریب لا رہے ہیں اور ان کا اعتقادی حلیف بنانا چاہتے تھے۔

اسلام میں اوتار کا تصور

اسلام میں اوتار کا تصور کوئی نہیں ہے۔ مسلمانوں کا قطعی عقیدہ ہے کہ خدا کبھی انسانی ڈھانچے میں نہیں اترا۔ لیکن ہندوؤں نے یہاں بھی اسلام کے بھیس میں حضرت خواجہ فریدؒ کو خدا کا اوتار، خدا کی تصویر اور اپنا بھگوان مانا ہے۔ یہ ہندو اصطلاحات اور ان کے مذہبی الفاظ یہاں کیوں مسلمانوں کے قریب لائے جا رہے ہیں؟ اگر یہ ہندو ازم کی نشأۃ جدیدہ نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ہندو مذہب کو مسلمانوں میں پھر سے زندہ کرنے کی ایک سازش ہے اور لطف یہ کہ یہ مسلمان پھر بھی مسلمان ہی ہیں مولوی غلام جہانیاں صاحب حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی شان میں لکھتے ہیں :-

فرد فرید دن پارن وہ اعظم اوتارن
الٰہی تصویرن !! ہے بھگوان منیندے[1]

کیا اس میں یہ صراحت نہیں کہ بزرگ اوتار الٰہی کی تصویر ہوتے ہیں ان میں خدا اترا ہوا ہوتا ہے اور وہ ان کی ہر بات مانتا ہے۔ اس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب ہندوؤں کی بت پرستی کو واقعی شرک نہیں سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بریلوی مذہب والے اپنے بزرگوں اور پیروں کو خدا کے اوتار اور اس کی تصویر سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ بھگوان یعنی خدا ان کی ہر بات مانتا ہے۔

ہندو ازم کو مسلمانوں کے قریب لانے کی ایک اور کوشش

مسلمان حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو عظیم روحانی پیشوا مانتے ہیں جو ان سے محبت رکھے

---

[1] ہفت اقطاب ص۱۲۳

مسلمانوں کے نزدیک وہ بھی خدا کا محبوب ہو جاتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات ڈالنا چاہتے ہیں کہ ہندو حضرت غوث پاک کو مانتے ہیں۔ اس سے غرض یہ ہے کہ مسلمانوں کی ہندوؤں سے وحشت کم کی جائے اور وہ مسلم حلقوں میں مقبول ہونے لگیں۔ خان صاحب کو اُمید تھی کہ شاید اس انس و محبت سے مسلمان پھر کبھی ہندو مذہب قبول کرلیں۔ مولانا احمد رضا خاں لوگوں کو وہابیوں اور شیعوں سے دور کرنا اور ہندوؤں سے قریب کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ان کا یہ شعر پہلے کہیں نقل کر آئے ہیں۔

ستم کوری وہابی رافضی کی　　کہ ہندو تک تیرا قائل ہے یا غوث[1]

(سلیس) شیعہ اور وہابی بڑے ظالم ہیں لیکن ہندو لوگ غوث پاک تیرے قائل ہیں، تجھے مانتے ہیں تیری نظرِ کرم ہندوؤں کے بھی شاملِ حال رہتی ہے۔

معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں کو کیا　　ہوگیا تھا کہ وہ ہندو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تک کو نہیں مانتے۔ کلمہ شریف کے منکر ہیں۔ انہیں حضرت غوث پاک کا معتقد بتا رہے ہیں۔ گویا عشقِ اولیاء کے لیے مسلمان ہونے کی بھی شرط نہیں۔ (معاذ اللہ) بس انسان وہابی نہ ہو اور کچھ بھی ہو پرواہ نہیں، گو ہندو ہو۔

باہمن سے نکاح پڑھوانے کی تجویز

ہندو جب حضرت غوث پاک کے معتقد ٹھہرے تو ضروری تھا کہ انہیں مسلم معاشرت کے قریب لانے کا ایک اور موقع فراہم کیا جائے۔ مولانا احمد رضا خاں نے بریلویوں کو مشورہ دیا کہ اگر کبھی باہمن (برہمن) سے بھی نکاح پڑھوائیں تو نکاح ہو جائے گا۔ اس کا مقصد سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہندو ازم کی وحشت کسی نہ کسی حکمت سے مسلمانوں کے ذہن سے نکالی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پھر ہندو مذہب قبول کرلیں۔ ہندوؤں کی یہ نہایت خطرناک سازش تھی اور ہے۔ مولانا احمد رضا خاں سے پوچھا گیا وہابی نکاح پڑھائے تو کیسا رہے گا۔ آپ نے کہا:

نکاح تو ہو ہی جائے گا اس واسطے کہ نکاح نام باہمی ایجاب و قبول کا ہے اگرچہ باہمن پڑھا دے[2]

---

[1] حدائق بخشش حصہ دوم ص۱۱　　[2] احکام شریعت حصہ دوم ص۲۲۵

بریلوی اس مسئلے کو احکامِ شریعت میں سے پیش کرتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ برہمن سے نکاح پڑھوانے کی تجویز کسی مسلمان کی ہو سکتی ہے یا ہندو کی؟ اور کیا اسے احکامِ شریعت میں سے کہا جا سکتا ہے؟

جہاں تک فقہی مسئلے کا تعلق ہے ہم اس میں مولانا احمد رضا خاں صاحب سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ ہندو اعلانیہ طور پر ایک غیر ملت ہیں اور قطعاً ایک دوسرے دین پر ہیں۔ مسلمانوں میں ان کے کافر ہونے میں کوئی اختلاف اور شک نہیں۔ اب جو مسلمان ایک مذہبی تقریب میں باہمنی کی سربراہی قبول کرتا ہے۔ وہ اپنے اس نظریہ کی وجہ سے اس ملت سے رضا کا اظہار کرتا جو ملت کا فرہ ہے اور اسلام کی رو سے رضا بالکفر کفر ہے۔ اب جو مسلمان برہمن سے نکاح پڑھاتا ہے وہ اپنے اس غلط عقیدے کی وجہ سے اسلام سے فوراً نکل جائے گا اور مرتد ہو جائے گا اور مرتد کا نکاح کسی سے جائز نہیں وہابیوں سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔ وہ عنواناً تو ملتِ اسلامی کا ایک حصہ ہے اور اپنے آپ کو برملا مسلمان کہتے ہیں۔

برہمن جب نکاح پڑھائے گا تو آخر پڑھے گا کیا؟ اس نے قرآن کریم تو پڑھا نہیں۔ وہ تو اپنی پوتھیاں ہی پڑھے گا۔ وہابی پڑھائے گا تو وہ قرآن کریم کا خطبہ ہی پڑھے گا۔ اب آپ ہی سوچیں کہ برہمن سے نکاح پڑھوانے کی تجویز کا اس کے سوا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ ہندوؤں کی پوتھیاں بریلویوں کے عقیدے میں وہابیوں اور دیوبندیوں کی قرآن و حدیث کی تلاوت سے زیادہ مقدس ہیں۔ (استغفر اللہ)

ہندوؤں کی پوتھیاں بے خطر ہیں

مولانا احمد رضا خاں برہمنوں کو دوسرے مسلک کے مسلمانوں سے یہاں تک بہتر سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو مشورہ دیتے تھے کہ علماء دیوبند کی کتابوں کی نسبت ان کے لیے ہندوؤں کی پوتھیاں بے خطر رہیں گی،

اشرف علی اور تمام دیوبندی عقیدے والوں کی کتابیں کتب منطق بلکہ فلاسفہ ہند
کی پوتھیوں سے بدتر ہیں [1]

---

[1] فتاوٰے رضویہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ لائلپور

علماء دیوبند کی حدیث کی خدمت پوری دنیا میں مسلم ہے۔ کیا ہندوؤں کی پوتھیاں ان حدیث کی کتابوں سے بھی افضل ہوگئیں ۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بیان القرآن کے نام سے قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ آپ سوچیں کہ قرآن کریم کی تفسیر ہندوؤں کو ہندوؤں کی پوتھیوں سے بدتر کہنا ہندوؤں کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا ہے۔

ہندوؤں کو اہل کتاب بنانے کی کوشش

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صرف یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کہا ہے۔ یہود کے علماء ان کے احبار اور عیسائیوں کے درویش ان کے رہبان تھے۔ قرآن کریم میں عیسائیوں کے بارے میں ہے:۔

ذلک بانھم قسیسین ورھبانا وانھم لا یستکبرون۔

(پ

ترجمہ: یہ اس لیے کہ ان میں (نصاریٰ میں) قسیس (عالم) اور رہبان (درویش) ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے۔

یہاں قرآن کریم میں رہبان عیسائی درویشوں کو کہا گیا ہے اور وہ بے شک اہل کتاب میں سے تھے۔ ان کا صحیح ترجمہ درویش ہے۔ مگر مولانا احمد رضا خاں کو دیکھئے کس دیدہ دلیری سے رھبانھم کا ترجمہ جوگی کرتے ہیں۔ ہر شخص کو معلوم ہے کہ ہندوؤں کے تارک الدنیا سادھوؤں کو جوگی کہتے ہیں۔ یہ لفظ ہندی کا ہے اور جوگی کے معنی ہندی فقیر کے ہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے رہبان کا ترجمہ جوگی کرکے ہندوؤں کو اہل کتاب میں لانے کی عجیب چال چلی ہے۔

یاایھا الذین امنوا ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ۔

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں: اے ایمان والو! بے شک بہت پادری اور جوگی لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔[1]

یہ آیت اہل کتاب کی بدعنوانیوں کے بیان میں اتری تھی۔ اس میں رہبان کا ترجمہ جوگی کرکے

---

[1]

مولانا احمد رضا خاں نے ہندوؤں کو اہلِ کتاب بنانے کی عجیب حرکت کی ہے۔

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اس آیت کا اہلِ کتاب کے بارے میں ہونا اس طرح بیان کیا ہے :۔

کتبِ سابقہ کی جن آیات میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صفت مذکور ہے۔ مال حاصل کرنے کے لیے اُن میں فاسد تاویلیں اور تحریفیں کرتے ہیں[1]

جناب پیر کرم شاہ صاحب اس آیت کے بارے میں نقل کرتے ہیں :۔

قال ابوذر وغیرہ المراد بہا اہل الکتاب وغیرہم من المسلمین و هو الصحیح (قرطبی)[2]

مگر افسوس کہ مفتی احمد یار گجراتی نے پیر کرم شاہ صاحب کو وہابی قرار دے دیا موصوف لکھتے ہیں :۔

اس آیت میں مسلمانوں کے مولوی پیر داخل نہیں جیسا کہ آجکل بعض وہابیوں نے سمجھا[3]

خیال کیجئے مولوی صاحب مذکور نے کس بیدردی سے پیر کرم شاہ صاحب کی تحریر سے استہزاء کیا ہے اور انہیں وہابیوں میں داخل کیا ہے۔

مسائل فقہ میں ہندو مسلک کا بیان

مولانا احمد رضا خاں صاحب احکامِ شریعت کے بیان میں ساتھ ساتھ ہندو مذہب بھی بیان کرتے رہتے تھے۔ اس سے لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ حلال و حرام اور پاک و ناپاک کے مسائل میں ائمہ فقہ کے اختلافات تو ذکر کئے جاتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں ان میں ہندو مذہب کا بیان کیوں لے آتے ہیں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ راز مولانا اور ان کے پیروؤں کو ہی معلوم ہوگا۔ مولانا احمد رضا خاں ایک مسئلہ کے بیان میں لکھتے ہیں :۔

(زچہ کی) چوڑیاں۔ چارپائی۔ مکان سب پاک ہے فقط وہی چیز ناپاک ہوگی جسے خون لگ جائے بغیر اس کے ان چیزوں کو ناپاک لینا ہندوؤں کا مسئلہ ہے[4]

یہ درست ہے کہ مولانا ہندوؤں کی بُت پرستی کو شرک سے پاک سمجھنے اور یا بھو کے پڑھنے

---

[1] حاشیہ نعیمی ص۲۷ [2] ضیاء القرآن ص۲۲۴ [3] نور العرفان ص۴۹۵ [4] المیزان احمد رضا نمبر ص۶۱

نکاح کو درست کہنے کے باوجود وہ ہندوؤں سے بہت سے مسائل میں اختلاف رکھتے ہوں گے. لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ ان کا ہندوؤں سے اختلاف بہت خفیف قسم کا ہوگا. اگر کہیں کوئی عالم موجود نہ ہو تو وہ اپنے پیروؤں کو پنڈتوں سے مسئلہ معلوم کرنے کی تعلیم دیتے تھے.

پنڈتوں سے مسائل پوچھنا

مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے پیروؤں کو مشورہ دیتے تھے :-

> اگر کوئی شخص دارالحرب خاص کفار کی بستی میں بسے جہاں مثلاً صرف ہندو ہوں اور وہ کہے کہ میں جہاں کی سکونت نہیں چھوڑ سکتا. یہ بتاؤ کہ ضروری ضرورت کے مسئلے کس سے پوچھوں تو اس سے یہ کہہ دیا جائے گا کہ پنڈت سے پوچھ لیا کرو.[1]

ناظرین! آپ نے دیکھا کہ مولانا احمد رضا خاں کن کن صورتوں سے ہندو وازم کو مسلمانوں کے قریب لا رہے ہیں. کبھی انہیں اہل کتاب قرار دے رہے ہیں. کبھی اپنے پیروؤں کو مشورہ دے رہے ہیں. کہ کوئی عالم میسر نہ آئے تو پنڈت سے مسئلہ پوچھ لیا کریں.

مولانا پر پنڈت ہونے کا فتوے

مولانا احمد رضا خاں نے جب عورتوں کو عرسوں اور میلوں پر جانے سے منع کیا اور فتوے دیا کہ عورتوں کا مزارات پر جانا ممنوع ہے تو اس پر مزارات کے سجادہ نشین آپ سے بگڑ گئے. پھر کیا تھا انہوں نے مولانا کو خوب سنائیں، اور مولانا نے بھی انہیں جواب آں غزل کے طور پر خبیث کہا. بہرحال یہ بریلویوں کے اپنے گھر کا معاملہ ہے. ہم اس میں دخل دینا نہیں چاہتے. ہم صرف مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ایک عبارت نقل کئے دیتے ہیں. جس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا پر پنڈت کا فتوے ان کے اپنے ہاں بھی لگ چکا ہے. مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

> وہ ابلیسی مسخرے کہ علمائے دین پر ہنستے اور ان کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں، انہیں میں وہ تھٹے مدعیان فقر ہیں جو کہتے ہیں کہ عالموں اور فقیروں کی سدا سے ہوتی

---

[1] فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص۱۵۳ مطبوعہ لائلپور

آئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض خبیثوں صاحب سجادہ بلکہ قطب وقت بننے والا
کو یہ لفظ کہتے سنا کہ عالم کون ہے ؟ سب پنڈت ہیں[1]

اس میں مولانا احمد رضا اپنی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ لوگ مجھے پنڈت سمجھتے ہیں۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ مولانا کی ساری دینی محنت بھی تو آخر اسی لیے تھی کہ اس ملک میں ہندوازم پھر سے جاگ اٹھے اور مسلمان دیوالی کی مٹھائی اگلے دن کھایا کریں۔

ہولی اور دیوالی اگلے دن منانا

ہندو جس دن ہولی اور دیوالی مناتے ہیں، مٹھائی بانٹتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے پیروں کو مشورہ دیا اسے ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔ مشورہ یہ ہے کہ ہندوؤں کی ہولی کی مٹھائی اس سے اگلے دن اور دیوالی کی مٹھائی اس سے اگلے دن کھایا کریں۔ یہ اگلے دن کا التزام خود ان کی قربت نہیں تو اور کیا ہے ؟

عرض : کافر جو ہولی اور دیوالی میں مٹھائی وغیرہ بانٹتے ہیں مسلمانوں کو لینا جائز ہے یا نہیں ؟

ارشاد : اس روز نہ لے ہاں اگر اگلے روز دے تو لے لے[2]

ہندو اگلے روز تو تبھی دینے آئیں گے جب انہیں معلوم ہو کہ آج ان کے ہاں بھی ہولی یا دیوالی کی خوشی ہے ورنہ وہ کیوں دینے آئیں گے۔ مسلمانو! غور کرو۔ کس طرح ہندوازم کو مسلمانوں کے ذہن میں اتارا جا رہا ہے اور یہ سب کوشش اسی لیے ہو رہی ہے کہ ان کے عقیدہ میں ہندو عظمت، عزت پاک مانتے ہیں۔ بریلویوں کے حلقہ عقیدت میں ہندو عام آتے جاتے ہیں۔ اور بریلوی لوگ ہندوؤں کے تبرک اور ان کے نذرانوں کو پیر کامل کی صحیح تربیت کا صلہ سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں بزرگوں کی محبت کے لیے مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے۔

---

[1] فتاویٰ افریقہ ص۱۵۲ [2] ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ اول ص۱۱۱

پنڈت شومدت کا مرتبہ

کہتے ہیں کہ پنڈت شومدت کو جناب غوث علی شاہ صاحب سے بہت عقیدت تھی. پنڈت جی دہلی میں کمشنر کے سررشتہ دار تھے کمشنر کسی بات سے ان سے ناراض تھا. پنڈت جی مربے کا بھرا مرتبان لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے بس پھر کیا تھا کمشنر پنڈت سے راضی ہوگیا. ان کے مولانا ظہور الحسن سیرت غوثیہ سے نقل کرتے ہیں :۔

پنڈت جی نے ایک مرتبان جس میں مربہ بھرا ہوا تھا آپ کو پیش کیا. آپ نے پنڈت جی سے دریافت فرمایا کہ مرتبان میں کیا ہے ؟ پنڈت جی نے عرض کیا حضور کے لیے مربہ لایا ہوں. یہ سن کر آپ نے فرمایا. بہت خوب. مربی بیارو مربہ بخور.[1] پھر پنڈت جی سے مخاطب ہوئے. کہو صاحب! اب تو کمشنر صاحب تم پر بہت مہربان ہیں.[2]

عشق رسالت کے لیے مسلمان ہونے کی شرط ختم

بریلوی ہر جگہ عاشق رسول ہونے کا دعوے کرتے ہیں. عاشقانِ رسول کے نام سے جگہ جگہ انجمنیں بناتے ہیں. لیکن افسوس کہ جہاں بھی ان کا بس چلے وہ عشق رسالت کے لیے مسلمان ہونے کی شرط ختم کر دیتے ہیں. وہ ایسا عشق رسالت چاہتے ہیں جس کے لیے مسلمان ہونے کی کوئی پابندی نہ رہے. اس کی غرض اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ عامۃ المسلمین ہندوؤں کو بھی انجمن عاشقانِ رسول کا ممبر بنا سکیں. ان کے مولوی غلام جہانیاں صاحب لکھتے ہیں.

کچھ عشقِ محمد میں نہیں شرطِ مسلمان ہے کوثری ہندو بھی طلب گار محمدؐ

یعنی جو ہندو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب گار ہیں ان سے مرادیں مانگتے ہیں وہ کوثر سے دُھلنے کے لائق ہیں عشق رسالت کا یہ ایک ایسا مقام ہے جس کے لیے مسلمان ہونے کی کوئی شرط نہیں.

---

[1] ترجمہ کسی کو تربیت دینے والا بناؤ اور مربہ کھاؤ. [2] جم خانہ تصوف صہ ۵۶۲
[3] ہفت اقطاب صہ ۱۲۳

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرپا

ہندو تہذیب کے جاننے والے کرپا کے عمل سے ناآشنا نہ ہوں گے۔ مولانا احمد رضا خان حضرت شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہے اوگھٹ گھاٹ موری نیا یا عبدالقادر جیلانی

کرپا سے اپنی پار لگا یا عبدالقادر جیلانی ؎۱

دیکھیے برہمن کیسے بول رہا ہے اور حضرت شیخ سے کرپا کرنے کی درخواست کر رہا ہے۔ یہ برہمن کون ہے آپ خود معلوم کریں۔ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔

مہاراجہ عبدالقادر جیلانیؒ

سرکارِ بغداد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نہ کبھی ہندوستان آئے، نہ کبھی ہندو رہے۔ مولانا احمد رضا خاں اپنے پیروں کو مغالطہ دینے کے لیے کہ حضرت شیخ بھی ہندو تھے۔ (معاذ اللہ) کس ہوشیاری سے حضرت کو مہاراجہ ٹھہراتے ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں برہمنوں سے رس کھانا اسی طرح مقدس سمجھا جاتا ہے جس طرح عیسائی گرجاؤں میں پانی مسیح کے خون کے تصور سے پیتے ہیں ۔ مولانا احمد رضا خاں حضرت شاہ جیلانی کو مہاراجہ سمجھ کر عجیب ہندوانہ شان سے ان سے رس مانگتے ہیں :-

رس کھاوت ہوں سن ہی من میں کیا مکھ لے جاؤں سکھین میں

پت رکھ لے میری مہاراجہ یا عبدالقادر جیلانی ؎۲

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے درشن

ہندو اپنے دیوتاؤں کی یاد میں برہاگیت گاتے تھے۔ یہ فراق کا ایک نغمہ ہے جو مذہبی عقیدت میں دیوتاؤں اور نیتاؤں کی یاد میں گایا جاتا ہے۔ سدھر شن کے درشن ہوتے ہیں۔ مگر مولانا احمد رضا خان اپنے ہندو ہونے کے تصور میں حضرت شیخ کی یاد میں برہا کا گیت گاتے ہیں اور ان کے درشن

؎۱ حدائق بخشش حصہ سوم ص۲ ؎۲ ایضاً

کرتے ہیں:۔

درشن کو ترسے نیناں ترست ہیں لاج کی ماری گائے کیوں
میں برہا کی ماری یہ بپتا یا عبد القادر جیلانی [1]

ہندو محبوب کو پیتم کہتے ہیں اور برہمن کتھا باچا کرتے ہیں۔ مقدس کتابوں کا وعظ کہنا ان کے ہاں کتھا کہلاتا تھا۔ اب دیکھئے مولانا احمد رضا خاں کس طرح ہندوؤں کی مذہبی اصطلاح میں اتر کر کتھا باچتے ہیں:۔

نیناں ترست ہیں درشن کو میرے دکھ کی کتھا پیتم سن لو
اب دور کرو میری بپتا یا عبد القادر جیلانی [2]

دین کو عربی سے نکالنے کی کوشش

اسلام عالمگیر Universal دین ہے۔ مگر اس کا مرکز عرب ہے۔ خانہ کعبہ جس کی طرف مسلمان خواہ وہ کسی بھی ملک میں ہوں نماز میں رخ کرتے ہیں۔ مکہ مکرمہ (عرب) میں ہے۔ اسلام کی تمام اصطلاحیں عربی میں ہیں۔ قرآن کریم کی زبان عربی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عربی ہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عربی میں کلام فرماتے تھے۔ اہل جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔ ملائکہ (فرشتے) بھی اسی زبان میں بات کرتے ہیں۔ مگر مولانا احمد رضا خاں نقل کرتے ہیں:۔

صاحب کتاب ابریز کے شیخ فرماتے ہیں منکر نکیر کا سوال سریانی میں ہوگا اھ
کچھ لفظ بھی بتائے۔ [3]

صحیح حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ الفاظ بتائے جن سے منکر نکیر قبر میں سوال کریں گے۔ ماتقول فی ھذا الرجل [4] یہ عربی الفاظ ہیں۔ اب ان احادیث صحیحہ کے ہوتے ہوئے صرف ایک کشف کی بناء پر عربی کو سریانی سے بدلنا دین اصطلاحات کو مرکز سے جدا کرنا نہیں تو اور کیا ہے

[1] حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ [2] ایضاً [3] ملفوظات حصہ سوم صفحہ ۱۲ احمد رضا خاں نمبر صفحہ [4] زمسلام کہ سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھایا جاتا ہے شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی
[5] ملفوظات حصہ چہارم صفحہ [6] المیزان احمد رضا نمبر صفحہ ۱۲۱

اور خانصاحب کا اشارہ کہیں سنسکرت کی طرف تو نہیں کہ دونوں کے حرف چھ ہیں اور دونوں کی ابتدا سین سے ہے۔

شوال کا نام ہند کا مہینہ نام رکھنے کی تجویز

شوال عربی مہینوں میں بہت معروف مہینہ ہے۔ یہ عید الفطر کا مہینہ ہے۔ ناگپور میں ۱۳۷۹ھ میں بریلوی مذہب والوں نے اس کا نام بدلنے کی بہت کوشش کی۔ ان کے محدث اعظم (جنہوں نے کبھی کسی جگہ حدیث نہ پڑھائی تھی) نے فرمایا:۔

میرے پیارے سنی بھائیو! یہ شوال کا مہینہ ہے اور یہ اپنی عظیم خصوصیت کی وجہ سے مستحق ہے کہ ہم اسی ماہ کا نام اہل سنت والجماعت "ہند کا مہینہ" رکھیں[۱]

اس تجویز کو ربع صدی کا عرصہ گزر رہا ہے لیکن بریلوی ابھی تک اس کا نام "ہند کا مہینہ" نہیں کر سکے۔ ان کی دین کو ہندی بنانے کی کوشش ہر لحاظ سے لائق مذمت ہے۔ ملک میں ہندوازم کی نشاۃ جدیدہ کے لیے اس راہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

جب ہندوستان میں تقسیم ملک کی تحریک شروع تھی بریلوی مارہرہ شریف اور حزب الاحناف لاہور سے مسلم لیگ کے خلاف فتوے شائع ہو رہے تھے۔ بہت سے بریلوی عوام اپنے ان نیتوال کے فتوؤں کے خلاف تھے تو مسلم لیگ کے بعض رہنماؤں نے بریلویوں کی تائید حاصل کرنے کے لیے ان کے بعض علماء سے رجوع کیا اور کہا کہ وہ ان کے ان علماء کی جو مطالبہ پاکستان کے خلاف تھیں ایک ایک ملک گیر کانفرنس رکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر بریلویوں کے اسی محدث اعظم نے ان سے گذارش کی تھی کہ یہ کارنامہ بنارس کے مقدس شہر میں سرانجام دیا جائے۔

ہردوار میں فقیر ہر سال عرس پر حاضر ہوتا ہے اس جگہ کانفرنس رکھی جائے میں اس کا مخالف نہیں لیکن اس زمانے میں سنی بھائی بنارس کے مقدس شہر میں اکٹھے ہو کر تاریخی فیصلہ کریں۔ مارہرہ شریف کا مسلم لیگ کے خلاف فتویٰ ہمیں منظور نہیں[۲]

---

[۱] المیزان احمد رضا نمبر ص۲۴ [۲] اشتہار "مارہرہ شریف کا فتوے نہ مانیے" مسلم لیگ کا فتوے مطبوعہ مراد آباد

بریلوی مذہب کے وہ چند لوگ جو پاکستان کے حامی تھے اپنی اس آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کا بڑے احترام سے ذکر کرتے ہیں:۔

یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے حلقہ خاص کے لوگ بنارس کی اس کانفرنس سے الگ تھلگ رہے۔ اس لیے ان پر یہ بیان کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ انہوں نے بنارس کو کس پہلو سے مقدس کہا۔ تاہم ان بریلوی ملا فتوے یہ تھا کہ مسٹر محمد علی جناح کو قائد اعظم کہنا درست نہیں:۔

کیا کوئی سچا ایماندار مسلمان کسی کتے کو اور وہ بھی دوزخیوں کے کتنے کو اپنا قائداعظم سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں[۲]

اس سے انکار نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں کے اس حلقہ خاص میں انکی نسبت ہمیشہ ہند کی طرف کی جاتی تھی۔ گو یہ لوگ مقصد دروں پردہ کا پتہ نہیں چلنے دیتے تھے لیکن ان کی مختلف کارروائیاں سے یہ بات ضرور معلوم ہوجاتی ہے کہ بریلوی عقائد وافکار سے ہندوازم کی نشأۃ جدیدہ ہو رہی ہے مولانا احمد رضا خاں کے مدرسہ کے مشہور نعت خواں حافظ خلیل صاحب کس رازدانہ انداز میں اپنے ہندی ہونے کا ذکر کرتے ہیں:۔

یہ سائل ہند کا ہے نام حافظ تمہیں روشن ہے جو مطلب ہے جی کا[۳]

محترم! آپ صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ آپ کا مطلب کیا ہے۔ کیوں بے خبری میں بھول بھلیاں دے رہے ہو۔

ہندوؤں کی رسمیں فوت شدگان کے بارے میں

قدیم ہند میں فوت شدگان کے بارے میں جو ہندو رسوم رائج تھیں ان میں سے بعض کا تذکرہ علامہ ابوریحان البیرونی (۴۳۰ ھ) نے کیا ہے علامہ موصوف سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے اور ہند وتہذیب کو انہوں نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ہندوؤں کا اعتقاد تھا کہ میت

---

[۱] [۲] مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری [۳]

کی روح نو (۹) دن تک اپنے گھر آتی رہتی ہے اور گھر والے ان دنوں کھانا پکا کر ساتھ پانی کا برتن گھر کے سامنے رکھتے ہیں. کہ میت کی روح ناراض نہ ہو. اور پھر دسویں دن میت کے وسیع پیمانے پر کھانا تیار کیا جاتا ہے.

کیا آج ہندوؤں کی یہی رسوم مسلمانوں کے ہاں رائج نہیں. چند بریلوی ہوتے ہیں جو مسلمانوں میں ہندوازم کی نشأۃ جدیدہ کے لیے کام کرتے ہیں. مگر عام مسلمانوں کی دین سے اتنی بے پرواہی ہے کہ بغیر کسی تحقیق کے وہ ہندوؤں اور بریلویوں کی ان رسوم کو اپنا لیتے ہیں. احباب اعتراض اس لیے نہیں کرتے کہ ان کے لیے کھانے پینے کا اچھا سامان ہو جاتا ہے. کسی کی مرگ ہوئی اور دوستوں کی دعوتیں اڑنے لگیں. کبھی تیجا ہے، کبھی ساتواں، کبھی جمعرات ہے اور کبھی شب برات. جس میں روحیں روحوں سے ملتی ہیں اور کبھی اکیسواں ہے اور کبھی چہلم.

ہندوؤں کے ہاں مختلف میتوں کے بڑے ختم کے مختلف دن مقرر ہیں. برہمن کے لیے گیارہواں دن. کھتری کے لیے تیرہواں دن، ویش کے لیے جو کھیتی باڑی کرتے ہیں پندرہواں دن اور شودر وغیرہ کے لیے اکیسواں یا تیسواں دن مقرر ہے. ان کے ہاں ختم کو سرادھ کہتے ہیں.

جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول اس پہ پنڈت کو بلوا کر کچھ وید پڑھواتے ہیں[1]

بریلوی مذہب میں بھی

جب کھانا تیار ہو جائے تو اس پہ مولوی کو بلوا کر کچھ قرآن پڑھواتے ہیں[2]

ایصالِ ثواب کا مسئلہ بے شک صحیح ہے اور حدیثوں سے ثابت کرتا ہے. لیکن اس کے لیے بریلویوں نے جو صورت تجویز کر رکھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جو یہ عقیدہ پھیلا رکھا ہے کہ فوت شدگان کی روحیں کھانے اور پانی کی طلب میں گھروں کو لوٹتی ہیں. یہ اگر ہندوازم کی نشأۃ جدیدہ نہیں تو اور کیا ہے.

مولانا احمد رضا خاں اور اندرا گاندھی

بریلوی مکتبِ فکر میں ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی سوچ اور دور حاضر مسز اندرا گاندھی کی سی تھی بریلوی

---

[1] کتاب الہند صہ [2] مقصر از الحجۃ الفاتحہ صہ

کو مولانا احمد رضا خاں کی مثال بیان کرنی تھی مثال کہاں جب ہر طرف سے مایوس لوٹے تو مسز اندرا گاندھی کے دامن میں پناہ لی. ان کے ماہنامہ المیزان بمبئی کے احمد رضا نمبر میں ہے:۔

جس طرح ہماری وزیر اعظم نے ملک میں پھیلائی جانے والی علاقائی عصبیت، لسانی تنگ نظری، اقتصادی بدحالی معاشی ابتری اور قومی بے چینی کے خاتمے کے لیے ایمرجنسی کو ضروری ولازم سمجھا. اسی طرح مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے ملت میں پھیلائی جانے والی دہریت، نیچریت، تجدیت اور قادیانیت کے خاتمے کے لیے اسلامی ایمرجنسی کے نفاذ پر مجبور ہونا پڑا.

ناظرین کرام پر واضح ہو چکا ہو گا کہ دور حاضر کی قومی ایمرجنسی اور سو سال پہلے والی ایمرجنسی میں کس قدر مطابقت ہے[1]

مولانا احمد رضا خاں کے مسلک کی وضاحت کے لیے کیا بریلویوں کو مسز اندرا گاندھی کی ہی مثال مل سکتی تھی؟ یہ بات اپنی جگہ اہم ہے. لیکن یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ بریلوی مذہب والے قومی ایمرجنسی کو اسلامی ایمرجنسی کے مقابل میں لاکر یہ بات بھی کہہ رہے ہیں کہ ان کے ہاں قوم اور ملت میں فرق ہے. قوم اُن کے ہاں وطن سے بنتی ہے اور دین مولانا احمد رضا خاں سے نسبت رکھتا ہے جیسا کہ آپ نے خود وصیت کی تھی:۔

میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے[2]

ہندوستان کے مسلمانوں پر یہاں کی ہندو تہذیب نے کیا اثر ڈالا اور بریلوی مذہب اپنی رسوم میں کس قدر ہندوؤں کے قریب ہے. اس کی چند جزئیات آپ کے سامنے پیش کر دی گئی ہیں اس سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بھی مسلمانوں میں ہندوؤں کے اثرات آنے کا اس درجہ میں شکوہ کر چکے ہیں

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

یقین واثق ہے کہ ہندوستان کے ہندوؤں کے دیگر رسوم انجام دینے کی طرح

---

[1] المیزان احمد رضا نمبر ص۱۱۱ [2] وصایا شریف ص

ہندی مسلمانوں نے اس رسم کی پیروی کی ہے جیسے ہندو دیوالی کے تہوار پر اپنے گھروں کی دیواروں اور طاقوں میں دیئے جلاتے ہیں اور ہندوستان کے ہندوؤں ہی کفر کی وجہ سے بدعتی امور بکثرت رائج ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کے ہندوؤں سے بڑے اختلاط رہے۔ ہندوؤں نے اپنی عورتوں عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کی شادیاں کیں اسی اختلاطِ عام اور رہن سہن کے طریقے اختیار کرنے کے سبب سے مسلمانوں نے بھی روشنی کرنے کی رسم ڈال لی ہے۔ بعض کہتے ہیں اگر ہم بھی کسی سیٹھ ساہوکار سے کم نہیں جس طرح وہ روشنی کرتے ہیں ویسی ہی بلکہ اس سے اچھی ہم کرتے ہیں۔

بعض متاخرین علماء کا بیان ہے کہ مخصوص راتوں میں بکثرت روشنی کرنا بدعتِ شنیعہ ہے۔ اس لیے ضرورت سے زیادہ روشنی کرنے کے مستحب ہونے کا شریعت میں کوئی حکم نہیں ہے۔[۱]

حضرت علامہ شاطبیؒ جن کی مختصر عبارت ہم پہلے دے آئے ہیں لکھتے ہیں:۔

ان النار ليس ايقادها فی المساجد من شان السلف الصالح ولا كانت مما تزين بها المساجد البتة ثم احدث التزيين بها حتى صارت من جملة ما يعظم به رمضان واعتقد العامه هذا۔

ومثله ايقاد الشمع بعرفة ليلة الثامن من ذی الحجة ذكر النووی انها من البدع القبيحة والضلالة الفاحشة جمع فيها انواع من القبائح منها اضاعة المال فی غير وجهه ومنها اظهار شعائر المجوس[۲]

ترجمہ: سلف میں مسجدوں میں چراغاں کرنے کا رواج نہ تھا اور نہ قطعاً وہ چیزیں تھیں جن سے مسجدوں میں زینت کی جاتی ہے پھر تزئین جاری ہوئی یہاں تک کہ اس رمضان کی تعظیم کی جانے لگی اور عوام یہی اعتقاد کرنے لگے۔

اور اسی طرح عرفہ کی رات ذوالحجہ کی آٹھویں کو شمع جلانا ہے۔ امام نووی نے کہا ہے

---

[۱] ماثبت بالسنۃ ص۲۸۱ مومن کے ماہ وسال [۲] الاعتصام جلد ۲ ص۲۴

کہ یہ بہت بُری بات ہے اور کھُلی گمراہی ہے جس میں کئی قسم کی برائیاں جمع ہیں جیسے مال کا اپنے غیر محل پر ضائع کرنا اور مجوسیوں کے شعائر کو اپنانا۔ وغیرہا۔

مسلمانوں میں ہندو تہذیب کس طرح گھس آئی ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ زبدۃ الفقہا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ بھی لکھتے ہیں:۔

ثانیاً اس میں تشبہ ہے ہندوؤں کی دیوالی کے ساتھ۔ ثالثاً اسراف بے جا ہے
رابعاً اس کی وجہ سے مساجد ایک کھیل تماشا کی جگہ بن جاتی ہیں[1]

مولانا احمد رضا خاں کو بھی احساس تھا کہ دیوالی کی رسم مسلمانوں میں سرایت کر رہی ہے۔ آپ نے اس تشبہ سے نکلنے کی یہ صورت نکالی کہ ہندوؤں سے مٹھائی لے تو لیا کریں مگر کھائیں اسے اگلے دن۔ تاکہ لوگوں کی نظروں میں تشبہ بالہنود سے بچ سکیں۔

افسوس! خانصاحب نے یہ نہ سوچا کہ جب آپ نے مٹھائی لے لی (گو کھائی اگلے دن جب کوئی دیکھنے والا سامنے کھڑا نہ تھا) تو کیا آپ ہندو تہذیب سے بچے رہے اور ہندوؤں نے کیا آپ کو غیر سمجھا —— تشبہ سے نکلنے کی کتنی عجیب صورت آپ نے تجویز کی ہے کہ مٹھائی بھی ہاتھ سے نہ جائے اور ہندو بھی آپ سے ناراض نہ ہوں۔

اب مزاروں پر ہندو مسلمانوں کے ساتھ کس طرح آملے ہیں اس کے لیے ذرا کچھ وقت نکال کر شام چوراسی ضلع ہوشیارپور میں جناب شیخ عبدالغنی (۱۱۴۶ھ) کے مزار پر حاضری دیجئے۔ سکھ اور مسلمان وہاں مل کر چادریں چڑھاتے ہیں۔ انسان اس منظر کو دیکھ کر محسوس کرتا ہے کہ بریلویت کس طرح ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ اب ایک ہوتی جا رہی ہے۔

یہ لوگ کون ہیں؟ یہ لالہ لوہٹر مل قوم کھتری کے صاحبزادہ ہیں — کیا انہیں ولایت مسلمان ہونے کے بعد ملی یا یہ ہندوؤں میں ہی تھے جب آپ ولایت کے مقامات کبریٰ اور صغریٰ طے کر چکے تھے۔

لالہ بھوپت رائے کی پیدائش

آپ اکبر بادشاہ کے دور میں ۱۰۲۸ھ میں پیدا ہوئے —— جناب محمد سلیم نقشبندی نے آپ کے

---

[1] امداد المفتیین جلد ۲ صفحہ ۵۷

حالاتِ زندگی پر تذکرہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں آپ حضرت لالہ محبوب رائے کی پیدائش پہ لکھتے ہیں:۔

> نومولود نے سارا دن والدہ ماجدہ کا دودھ نہ پیا۔ البتہ شام کو افطاری کے وقت دودھ پیا۔ اس طرح گویا آپ نے پہلا روزہ رکھا۔ جب آپ بڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بچپن میں قوتِ گویائی عطا فرمائی تھی مگر میں نے کلام نہ کیا کہ مجھے جن یا مُبرت نہ سمجھیں۔ آپ کا ہندوانہ نام لالہ محبوب رائے رکھا گیا۔[1]

بین المذاہب عرسوں کا مظاہرہ

تذکرہ میں شیخ عبدالغنی کے عرس مبارک ۱۹۸۰ء کی تصویر دی گئی ہے جس میں ہندو اور بریلوی مل کر رسم چادر پوشی ادا کر رہے ہیں۔ تصویر میں سکھ اپنی پگڑیوں سے پہچانے جا رہے ہیں اور سکھ عورتیں مزار شریف پر ختم پڑھ رہی ہیں۔

عرس مبارک ۱۹۸۸ء کے موقعہ پر پھر ختم شریف پڑھا جا رہا ہے۔ ایک سکھ عورت اور دو سکھ مرد مزار اقدس پہ حاضری دے رہے ہیں۔

پھر کتاب کے آخر میں دیکھیں، حاجی عبدالمجید چشتی نعت خواں محمد حسین قادری لالہ بنارسی داس چیئرمین اور بتندر کمال بموقع عرس نذرانہ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

عرس کا متولی گورشرن سنگھ

پھر تذکرہ پڑھنے والا جب آخر میں یہ پڑھتا ہے کہ انڈیا کے محکمہ ریلوے پنجاب کا آڈیٹر گورشرن سنگھ جو اپنے آپ کو حضرت شیخ کی نسبت سے شامی لکھتا ہے، اٹھارہ برس سے اس مزار مبارک کا متولی عرس چلا آ رہا ہے تو اس میں کوئی تردد یا شک نہیں رہتا کہ بریلویت ان دنوں ہندو مذہب کی ایک نشأۃ جدیدہ ہے کہ اس دائرہ میں ہندو بننے کے لیے اسلام چھوڑنا ضروری نہیں۔ بریلویت میں

---

[1] تذکرہ شیخ عبدالغنی الشامی ۲۴۲ جی گلشن راوی لاہور طبع ۱۹۸۹ء

یہ دونوں نسبتیں آپ کو بیک وقت ملیں گی۔

یہ صرف دوسروں کا ہی تبصرہ نہیں بریلویوں نے خود اپنے اور ہندوؤں کے مابین شباہتیں قائم کی ہیں جس طرح مسلمانوں اور اہل کتاب میں انبیاء سابقین مشترکہ سرمایۂ ایمان ہیں مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی مشترکہ اساس نہیں نہ ہندو کسی درجے میں اہل کتاب ہیں ان کا سماج مسلمانوں سے کلیۃً جدا ہے

مگر افسوس کہ بریلویوں نے اپنے حاشیہ قرآن پر کرشن کو جگہ دے دی اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ متشابہ کر دیا مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے جانشین مفتی احمد یار خاں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں لکھا تھا۔

مشرکین آپ کو کرشن کہہ کر آپ کا احترام کرتے ہیں[1]

اب عام لوگ جو گھر میں قرآن پاک ترجمے سے پڑھتے ہیں وہ جب اپنے قرآن میں کرشن کا نام دیکھیں گے تو کیا کرشن مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ متاع نہ بن جائیں گے۔ یہ ہندو مذہب کی طرف نہایت خطرناک قدم ہے ایک دوسرے مقام پر پھر قرآن کریم کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

ہند کے مشرک انہیں کرشن کا نام دے کر تعریفیں کرتے ہیں مشرکین عرب بھی اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے۔[2]

حضرت ابراہیم جیسے موحد کو مشرکوں اور مشرکوں کی بھی متاع بتانا خواہ وہ ہندوستان کے مشرک ہوں یا عرب کے کیا کسی غیر مشرک کا کام ہو سکتا ہے اگر نہیں تو آپ ہی فیصلہ فرمائیں بریلویت ہندو ازم کی طرف ایک ظالمانہ قدم ہے یا نہیں؟

ہندو تصورات میں ارجن دیو کا جو مقام ہے بریلوی اسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے ثابت کرتے ہیں اور افسوس کہ یہ بات بھی بریلوں نے حاشیۂ قرآن پر لکھ دی ہے۔

مجھ سے ایک مذہبی ہندو نے کہا کہ جنہیں تم ابراہیم کہتے ہو ہم انہیں کرشن جی کہتے ہیں اور حضرت اسماعیل کو ارجن[3]

ایسا مفتی آپ کو پاک و ہند میں آپ کو کہیں اور نہ ملے گا جو ہندوؤں کی باتیں اپنے حاشیہ قرآن پر لکھ دے اور اس کے پیرو اسے خدا کا کلام سمجھ کر پڑھ رہے ہوں ـــــ افسوس صد افسوس

؎ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

---

[1] نور العرفان حاشیہ قرآن صفحہ ۴۹۲ [2] ایضاً صفحہ ۵۹ [3] ایضاً صفحہ ۴۹۲

یہ فقط ہماری رائے نہیں کہ بریلویت ہندوازم کی نشأۃ جدیدہ ہے بلکہ انگریز مؤرخین اور مستشرقین جنہوں نے ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ بریلی کا تقابلی مطالعہ کیا وہ بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔
یہ لکھتے ہوئے کہ بریلویت میں مسلمانوں کے صرف نچلے طبقے کے لیے کشش ہو سکتی ہے فٹ نوٹ میں لکھتا ہے۔

The school adhered to corruption of Islam such as saint worship and intercession at tombs, these were common among convertts particularly in rural areas, where often there were considerable similarities between Hindu and Muslim practices.

The Muslims of British India A foot-note on p.268.

ترجمہ۔ یہ سکول (بریلوی مکتبِ فکر) اسلام میں تحریف corruption کا مرتکب ہے پیر پرستی اور قبروں کو واسطہ نجات بنانا یہ اسلام میں تحریف ہے۔ یہ اُمور نئے مسلمان ہونے والوں خاص طور پہ دیہاتی علاقوں میں عام پائے جاتے ہیں۔ ان علاقوں میں حال یہ ہو چکا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے طور طریق میں قابل غور مشابہتیں موجود ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ مدرسہ بریلی دارالعلوم دیوبند کی طرح حنفی فقہ کا دعوے دار ہے لیکن ان کے قبروں پہ سجدے اور طواف اور پیروں میں خدائی طاقتوں کے تصورات، یہ وہ جاہلی عقائد ہیں جو دیوبند والوں کے لیے ایک calamity (لعنت) سے کم نہ تھے۔ صرف دیوبندی ہی نہیں فرنگی محل کے علماء بھی بریلویوں کی ان حرکات کو وحشت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ P. Hardy لکھتا ہے۔

اگرچہ بریلی مکتبِ فکر دیوبند والوں کی طرح فقہ حنفی کا قائل تھا اور اسلام کی کسی نئی تشریح کے خلاف تھا لیکن اس کا قبر پرستوں کی حمایت کرنا اور قبروں کو واسطہ نجات سمجھنا اور ولیوں میں کرامتوں کی طاقتیں تسلیم کرنا خالص العقیدہ دیوبندیوں کے لیے اصولِ اسلام سے ایک قطری انحراف تھا۔ فرنگی محل کے علماء بھی ان عقیدوں میں بریلویوں کے خلاف تھے۔

اب ہم محض ان کے دعوے حنفیت سے انہیں کیسے حنفی مان لیں فقہ حنفی میں تو ان خرافات کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے جن میں یہ لوگ اس قدر کھو چکے ہیں کہ اپنا سب کچھ کھو چکے ہیں۔

دین عقائد و اعمال کا نام ہے۔ اگر یہ لوگ چند فقہی مسائل میں فقہ حنفی پر عمل کریں اور عقائد و افکار میں ہندوں کے زیر اثر چلیں تو پی ہارڈی کی یہ تحقیق درست معلوم ہوتی ہے ایسے مسلمانوں (بریلویوں) اور ہندوں میں قابل غور مشابہتیں موجود ہیں۔

افسوس صد افسوس ـــــ کہ وہ مذاہب جنہیں اسلام نے علم و عرفان اور قوت و برہان سے ایک وقت فیصلہ کن شکست دی تھی اب پھر سے سر اٹھا رہے ہیں اور ان کے طور و طریقے نہایت دبے انداز میں پھر سے مسلمانوں میں گھس گئے ہیں۔ قبر پرستی کس طرح ان کو حجر پرستی اور بت پرستی کے قریب لے آئی ہے۔

ہندوازم اس رجعت میں جن چور دروازوں سے داخل حریم اسلام ہوئی ان میں بریلوی عقائد و نظریات اور مولانا احمد رضا خاں کے افکار و خیالات کو خاصا دخل ہے اور اگر آپ اس پر کچھ محنت کریں تو بریلویت کو ہندو مذہب کا ہی ایک طور جدید پائیں گے۔

اند کے با تو گفتم دلیک ترسیدم
کہ آزردہ دل نشوی ورنہ سخن بسیار است

اب آیئے آپ خود ان درباروں کی زیارت کریں جہاں بریلوی حضرات اور سکھ پردھان مل کر مزاروں پر حاضری دیتے ہیں۔

ہم مجبوراً یہ تصویریں ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہمارے بہت سے کار فرما بسا اوقات ان حقیقتوں کا انکار کر دیتے ہیں جو ان مجلسوں اور درباروں میں دن رات ہو رہی ہیں۔
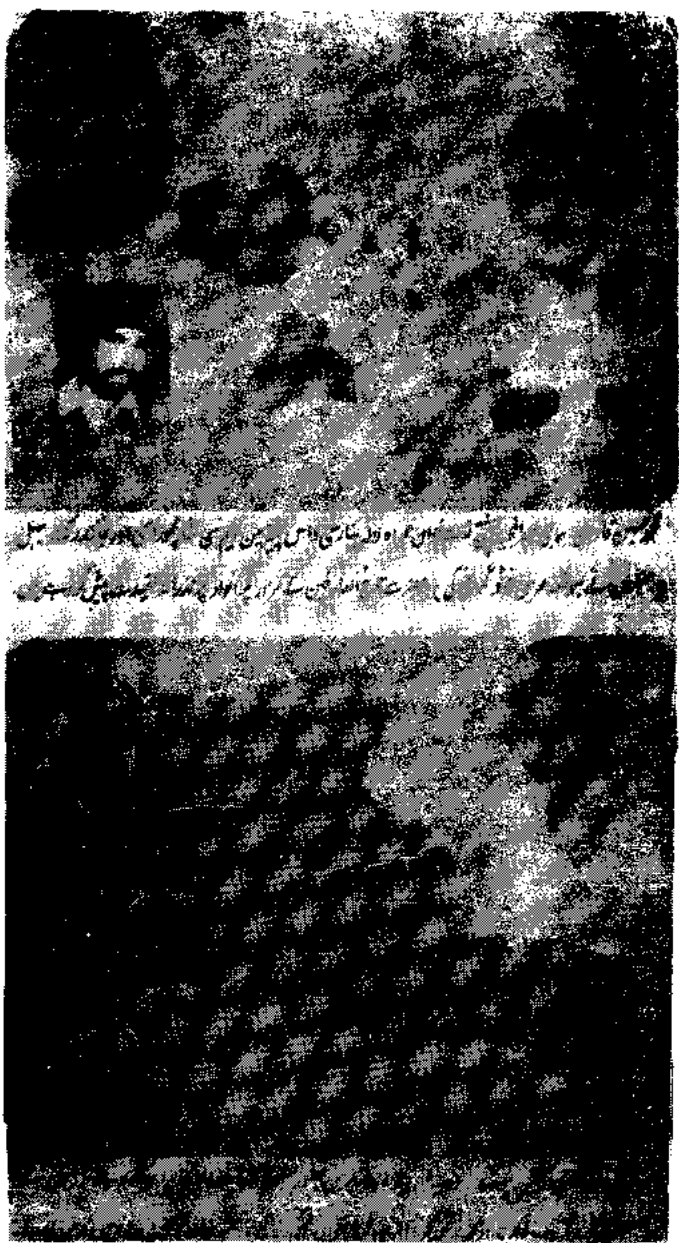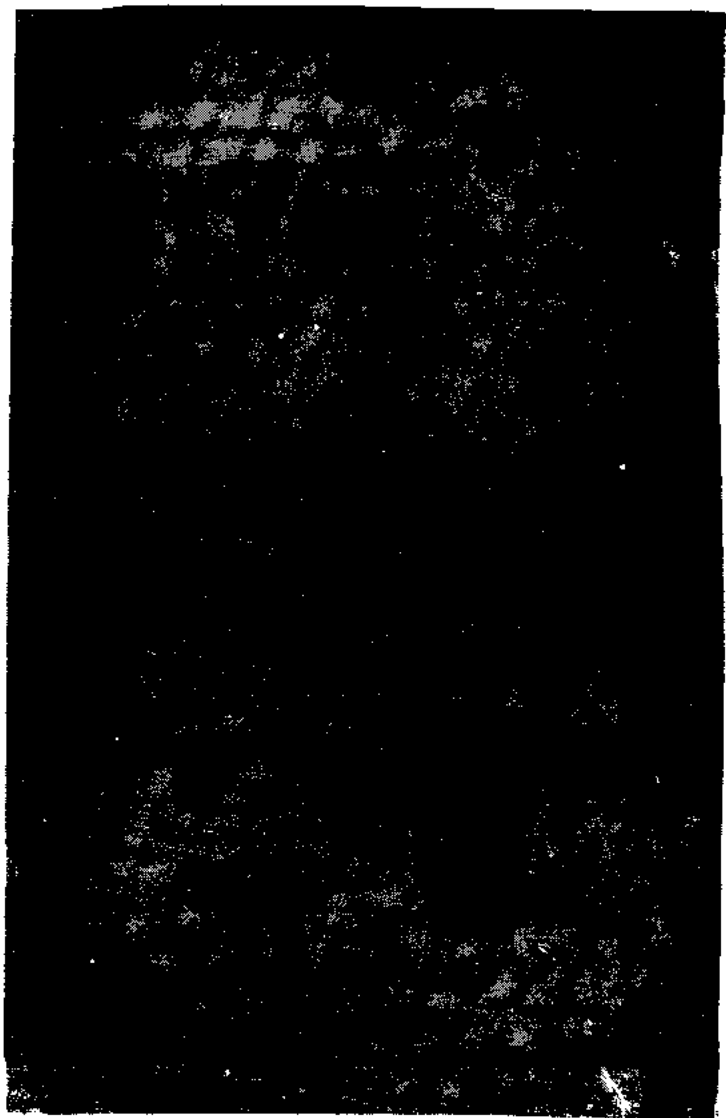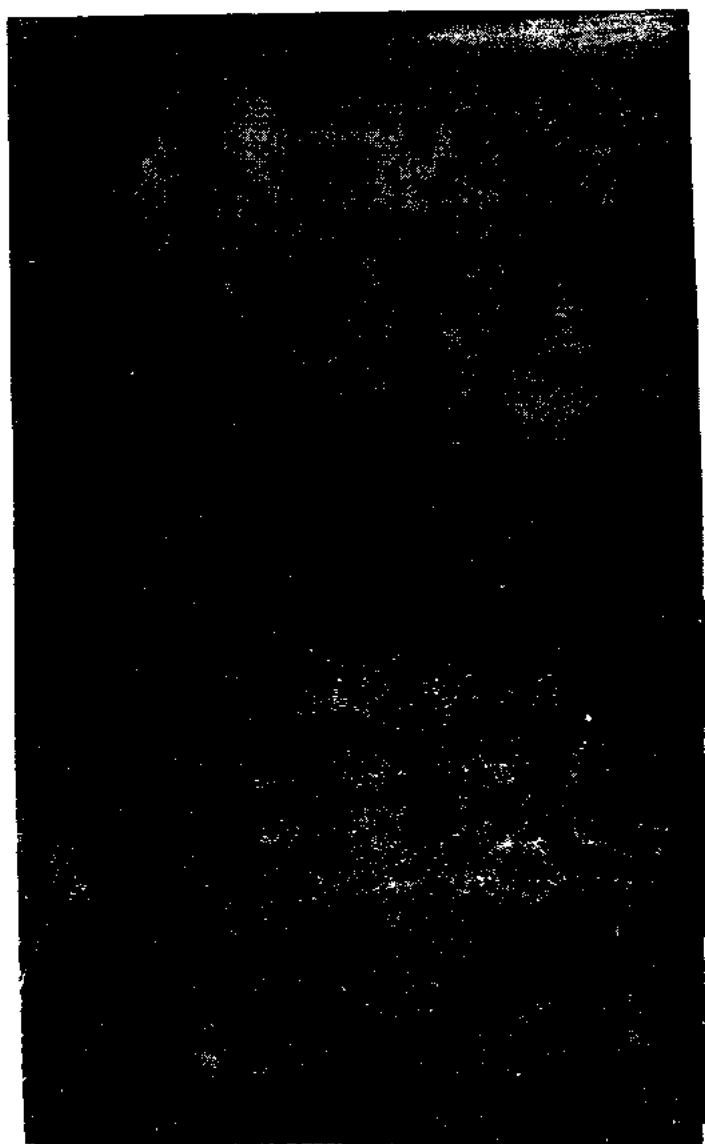
مسیحیت کا طورِ جدید

بریلوی عقائد کے اندھیروں میں

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے: پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

مسیحیت کا طورِ جدید
مسلمان مسیحی اثرات کے سائے میں

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا تم اہل الکتاب کے نقشِ قدم پہ چلو گے اور یہ صرف اعمال میں ہی نہ ہو گا، مسلمان عقائد میں بھی اُن سے اثر لیں گے، آپ نے نصاریٰ کا نام لے کر فرمایا، میری تعریف میں اس طرح نہ بڑھنا، جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں حدود پھلانگ گئے۔

مقامِ نبوت پُرانے عہد نامے میں

نبی لوگوں کو خدا کی خبریں دیتا ہے اور اس کے احکام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ دنیوی اُمور میں وہ باعلامِ الٰہی کوئی غیب کی بات بتا دے تو ایک معجزہ ہے، فن نہیں۔ مگر بنو اسرائیل اسے پہلے دنوں میں ایک فن سمجھتے تھے۔ یہ نبیوں کے پاس اس لیے نہ جاتے تھے کہ انہیں اُن سے خُدا کی مرضیات اور عدم مرضیات کا پتہ چلے۔ بلکہ اس سے کچھ غیبی اُمور کا مشورہ لیں۔ وہ اسے پیغمبر کی بجائے غیب جاننے والا کہتے۔ نبی کی اصطلاح اُن کے ہاں بہت بعد میں آئی ہے۔

نبی کے ہاں حاضری دیتے تو اس خطاب سے، اے غیب جاننے والے ــــ انگریزی میں اس کا ترجمہ Seer سے کیا جاتا۔ جس کا معنی ہے غیبی باتوں کو دیکھنے والا ــــ عربی میں اسے "ناظر" کہتے ہیں۔ سو ان کے نزدیک غیب جاننے والا اور حاضر و ناظر ایک منصب کے دو نام تھے۔

عیسائیوں کی کتابِ مقدس کے پہلے حصے میں (جسے پُرانا عہد نامہ کہا جاتا ہے) سموئیل پیغمبر کی کتاب کے نویں باب میں ورس ۹، ۱۰ یُوں ہیں:۔

اگلے زمانہ میں اسرائیلیوں میں جب کوئی خدا سے مشورہ کرنے جاتا تو یہ کہتا تھا، کہ آؤ غیب بین Seer کے پاس چلیں۔ کیونکہ جس کو اب نبی کہتے ہیں اس کو پہلے

غیب بیں Seer کہتے تھے۔ تب ساؤل نے اپنے نوکر سے کہا، تو نے کیا خوب کہا، آ ہم چلیں۔ سو وہ اس شہر کو جہاں وہ مردِ خدا تھا چلے۔ اور اس شہر کی طرف ٹیلے پر چڑھتے ہوئے اُن کو کئی جوان لڑکیاں ملیں جو پانی بھرنے جاتی تھیں انہوں نے اُن سے پوچھا، کیا غیب بیں یہاں ہے۔ انہوں نے ان کو جواب دیا۔ ہاں ہے۔[1]

اس سے پتہ چلا کہ اہلِ کتاب کے پہلے تاریک دور میں مردِ خدا کو غیب بیں Seer کہا جاتا تھا ——— پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی اصلاح فرمائی اور اب انہیں نبی کہا جانے لگا۔ ان کے عقیدہ میں وہ اپنی غیبی قوتوں سے ہونے والے اُمور کو دیکھ لیتے تھے۔ اسی لیے ان کو Seer کہا جاتا تھا۔ یعنی حاضر و ناظر۔

اس کتاب کے اسی باب میں ورس ۵۔۶ اس طرح ہیں:

ساؤل اپنے نوکر سے جو اس کے ساتھ تھا کہنے لگا ... دیکھ اس شہر میں ایک مردِ خدا ہے جس کی بڑی عزت ہوتی ہے جو کچھ وہ کہتا ہے وہ سب ضرور ہی پورا ہوتا ہے۔ سو ہم اُدھر چلیں، شاید وہ ہم کو بتا دے کہ ہم کدھر جائیں۔[2]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان دنوں ان مردانِ خدا کی شہرت لوگوں کو خدا سے ملانے کی بجائے غیبی خبریں بتانے والوں کے عنوان سے زیادہ تھی۔ لوگ اس لیے ان کے پاس آتے تھے کہ یہ غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاں ان دنوں کاہنوں، نجومیوں اور غیب کی خبریں دینے والوں کو نبی کہتے تھے۔ نبوت کا جو تصور اسلام میں ہے وہ ان کو حاصل نہ تھا۔ پیشگوئی کرنا ان کے ہاں ایک فن تھا۔ جس کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ چیمبرز انسائیکلو پیڈیا میں ہے:

سموئیل نبی نے ۱۰۷۲ ق م سے ۱۰۳۰ ق م تک اس فن کے سکول کھول رکھے تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اُن کے نزدیک خدا سے اطلاع پانے والے کا ہی نام نہیں، غیبی خبریں دینے والے کاہن اور نجومی بھی نبی کہلاتے تھے اور لوگ ان سے اس طرح مخاطب ہوتے

---

[1] ا۔ سموئیل باب ۹ ورس ۹، ۱۰ [2] ایضاً ورس ۵۔۶

تھے ,, اے غیب جاننے والے ، اس کی تائید نئے عہد نامے کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے ،.

دوسرے دن ہم روانہ ہو کر قیصریہ میں آئے اور فلپس مبشر کے گھر جو اُن ساتوں
میں سے تھا اُتر کر اس کے ساتھ رہے ، اس کی چار کنواری بیٹیاں تھیں ، جو
نبوت کرتی تھیں اور جب ہم وہاں بہت روز رہے تو اگبس نام ایک نبی
یہودیہ سے آیا[1]

اب یہ لڑکیاں جو نبوت کرتی تھیں وہ کون سی نبوت تھی ؟ کہانت اور نجوم اور جفر سے غیب کی باتیں جان لینا اور غیبی امور کر توجہ اور کشف سے دیکھ لینا ، یہ اُن کے ہاں ایک فن تھا۔ اس فن والے کو یہ لوگ Seer (حاضر و ناظر) کہتے تھے غیب جاننے والا ، غیب دیکھنے والا اور حاضر و ناظر ، یہ سب اس مرد خدا کی صفات تھیں جن کے پاس یہ لوگ غیب کی باتیں پوچھنے جاتے تھے۔

اسلام میں نبوت کا مقام

اسلام میں نبی کسی نجومی یا کاہن کو نہیں کہتے نبی وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ چنتا ہے۔ کوئی شخص اپنی محنت ، ریاضت اور عبادت سے نبی نہیں بن سکتا۔ یہ ایک خدائی موہبت ہے ، وہ جسے چاہے دے۔ نبی کی بعثت اس لیے ہے کہ وہ لوگوں تک خدا کے احکام پہنچائے۔ غیب کی دنیوی خبریں دینا جو کہ ایک فن بن گیا ہے اُن کا موضوع بعثت نہیں ہوتا۔ علم کلام کی کتابوں میں نبی کی یہ تعریف کی ہے علامہ سید شریف ، علامہ عبدالعزیز ، ملا علی قاری اور علامہ طحطاوی علی الترتیب لکھتے ہیں

انسان بعثه الله الی الخلق لتبلیغ الاحکام[2]

ترجمہ: رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف اپنا حکم دے کر بھیجے۔

والرسول انسان بعثه الله تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام الشرعیة۔ نبراس ص۴۹

والصحیح ان النبی انسان اوحی الیه سواء اُمر بالتبلیغ اولا والرسول مَن اُمر بتبلیغه[3]

وهو انسان حرذکر اوحی الیه بشرع وامر بتبلیغه فان لم یؤمر بتبلیغه فهو نبی فقط[4]

افسوس کہ بریلوی حضرات نبی کے لفظ کو پھر اپنی معنوں میں لے آئے جس پر کبھی یہودیوں کی مشق

---

[1] رسولوں کے اعمال باب ۲۱ [2] کتاب التعریفات ص۵۹ [3] شرح نقایہ ص۳ [4] حاشیہ مراقی الفلاح ص۶

تھی. نبی کو نبی کہنے کی بجائے یہ حضرات اُسے غیب داں کا عنوان دیتے ہیں. نبوت کی جو توہین پہلے کبھی یہود و نصاریٰ کے ہاں ہوتی تھی. یہ مسلمان کہلاتے ہوئے پھر اس کے مرتکب ہو رہے ہیں. بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں قرآن کریم کے لفظ نبی کا ترجمہ نبی سے نہیں کرتے، غیب جاننے والا کرتے ہیں. گویا ان کے نزدیک لفظ نبی اسلام کی کوئی اصطلاح نہیں، اس کا ترجمہ درکار ہے۔

غیب جاننے کے قواعد

غیب کی خبر ہونا اور غیب جاننا دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں. غیب کی خبر کسی کے بتلانے سے ہوتی ہے اور غیب جاننا کسی کے بتلانے سے نہیں، انسان کا اپنا ہنر ہے جسے وہ عمل میں لاتا ہے. اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں، ہاتھوں کی لکیروں میں اور کہانت اور عرافت کے قواعد میں کچھ ایسے اسرار رکھے ہیں کہ ان راہوں سے غیب کی باتیں معلوم کرنے والے کچھ نہ کچھ پا ہی لیتا ہے. اس سے حاصل ہونے والا علم گو قطعی نہیں ہوتا، نہ اس پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا ہے. تاہم اس سے انکار نہیں کہ محنت اور ریاضت کرنے والے ان راہوں سے غیب کے بہت سے پردوں میں جھانک لیتے ہیں. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حریم غیب میں ان راہوں سے جھانکنے کو منع فرمایا ہے. آپ نے فرمایا:-

من اتی عرافا فسأله عن شیٔ لم یقبل له صلوٰۃ اربعین لیلة.[1]

ترجمہ. جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس سے (غیب کی) بات پوچھی اس کی چالیس دن کی نماز گئی.

اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ کہانت، عرافت اور نجوم اور جفر سے حاصل ہونے والا علم غلط ہے صرف یہ فرمایا کہ ان راہوں سے غیب کی باتوں کو معلوم کرنا جائز نہیں. اللہ رب العزت کی حرمت مقتضی ہے کہ کوئی شخص اپنے قواعد استخراج سے اس کی حریم غیب میں نہ جھانکے.

غیب کو اس طرح جاننا یا جاننے کی کوشش کرنا غیب کو از خود جاننا ہے. یہ اپنے ہنر کا استعمال ہے، اپنا استخراج ہے. یہ خبر غیب نہیں. انبیاء جن غیوب کی خبر دیتے ہیں وہ اس پر مطلع کئے جاتے ہیں. وہ خود کوئی قواعد استعمال نہیں کرتے جس سے وہ غیب کو جان سکیں. اللہ تعالیٰ نے غیب کی چابی کسی کو نہیں دی کہ جب چاہے اس کے ذریعے غیب کی بات معلوم کر لیا کرے.

---

[1] مسلم کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۹۳

بنو اسرائیل میں جو غیب بین ہوتے تھے وہ کہانت و نجوم کی راہوں سے خود غیبی امور کو دریافت کرتے تھے۔ انہیں کہیں سے غیب پر اطلاع نہیں ہوتی تھی۔ انبیاء کو غیب کی خبریں ملتی ہیں قواعد نہیں ملتے جن سے وہ خود بلا عطاء الٰہی غیب کی کسی بات کو جان لیا کریں۔

بریلویوں نے انبیاء کو غیب جاننے والے کہہ کر انہیں اپنے مقام سے گرایا ہے۔ وہ انہیں نبوت کے مقام سے اُتار کر کاہنوں اور نجومیوں کے درجے میں لے آتے ہیں اور حق یہ ہے کہ لفظ نبی غیب دان، غیب بین یا حاضر ناظر کے الفاظ سے کہیں زیادہ اونچا ہے۔ نبی باعلام الٰہی غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ غیب دانی کے قواعد ان کے پاس نہیں ہوتے۔ بنو اسرائیل کے مدارس جہاں عورتیں بھی نبوت کرتی تھیں، ان میں غیب جاننے کے انہی قواعد کی مشق ہوتی تھی۔ انبیاء اس غیب دانی اور مشق سے پاک ہیں۔

انبیاء کی طرف غیب دانی کی نسبت یہ اسلام کی بات نہیں۔ یہود و نصاریٰ کی میراث ہے جسے بریلوی علماء ہر جگہ اُٹھائے پھرتے ہیں۔ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:-

ذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ الصلوٰة والسلام یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ کذا فی المسائرة [۱]

ترجمہ: حنفیہ نے صراحت سے اس شخص کی تکفیر کی ہے جو عقیدہ رکھتا ہو کہ حضورؐ غیب جانتے تھے کیونکہ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے یہ مسائرہ ابن ہمام میں ہے۔

مگر بریلوی کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے۔[۲]

قواعد استخراج سے غیب کو اندر سے دیکھنے والا یہودیوں میں Seer کہلاتا تھا۔ بریلویوں کا عقیدہ حاضر ناظر یہیں سے ماخوذ ہے جو انہوں نے کاہنوں اور نجومیوں سے لیا ہے اور انبیاء پر لے چسپاں کر دیا ہے۔

(ناظر) کو حاضر کیوں نہیں کہا

Seer کے معنی ناظر کے ہیں، حاضر کی دلالت ساتھ نہیں۔ اس کی وجہ ان کاہنوں کا اعزاز تھا کہ انہیں ناظر کہا حاضر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حاضر چھوٹے اور اردلی orderly کو کہتے ہیں۔

---

[۱] شرح فقہ اکبر ص۱۸۵ کانپور [۲] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۴ ص ۴۸۶

اُستاد بچوں کی حاضری بولتے ہیں تو ہر بچہ اپنے کو حاضر کہتا ہے۔ آفیسر نوکر کو آواز دے تو وہ اپنے آپ کو حاضر بتلاتا ہے (جناب حاضر ہوں) بادشاہ کو حضور کہتے ہیں اور جملہ خدام حاضر ہوتے ہیں —— بنو اسرائیل میں Seer کی بڑی عزت ہوتی تھی۔ لوگ خود اس کے پاس حاضر ہوتے تھے، اُسے اپنے سامنے حاضر نہ کرتے تھے۔ بریلویوں کا حضورؐ کو اپنے سامنے حاضر و ناظر کہنا ایک بڑی جسارت ہے۔ جس کے دل میں حضورؐ کا کچھ ادب ہوگا وہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر نہ کہے گا۔ یہ صرف خدا کا مقام ہے کہ اُسے حاضر و ناظر کہنے میں اس کی بے ادبی نہیں۔ جہاں ایک جنس کے دو فرد ہوں گے بڑا حضور ہوگا اور چھوٹا حاضر۔ آتی حضورؐ کے پاس حاضر ہیں اور نبی پاک حضور۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حاضر اور گواہ میں فرق

گواہ میں ایک اعزاز ہے کہ اس کے بیان پر کوئی ملزم سچا یا جھوٹا ٹھہرتا ہے۔ وہ کسی پر عظمت موقع کا گواہ ہے تو یہ بھی ایک اعزاز ہے کہ اس عظیم بات کی خبر اس نے دی ہو، کوئی اس گواہی کے لائق نہیں ہوتا۔ لیکن لفظ حاضر اپنی لفظی دلالت میں اس اعزاز کو شامل نہیں۔

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد اور صحابہ کرامؓ کو شہداء کہا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندوں پر اس کے گواہ ہیں اور صحابہ کرامؓ عام احادیث پر حضورؐ کے گواہ ہیں لیکن افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں نے یہاں بھی حضورؐ کے لیے لفظ شاہد نہ رہنے دیا۔ اسے لفظ حاضر و ناظر سے ترجمہ کر ڈالا۔ حالانکہ جو عظمتِ شان لفظ شاہد میں ہے وہ اعزاز و تکریم لفظ حاضر میں نہیں ہے۔

Seer (ناظر) کی اصطلاح اسلامی علمِ کلام میں کہیں نہیں

ناظر کی یہ اصطلاح مسیحی علم کلام کی ہے۔ اسلامی علم کلام میں برگزیدگان خدا کے لیے ناظر کا لفظ کہیں نہیں ملتا۔ Seer سامنے سے دیکھنے والے کو نہیں کہتے۔ اپنے سامنے تو ہر بینا دیکھتا ہے۔ اس مردِ بینا کو کہتے ہیں جو پردوں کے اندر سے کسی غیب کی بات کو جھانک لے۔

یہ صحیح ہے کہ ارواح کے لیے کہیں لفظ حاضرہ مل جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ روح کی حاضری سے شریعت میں کہیں گواہی نہیں بنتی۔ گواہی روح مع الجسد سے دیکھنے سے بنتی ہے بریلوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

ظاہر بشر کہتے ہیں، اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں صفتِ قدرت اور مختارِ کل ہونے کی شان اس انداز میں مانتے ہیں، کہ ممکن الوجود میں اس کے آنے یا سمانے کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ عقیدہ اسلام کا نہیں۔

انگریز حکمران سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی خدا یا اس کا بیٹا ماننے کو تیار نہ ہوں گے۔ جب تک انہیں حضرت خاتم النبیین کے دائرہ امکان سے بلند و برتر ہونے کا تصور نہ دیا جائے۔ افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں کو حضور کے بارے میں یہی تصور دیا ہے۔

بشر میں صفاتِ خداوندی

غیب کو از خود جان لینا، ایسا ملکہ حاصل ہو کہ جب چاہیں پردہ غیب کی بات معلوم کرلیں، یا پردہ ہی اُٹھ جائے اور Seer (نبی) خود دیکھ لے یا خدا نے ایسی چابی دے دی ہو کہ جب چاہیں بلا خدا کے بتلائے غیب کے قفل خود کھلتے جائیں یہ بشر میں صفاتِ خداوندی کا اقرار ہے۔ وہ خدا ہے جو بلا کسی کے بتلائے خود غیب کی بات جانتا ہے اور اس سے غیب و شہادت کی کوئی بات پردے میں نہیں ہے۔

بریلوی حضرات انبیاء کو خدا تو نہیں سمجھتے، لیکن ان میں صفاتِ خداوندی کا اترنا ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں غیب دانی کا ایسا ملکہ دے رکھا ہے کہ جب چاہیں بلا خدا کے بتلانے کے اس ملکہ سے غیب کو جان لیا کریں۔ اسے یہ اپنی اصطلاح میں عطائی علم غیب کہتے ہیں اور عملاً یہ غیب کو از خود اس ملکہ سے جاننا ہے۔

عیسائی اس کے برعکس خدا کے زمین پر اُترنے کے قائل ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ خدا پہلے ایک عورت (حضرت مریم) کے پیٹ میں متجسم ہوا اور پھر اس دُنیا میں ظاہر ہوا اور اس میں صفاتِ بشری اُتریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جس طرح وہ خدا کا بیٹا کہتے ہیں، خدا بھی کہتے ہیں اور آپ کے زمین پر چلنے پھرنے کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ خدا میں صفاتِ بشری اُتری تھیں اور اسی جہت سے آپ چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے تھے۔

مولانا آل حسن دوسرے استفسار میں لکھتے ہیں:۔

ہم نے بعض اہل علم عیسائیوں سے سُنا ہے کہ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو

اُن کے جسم اور نفس ناطقہ کی جہت سے جو ہر آدمی کے لیے ہوتا ہے خدا نہیں جانتے ہیں بلکہ بہ نظر ایک اور حقیقت کے کہ جان و تن سے اس کا مرتبہ اُوپر ہے حضرت عیسیٰ کو خدا جانتے ہیں کہ وہ حقیقت حضرت عیسیٰ کے لیے تھی اور روں کے لیے نہیں ہے[1]

بشر میں صفات خداوندی ہوں یا خدا میں صفات بشری دونوں عقیدوں کا حاصل اور مآل ایک ہے کہ خالق مخلوق سے مخلوط ہے اور یہ عقیدہ کھلا شرک ہے۔

انگلینڈ کے پروفیسر اے۔ جے آربری A. J. Arbury بریلویوں کے اسی عقیدے کو شیعہ عقیدہ قرار دیتے ہوئے اسے عیسائیوں سے مشابہ کرتے ہیں :۔

شیعوں نے مذہب قدیم (دین زرتشت، آتش پرستی) کا تتبع کرتے ہوئے ایک فرد کو صاحب اقتدار و اختیار قرار دیا یعنی صاحب الشریعۃ بالفاظ دیگر بشر میں صفات خداوندی دیکھیں اور یُوں عیسائیوں نے جو خدا میں اوصاف انسانی پائے تھے اُن کے اُلٹ بات پیدا کی، یہ بھی ملحوظ رہے کہ عیسویت میں بعض تحریکات پائی جاتی ہیں جو بدعت پر مبنی ہیں اور حضرت عیسیٰ کی ذات اور ان کے وجود سے متعلق ہیں۔ ان میں اور شیعی افکار میں کچھ مشابہت ہے[2]

مسئلہ بشریت میں بریلوی فکر اور شیعی فکر ایک ہی ہے اور دونوں گروہ بشر میں صفات خداوندی (جیسے علم غیب، حاضر و ناظر ہونا اور مختار کُل ہونا) اُترنے کے قائل ہیں، عیسائیوں نے اُن کے بالکل اُلٹ بات پیدا کی اور خدا میں صفات بشری اُترنے کا عقیدہ قائم کیا۔ پروفیسر آربری کے بیان کے مطابق حاصل تینوں کا ایک ہے اور یہ ایک بات کے تین مظاہر ہیں۔

پادری فنڈر مفتاح الاسرار میں جو ۱۸۴۳ء میں شائع ہوئی لکھتا ہے :۔

مسیح از جنس بنی نوع بشر نیست بلکہ مرتبہ اش اعلیٰ است[3]

ترجمہ: مسیح بنی نوع انسان میں سے نہیں۔ اس کا مرتبہ بشر سے اُونچا ہے۔

پادری فنڈر نے قرآن کریم کی آیت کلمتہ اللہ القٰھا الیٰ مریم وروح منہ سے

---

[1] کتاب الاستبصار ص۲ [2] میراث ایران ص۱۵۳ انگریزی ص۲۳۳ اردو [3] مفتاح الاسرار ص

بات پر استدلال کیا ہے۔ حضرت مولانا آل حسن اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

روح منہ سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰ خود ہی روح تھے۔ بلکہ جو مرتبہ جنین کا جزو مادر کا مرتبہ ہے لہذا روح ڈالنے کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی گئی نہ کہ جنین کے بدن کی طرف کہ ہنوز وہ علیحدہ نہ تھا اور جب روح سے حضرت عیسیٰ کی مباینت ثابت ہوئی تو وہ واجب الوجود کہ روح سے بھی زیادہ تر وہ مجرد اور منزہ ہے اس کی مباینت حضرت عیسیٰ کے تعین شخصی سے بطریق اولیٰ ثابت ہوئی۔ بالجملہ حضرت عیسیٰ جنس بنی نوع بشر سے باہر نہیں ہو سکتے[1]

مولانا آل حسن پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے عیسائیوں کے خلاف اس بسط سے قلم اٹھایا اور ۱۲۵۹ھ میں کتاب الاستفسار لکھی۔ آپ کے بعد مولانا رحمت اللہ کیرانوی اس میدان میں نکلے، اور پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق کا جواب اظہار الحق لکھ کر پوری دنیائے عیسائیت پر اسلام کی حجت تمام کر دی۔

مولانا آل حسن کی اس تصریح سے پتہ چلا کہ انبیاء کے نوع بشر میں سے ہونے کا مسئلہ ان دنوں اہل اسلام میں ہرگز کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا اور مسلمان علماء، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشر ثابت کر کے ان کے واجب الوجود ہونے کی بڑی آسانی سے نفی کر دیتے تھے اور عیسائی پادریوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوتا تھا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے جب آگرہ میں مسیحی مشنریوں کو للکارا اور پوچھا کہ حضرت عیسیٰ اپنی ذات میں واجب الوجود ہیں یا ممکن الوجود — آپ درجہ واجب میں ظاہر ہوئے۔ یا عالم امکان کے دائرہ میں آکر، تو عیسائی پادریوں اور مسیحی مشنریوں سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔

بشریت انبیاء کا مسئلہ اسلام میں اس قدر یقینی اور قطعی ہے کہ مسلمان علماء نے اس کے سہارے بارہا حضرت عیسیٰ کی الوہیت کا طلسم توڑا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ۱۹۲۵ء تک کبھی یہ اختلافی مسئلہ نہ سمجھا گیا۔ قصور کے حضرت مولانا سید مبارک علی شاہ صاحب ہمدانی نے اس موضوع پر ایک رسالہ "سید البشر" لکھا، جس پر اس وقت کے قصور کے تمام علماء اور ملک کے بڑے بڑے

---

[1] کتاب الاستفسار ص۵۱

اکابر نے (جن میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کے شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی بھی ہیں) اس پہ دستخط کئے مولانا احمد رضا خاں بریلوی اس وقت فوت ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی بشریت انبیاء کا انکار نہ کیا تھا۔ اس کے برعکس بدیں الفاظ بشریت انبیاء کا اقرار کیا تھا۔

اجماع اہل سنت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں جو دوسرے کو معصوم مانے اہل سنت سے خارج ہے۔[1]

مگر معلوم نہیں کون انگریز گورنر یا عیسائی پادری مولانا کے پاس پہنچا جس نے ان کے ترجمہ قرآن میں ظاہر صورت بشری کے الفاظ ڈلوا کر مسلمانوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس عقیدے کا آغاز کرا دیا جو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں گھڑ رکھا تھا کہ حضور اپنی حقیقت اور ذات میں ہرگز بشر نہیں ہیں۔ بشریت آپ کا صرف ظاہری لباس ہے۔ اندر سے آپ وہی ہیں جس نے آپ کو یہاں بھیجا ہے اور معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ سے ملنے ہی عرش پہ گئے تھے اسلام میں یہ عقیدہ ہے کہ آپ اپنے آپ سے ہی ملنے گئے تھے صریح کفر ہے۔ قرآن کریم میں آپ کی بشریت پر نص قطعی موجود ہے۔

قرآن کریم کی آیت:

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی۔ (پ ۱۶ الکہف: آیت)

ترجمہ مولانا احمد رضا خاں:

تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔

یہ ترجمہ جہاں جہاں پہنچا، اکابر علماء اسلام نے اسے تحریف قرار دیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اس کے داخلے پر پابندی لگ گئی، اب تک اہل السنۃ والجماعۃ میں سے یہ عقیدہ کسی کا نہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام صرف ظاہر صورت میں بشر ہوتے ہیں، حقیقت اور ذات میں بشر نہیں ہوتے نامناسب نہ ہوگا اگر ہم سلسلہ نقشبندیہ کے مرشد عالم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا یہ عقیدہ یہاں نقل کریں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات با عامہ در نفس انسانیت برابر اند و در حقیقت و ذات ہمہ متحد تفاضل اعتبار صفات کاملہ آمدہ است۔[2]

---

[1] دوام العیش صفحہ ۲۸ [2] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۲۶۶ صفحہ ۳۲۹

انبیاء کرام انسان ہونے میں سب برابر ہیں حقیقت (نوع) اور ذات میں سب ایک ہیں انسانوں کی فضیلت ان کی (ذات سے نہیں) صفات سے قائم ہوتی ہے۔

آپ ایک دوسرے خط میں (میر محمد نعمانؒ کے نام) لکھتے ہیں:۔

اے برادر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باآں علو شان بشر بود وبداغ حدوث وامکان متسم بشر از خالق بشر جل شانہ چہ در یابد وممکن از واجب چہ فرا گیرد وحادث قدیم را جلت عظمتہ چہ طور احاطہ نماید ویحیطون بہ علما نص قاطع است[1]

ترجمہ: اے برادر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی اونچی شان کے باوجود بشر تھے اور حادث ہونے اور ممکن الوجود ہونے کے نشان سے نشاندار تھے۔ بشر خالق بشر سے کیا کچھ پا سکتا ہے اور ممکن الوجود واجب الوجود کو کہاں پہنچ سکتا ہے اور پیدا ہونے والا ذات قدیم کا کیسے احاطہ کر سکتا ہے کوئی اسکے علم کو محیط نہیں ہو سکتا۔ یہ قرآن پاک کی نص قطعی ہے۔

قرآن کریم میں کہا گیا ہے قل انما انا بشر مثلکم آپ کہہ دیں میں بھی انسان ہوں جیسے تم۔ پس اسلام میں انبیاء کرام کسی دوسری نوع کے انسان نہیں۔ علامہ سید شریف لکھتے ہیں:۔

انسان بعثہ اللہ الی الخلق لتبلیغ الاحکام۔[2]

ترجمہ: رسول وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف اپنا حکم دے کر بھیجے۔

والرسول انسان بعثہ اللہ تعالیٰ الی الخلق لتبلیغ الاحکام الشرعیۃ۔[3]

محدث کبیر ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:۔

والصحیح ان النبی انسان اوحی الیہ سواء اُمر بالتبلیغ اولا والرسول من اُمر بتبلیغہ۔[4]

اسلام میں نبی کے انسان ہونے سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا علامہ طحطاوی لکھتے ہیں

وھو انسان حر ذکر اوحی الیہ بشرع وامر بتبلیغہ فان لم یؤمر بتبلیغہ فھو نبی فقط۔[5]

---

[1] مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۱۴۳ ص ۱۷۷ [2] کتاب التعریفات ص ۵۷ [3] نبراس ص ۴۹

[4] شرح نقایہ ص ۳ [5] طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۶

ان بزرگوں کی ان تصریحات کے بعد اب مولانا احمد رضا خاں صاحب کو کون پوچھتا ہے۔ کوئی شخص نہیں چاہتا کہ متاعِ ایمانی کو اسی قسم کی بے سروپا باتوں سے ضائع کردے یہ صرف عیسائی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ڈبل تصویر two-fold picture کے دعویدار ہیں کہ آپ اندر سے خدا تھے اور اوپر سے بشر ——— مسلمانوں میں سے کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا عقیدہ نہیں رکھتا۔

مولانا احمد رضا خاں نے جب آپ کی ظاہر صورت بشری کا دعوےٰ کیا تو پھر ضروری تھا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم امکان سے ذرا آگے لے جائیں اور آپ کی ذاتِ گرامی میں کچھ واجب الوجود کا ایہام پیدا کریں ——— جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ذاتِ واجب سمجھتے ہیں مگر خدا کو پھر بھی باپ کا درجہ دیتے ہیں۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ انکے ذہن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درجہ ذاتِ واجب سے کچھ نیچے ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واجب اور ممکن کے مابین ایک مقام دیتے ہیں۔ گویا آپ کے نزدیک حضور کا مخلوق ہونا کوئی قطعی بات نہیں ایک امرِ موہوم ہے۔ افسوس کہ خان صاحب اتنے جلی اور قطعی مسئلہ اسلام میں بھی حیرت میں ڈوبے رہے ہیں۔ ؎

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں[1]

یہ بھی لکھتے ہیں :-

؎ معدنِ اسرار علام الغیوب
برزخِ بحرین امکان و وجوب

اور پہلے یہ بھی لکھ آئے ہیں :-

کمانِ امکان کے جھوٹے نقطو | تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو | کدھر سے آئے کدھر گئے تھے
وہی ہے اوّل وہی ہے آخر | وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے | اسی سے اس کی طرف گئے تھے[3]

---

[1] حدائق بخشش حصہ اوّل صفحہ ۴۹ [2] ایضاً حصہ دوم صفحہ ۸۹ [3] ایضاً جلد اوّل صفحہ ۱۱۱

بریلویں کا حضورؐ کو واضح طور پر حادث اور ممکن الوجود ماننا اور اس قطعی عقیدہ اسلام میں ابہام پیدا کرنا کفر ہے اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے اس بیان کے صریح خلاف ہے۔

اے برادر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باآں علوشان بشر بود و بداغ حدوث وامکان متسم بشر از خالق بشر جل شانہ چہ دریابد و ممکن از واجب چہ فرا گیرد و حادث قدیم را جلت عظمت چہ طور احاطہ نماید لا یحیطون بہ علماً نص قاطع است[1]

اب آپ ہی انصاف فرمائیں عیسائیوں میں اور بریلویوں میں کیا فرق رہا۔ عیسائی بھی حضرت عیسیٰ کو حقیقۃً بشر نہیں مانتے۔ یہی کہتے ہیں کہ وہ ظاہر صورت بشری میں جلوہ گر ہوئے۔ بریلوی بھی حضورؐ کو حقیقۃً بشر نہیں مانتے۔ یہی کہتے ہیں کہ آپ ظاہر صورت بشری میں جلوہ گر ہوئے عیسائی انبیاء علیہم السلام کو غیب بین کہتے رہے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں بھی نبی کا ترجمہ "دائے غیب کی خبریں دینے والے" سے کرتے ہیں۔ عیسائی نبیوں کو seer (یعنی امور کا جھانکنے والا) کہتے تھے۔ بریلوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مافوق الامکان قدرت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور بریلوی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسی ربانی قدرت کے قائل ہیں جو آپ کے ممکن الوجود ہونے کی نفی کرے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند یسوع مسیح کہتے ہیں اور بریلوی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے خداوند کہتے ہیں عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہر چیز پر قادر مانتے ہیں اور بریلوی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختار کل کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ دونوں میں اتنی مشابہتیں موجود ہیں کہ مسلمانوں میں بریلویت عیسائیت سے نکلی ہوئی ایک تحریک معلوم ہوتی ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کی عملی تصدیق ہوتی ہے کہ تم (یعنی تم میں سے بعض) پہلوں (یہود و نصاریٰ) کی راہ پر چلو گے

اور نصیحت فرمائی کہ میرے مقام کو اس طرح نہ بڑھانا، جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ کیا، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔[2]

او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

[1] مکتوبات دفتر اول ج۳ ۱۶۷ صد ۱۶۷ [2] مشکوٰۃ ص۴۱۲ عن الشیخین

اسلام میں نبی غیب بین نہیں

کتاب مقدس کے حوالے سے آپ دیکھ آئے ہیں کہ یہ لوگ نبیوں کو Seer غیب بین کہتے تھے اس کے بالمقابل قرآن نے واضح طور پر کہا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کہ آپ غیب بین نہیں اور اللہ رب العزت نے آپ کو اس کا اعلان کرنے کا حکم دیا۔

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان

انا الا نذیر وبشیر لقوم یؤمنون ۰ (پ ۹۔ الاعراف ع ۲۳۔ آیت ۱۸۸)

ترجمہ۔ اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ فائدے میں حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو بس ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں انہیں جو ایمان لائے ہوئے ہوں۔

قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون

ایان یبعثون ۰ (پ ۲۰۔ النمل۔ آیت ۶۶)

ترجمہ۔ تو کہہ نہیں جانتا جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں چھپی بات کو مگر اللہ اور ان کو خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

بریلوی کہتے ہیں اس میں علم ذاتی کی نفی ہے کہ آپ غیب کو ذاتی طور پر نہیں جانتے اس سے علم عطائی کی نفی نہیں ـــــ ہم گذارش کریں گے کہ آپ نے اس نفی علم غیب پر جو نتیجہ مرتب فرمایا کیا وہ نتیجہ علم عطائی کے اقرار پر مرتب ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو یہاں غیبی امور کا علم عطائی بھی موجود تھا۔ ورنہ آپ کو اس قدر صدمات نہ دیکھنے پڑتے۔ جانتے ہوئے تکلیف کو اپنے اوپر وارد کرنا الٰہی قانون میں جائز نہیں۔

ایک بڑے نقصان کا سامنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چار قبائل کے لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں آپ سے افرادی امداد چاہی آپ

نے اصحابِ صفہؓ میں سے ستر انصاری ان کی مدد کے لیے روانہ فرمائے۔ یہ دراصل
کافروں کی ایک سازش تھی جس کا اندازہ نہ ہو سکا۔ جب یہ ستر صحابہؓ بئر معونہ
پہنچے تو انہوں نے (ستر صحابہ کو لانے والوں نے) انہیں (ایک کے سوا سب کو)
قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت صدمہ ہوا۔ اور آپ ایک ماہ
کے قریب ان غداری کرنے والوں کے خلاف قنوتِ نازلہ پڑھتے رہے۔[1]

اس ہونے والے واقعہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا مطلق علم نہ تھا، یا ذاتی علم نہ تھا۔ اگر نفی علم غیب سے ذاتی نفی مراد ہے عطائی علم غیب آپ کو اس ہونے والے واقعہ کا تھا تو آپؐ نے یہ جانتے ہوئے کہ کافر ستر صحابہؓ کو مار ڈالیں گے انہیں کیوں ان کے ساتھ بھیجا اور اگر آپ کو اس کا مطلق علم نہ تھا تو نفی علم غیب کو مطلق رکھا جائے ہر جگہ ذاتی کی قید نہ لگائی جائے ـــــ اگلے خطرناک عواقب سے بچنے کے لیے مطلق علم کافی ہوتا ہے وہ ذاتی ہو یا عطائی ـــــ اور اگر نقصان واقع ہو جائے تو پھر اس میں صرف علم ذاتی کی نفی مراد لینا دین کی تحریف ہے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو کیا اس جگہ آپ خود موجود نہ ہوتے، جہاں یہ کفار دھوکے سے صحابہؓ کو قتل کرنے کی سازش کر رہے تھے۔ آپ علم غیب رکھتے تو بہت سے بچنے کے پہلو تھے آپ کو کوئی ایسا صدمہ لاحق نہ ہوتا۔

ایک اور تکلیف کا سامنا

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ جبریل حضورؐ کو کہہ گئے کہ وہ فلاں وقت
آپؐ کے پاس آئیں گے لیکن وہ وقت موعود پہ گھر نہ آئے، باہر منتظر رہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوچنے لگے کہ اللہ اور اس کے قاصد تو کبھی وعدے
کے خلاف نہیں کرتے یہ کیا ہوا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ گھر میں کتے کا بچہ جروِ کلب
کہیں چارپائی کے نیچے آ گھسا تھا جس کا آپ کو علم نہ ہوا۔ آپ نے حضرت ام المومنین
سے پوچھا۔ یہ کب آیا تھا۔ انہوں نے کہا مجھے بھی پتہ نہیں چلا۔ آپ نے مر کے

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۲

نکالنے کا حکم دیا۔ وہ گیا تو حضرت جبریل اندر آئے اور کہا —— انا لا ندخل بیتا فیہ کلب او صورۃ۔[1]

ترجمہ: ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا کوئی اور (ممنوع) تصویر ہو۔

آپ کو انتظار کی یہ جو پریشانی ہوئی، آپ غمگین رہے، اور لا یخلف اللہ وعدہ ولا رسلہ پر سوچتے رہے۔ کیا یہ محض اس لیے تھا کہ آپ کو اس بات کا علم ذاتی نہ تھا کہ کتا وہاں موجود ہے علم عطائی تھا اور آپ یہ علم رکھتے ہوئے کہ کتے کا بچہ چارپائی کے نیچے ہے۔ معاذ اللہ انجان بنے ہوئے تھے۔ بریلویوں کی اس ذاتی اور عطائی کی تقسیم نے دین کو کیا مذاق بنا دیا ہے۔ پیغمبروں کو غیب بین سمجھ کر ان کے پاس آنا یہ تو عیسائیوں کی بات تھی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بریلوی کیوں اس رنگ میں رنگے گئے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں کہ جبریل نے آپ کو بتایا تھا کہ کتا گھر میں ہے۔ پھر آپ نے تلاش کیا۔ لیکن یہ ترتیب ہمیں حدیث مذکور نہیں ملی۔ معلوم ہوتا ہے مولانا احمد رضا خاں نے یہاں بھی اپنی عادت پوری کی ہے جو عبارت بدل دی ہے۔ تاہم اتنا تو کیا ہے کہ اصل واقعہ کا اقرار کر لیا ہے۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر غیب بین ہوتے جیسا کہ نبیوں کے بارے میں عیسائیوں اور بریلویوں کا عقیدہ ہے تو آپ کو کتے کے بچے کے آنے —— چھپنے —— چارپائی کے نیچے ہونے —— اور اس وجہ سے جبریل کے رُکے رہنے کا ضرور علم ہوتا —— افسوس بریلوی یہاں بھی کہتے ہیں کہ یہاں صرف علم ذاتی نہ تھا۔ علم عطائی سے تو سرکار یہ سب کچھ جانتے تھے —— استغفر اللہ العظیم

معلوم ہوتا ہے حضرت ام المؤمنینؓ کا عقیدہ بھی آپ کے غیب بین اور حاضر و ناظر ہونے کا نہ تھا۔ ورنہ وہ آپ کو کتے کی تلاش کرتے یہ کہتیں کہ آپ تو غیب بین ہیں یہیں بیٹھے بیٹھے دریافت فرمالیں تلاش میں یہ محنت کیوں کر رہے ہیں۔

آپ نے ایک دفعہ ام المؤمنین سے علیحدگی میں ایک بات کہی۔ بات راز کی تھی۔ ام المؤمنین نے دوسری ام المؤمنین (حضرت سیدہ حفصہؓ) سے اس کا تذکرہ کر دیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر کر دی۔ آپ نے پھر ام المؤمنین کو جتلایا۔ انہوں نے فوراً پوچھا۔

من انبأك هذا۔ آپ کو کس نے بتلایا؟

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ [2] دیکھئے ملفوظات حصہ سوم صفحہ ۲۱

آپ نے فرمایا:۔

نبأنی العلیم الخبیر۔ مجھے اللہ علیم و خبیر نے اطلاع دی ہے۔[1]

معلوم ہوتا ہے حضرت ام المومنین کا عقیدہ آپ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا نہ تھا ورنہ وہ اس بات کا تذکرہ حضرت حفصہؓ سے نہ کرتیں ــــ اور پھر آپ سے بھی نہ پوچھتیں، کہ آپ کو کس نے بتایا ــــ بصورت دیگر آپ کہہ سکتے تھے کہ میں تو خود وہاں موجود تھا۔ جہاں تم اسے یہ بتلا رہی تھیں۔

ایک اور سخت تکلیف کا سامنا

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ فتح خیبر کے سال (سات ہجری) حضورؐ کی خدمت میں کسی نے بکری کا گوشت بھیجا جس میں زہر ڈالا ہوا تھا۔[2]

یہ گوشت زینب بنت حارث (ایک یہودی عورت) نے آپ کے پاس بھیجا تھا۔ آپ نے بھی چند لقمے لیے اور بعض صحابہؓ نے بھی وہ گوشت کھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لقمے لینے کے بعد فرمایا۔ اسے نہ کھاؤ، اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ حضرت بشر بن معرور اس زہر سے شہید بھی ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وفات کے وقت اس زہر کے اثرات محسوس کئے۔ اس پہلو سے آپ کی وفات بھی شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔

یہ بات لائق توجہ ہے کہ اگر آپ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو جب وہ یہودیہ اس گوشت میں زہر ملا رہی تھی تو کیا آپ نے اسے دیکھا نہیں تھا، اگر دیکھا تھا اور آپ عیسائیوں کی اصطلاح میں Seer (حاضر اور غیب بین) تھے اور بریلویوں کی اصطلاح میں ہر جگہ حاضر و ناظر تھے۔ تو آپ نے زہر والا گوشت کیوں کھایا اور صحابہؓ کو کیوں کھلایا۔ اگر آپ نے جان بوجھ کر انہیں زہر کھلایا تو شرعاً کیا اس کا کوئی جواز تھا۔

بعض نادان بریلوی کہہ دیتے ہیں کہ صحابہؓ کو مقام شہادت دلانے کے لیے آپ نے بتلانے سے احتراز کیا اور بحیثیت مختار کل ہونے کے آپ کے لیے اس میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

---

[1] پ ۲۸ سورۂ تحریم [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۰

اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا آپ کے لیے ناجائز نہ تھا ہم اس کے جواب میں استغفراللہ کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔ بریلویت جہالت کا دوسرا نام ہے یہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں۔

ایک اور دردانگیز مصیبت کا سامنا

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دس صحابہؓ کو حضرت عاصم بن ثابتؓ انصاری کی امارت میں سرحدی اختیار (جاسوسی) کے لیے بھیجا۔ جب یہ لوگ عسفان اور مکہ کے درمیان مقام ہدہ پر پہنچے تو کافر سو آدمیوں کی جمعیت سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ سات صحابہؓ تو اسی وقت شہید ہو گئے۔ پھر آٹھواں بھی اور انجام کار حضرت خبیب بن عدیؓ اور زید بن دثنہؓ نے بھی اسلام پر جان دے دی[1]

سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر غیب بین اور ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو سرحدی اختیار کے لیے ان دس صحابہؓ کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر غیب دان تھے تو آپ کو اپنے دس جانثاروں کے ساتھ پیش آنے والے سانحہ کا کچھ علم تھا یا نہیں —— اگر تھا تو آپ نے یہ دس قیمتی جانیں یونہی بلا معاوضہ کسی ملکی یا دینی خدمت کے کیوں ضائع کیں؟ کیا آپ کو اس ہونے والے انجام کا علم غیب تھا؟ بریلویوں کا یہ کہنا کہ علم غیب ذاتی نہ تھا عطائی تھا۔ کیا ان واقعات کے ساتھ کسی طرح لگا کھاتا ہے۔ نادان دوستو! کچھ تم سوچو۔

کفار کے ایک اذیت ناک سوال کا سامنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج سے واپسی پر بتایا کہ آپ رات بیت المقدس گئے تھے تو مشرکین مکہ نے پوچھا۔ تو پھر آپ کچھ نشان دیں کہ بیت المقدس میں فلاں فلاں چیز کہاں اور کیسے ہے؟ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں آپؐ نے حضورؐ کو فرماتے سنا۔

لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرهم عن آیاته وانا انظر الیه[2]

---

[1] دیکھئے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۵ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۴۸

ترجمہ۔ جب قریش نے مجھے جھٹلایا میں حجر میں کھڑا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ میرے لیے روشن کر دیا سو میں اس کے نشان انہیں بتلاتا جاتا اور میں اسے (بیت المقدس) کو دیکھ رہا تھا۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ اسے اس طرح روایت کرتے ہیں حضورؐ نے ایک دفعہ اس واقعہ کا اس طرح تذکرہ فرمایا :۔

لقد رأیتنی فی الحجر وقریش تسألنی عن مسرای فسألتنی عن اشیاء من بیت المقدس لم اثبتها فکربت کربۃ ما کربت مثلہ قط قال فرفعہ اللہ لی انظر الیہ ما یسألونی عن شیء الا انبأتہم بہ[1]

ترجمہ۔ میں نے اپنے آپ کو حجر میں دیکھا اور قریش مجھ سے میرے اس سفر (معراج) کا پوچھ رہے تھے سو انہوں نے کئی باتیں مجھ سے پوچھیں جو مجھے یاد نہ تھیں۔ میں نے اس سے اتنی کلفت محسوس کی کہ ایسی تکلیف مجھے کبھی نہ ہوئی تھی۔ سو اللہ تعالیٰ نے اسے (بیت المقدس کو) میرے سامنے کر دیا یہاں تک کہ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کوئی بات مجھ سے نہ پوچھتے مگر یہ کہ میں انہیں اس کا حال بتاتا جاتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس رات بیت المقدس جانا اور انبیاء کی امامت فرمانا اس لیے تو نہ تھا کہ آپ وہاں کے دروازوں اور کھڑکیوں کا مطالعہ فرمائیں اور نہ ایسے موقعوں پر ایسا ہوتا ہے۔ پھر آپ کا اُن کے سوال سے یہ احساسِ اذیت اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آپ اس وقتِ سوال بیت المقدس میں حاظر وناظر نہ تھے ورنہ آپ بلا کسی احساسِ کرب کے دیکھ دیکھ کر بتاتے جاتے۔

لیکن صورتِ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کا نقشہ آپ کے سامنے کر دیا۔ آپ دیکھتے جاتے اور ان کے سوالوں کا جواب ہوتا جاتا ــــــ اللہ رب العزت کا یہ نقشہ بیتُ المقدس سامنے کر دینا بتلاتا ہے کہ آپ عیسائیوں کے مذہبی تصور کے مطابق Seet غیب بین ہرگز نہ تھے ــــــ سو بریلویوں میں آپ کے ہر جگہ حاضر و ناظر اور غیب بین ہونے کا عقیدہ اسلام سے ہرگز نہیں، عیسائیوں سے ماخوذ ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۲

مدینہ میں ایک وحشت ناک خبر کا سامنا

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں ایک رات مدینہ میں دشمن کی آمد کی گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہؓ کا گھوڑا لیا اور اُدھر جاکر معاملے کی تحقیق کی معلوم ہوا بات کچھ نہ تھی یونہی افواہ تھی۔[1]

یہاں پر طالب علم یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے اگر آپ واقعی غیب بین تھے تو آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے کیوں نہ بتادیا کہ کچھ نہیں ہے ــــــ صحابہؓ پر اور آپ پر اس افواہ کی وحشت اور گھبراہٹ اتنا عرصہ کیوں رہی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں حضورؐ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ اس کا تصور تک نہ تھا۔ یہ عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ نبی ہوتے ہیں (غیب داں) اور بریلویوں نے ان سے یہ عقیدہ لیا ہے۔

حضرت انسؓ تو یہ بھی روایت کرتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجد تمرۃ فقال لولا ان تکون من الصدقۃ لاکلتھا۔[2]

ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رستے میں ایک کھجور گری پائی۔ آپ نے فرمایا یہ بات نہ ہوتی کہ یہ کہیں صدقہ کی نہ ہو تو میں اسے کھالیتا۔

ایک ہار کی گمشدگی اور اس کے لیے حضورؐ اور صحابہؓ کا ٹھہرنا

غزوہ بنی المصطلق میں حضرت ام المومنینؓ کا ہار کھو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تلاش میں رکنا پڑا۔ حضرت ام المومنین روایت کرتی ہیں۔

انقطع عقد لی فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی التماسہ واقام الناس معہ ولیسوا علی ماء۔[3]

جب ہار نہ ملا اور آپ چلنے لگے تو جب وہ اونٹ اٹھا جس پر حضرت ام المومنینؓ کا

---

[1] دیکھیے صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۳۳۸ [2] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۳۴۵ [3] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۴۸

ہودج تھا تو اس کے نیچے سے وہ ہار ملا۔

اب آپ غور فرمائیں حضورؐ کا اس ہار کی تلاش میں اس جگہ ٹھہرنا جہاں پانی تک دستیاب نہ ہو، کس قدر مشکل مرحلہ تھا۔ وہیں آیت تیمم نازل ہوئی اور یہ حضرت ام المومنینؓ کے ہار کی برکت تھی اور یہ اس خاندان کی پہلی برکت نہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقعی غیب بین تھے جیسا کہ عیسائیوں کا انبیاء کے بارے میں عقیدہ ہے تو آپ نے پہلے ہی ہار کا پتہ کیوں نہ بتا دیا۔

بریلوی اس کے جواب میں کہتے ہیں ہم حضورؐ کے لیے ذاتی علم غیب کے قائل نہیں عطائی علم غیب کے قائل ہیں۔ ہم جواباً عرض کریں گے کہ اگر آپ ہار کا اونٹ کے نیچے گرا ہونا عطائی علم غیب سے جانتے تھے تو وہاں آپ اتنا عرصہ کیوں ٹھہرے رہے اور گھنٹوں اس کی تلاش میں کیوں لگے رہے۔ پھر جب اُمید نہ رہی اور چلنے لگے تو اچانک ہار مل گیا۔ عطائی علم غیب کے تحت آپ نے کیوں نہ بتا دیا کہ ہار وہاں ہے۔

برسرِ مطلب آمدیم

ان شواہد کی روشنی میں یہ بات بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ بریلویوں کے عقیدہ حاضر و ناظر، علم غیب اور انکار نوع بشری کے پیچھے کتاب و سنت کی روشنی نہیں مسیحی عقائد کا اثر ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں عیسائی مشنریوں کی آمد سے پہلے کہیں کوئی شخص بریلوی نہ تھا۔ یہ مولانا احمد رضا خاں کی پہ دگر منٹ پالیسی تھی جس نے ایک پورا نیا فرقہ لا موجود کیا۔

قوم کو بریلویت سے بچانے کی راہ

اب مسلمانوں کو بریلویت سے بچانے کی ایک ہی راہ ہے کہ انہیں ردّ عیسائیت پہ لگا دیا جائے جونہی یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نوع بشری میں سے ہونے پر بحث کریں گے اُن کا اپنا عقیدہ خود بخود درست ہو جائے گا کہ آنحضرتؐ اور تمام انبیاء نوع بشری میں سے تھے اور حضرت آدم کی اولاد تھے۔

جس شخص نے بھی ردّ عیسائیت میں کوئی قدم اُٹھایا، اسے حضورؐ کی بشریت کا واشگاف الفاظ

میں اقرار کرنا پڑا۔ آپ کی جدی نوع بشریت کا قائل کبھی عیسائیوں کا سامنا نہیں کر سکتا۔

علامہ ابو البرکات نعمان خیر الدین الآفندی الآلوسی نے عیسائی اسقف عبد المسیح کے جواب میں الجواب الفسیح لکھی تو انہیں واضح طور پر کہنا پڑا۔

فنبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام عبد اللہ ورسولہ وبشر تحلہ العوارض کما قال سبحانہ قل انما انا بشر مثلکم[1]

ترجمہ۔ سو ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول اور آپ بشر ہیں جنہیں بیماریاں اور ضرورتیں پیش آتی ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے آپ کہہ دیں میں بھی بشر ہوں جیسے تم۔

برصغیر پاک و ہند میں پہلا شخص جس نے رد عیسائیت میں بسط سے قلم اٹھایا وہ فاضل ذکی مولانا آل حسن مہانی ہیں ــــــ انہیں یہ بات کھلے بندوں کہنی پڑی۔ پادر فنڈر نے مفتاح الاسرار میں قرآن پاک سے استدلال کرتے ہوئے لکھا تھا۔

مسیح از جنس بنی نوع بشر نیست بلکہ مرتبہ اش اعلیٰ ست۔ چنانکہ در سورۃ النساء بیان گردیدہ است انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الیٰ مریم وروح منہ۔

مولانا آل حسن اس کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

اس آیت سے یہ بات سمجھ کر تفیز لکھنا کہ مسیح از جنس بشر نیست تحریف کرنا کہلاتا ہے..... اگر جنس بشر سے ہونے کے لیے والدین کا ہونا ضروری ہے تو چاہیئے کہ حضرت عیسیٰ میں آدمیوں کے خواص نہ ہوتے..... بالجملہ حضرت عیسیٰ جنس بنی نوع بشر سے باہر نہیں ہو سکتے۔[2]

سو اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ رد عیسائیت میں جن عالموں نے شہرت پائی ان میں سے کوئی یہ بریلوی عقیدہ نہ رکھتا تھا جو بریلویت کے تعارف میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں مرقوم ہے۔

---

[1] الجواب الفسیح لما لفقہ عبد المسیح جلد ۲ ص۲۱۵ طبع لاہور تالیف ۱۳۰۶ھ [2] کتاب الاستفسار ص۵۰۲ طبع قدیم

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے اور آپ کا سایہ نہ تھا. آپ کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت سے مختلف ہے[1]

یعنی آپ کا سایہ نہ ہونا بطورِ خرقِ عادت نہیں نور کی صفت کے طور پر تھا اور اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ میں بشریت بالکل نہ ہو اور آپ کی پیدائش مٹی سے نہ ہو. یہ عقیدہ بریلویوں کو بالکل عیسائیوں کی گود میں لا بٹھاتا ہے. کیوں کہ جو مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے قائل گزرے ہیں وہ آپ میں یہ شان بطور معجزہ اور خرقِ عادت تسلیم کرتے تھے اور یہ خرقِ عادت تبھی ہو سکتا ہے کہ آپ عادۃً اس جنس اور نوع سے ہوں جس کا سایہ ہوتا ہے.

عیسائی بایں طور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت کے قائل نہیں ——— بریلوی حضرات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح بشریت کے قائل نہیں. وہ آپ کو صرف بظاہر صورتِ بشری میں انسان کہتے ہیں اور اہلِ اسلام کے ہاں یہ عقیدہ خالصۃً کفر ہے یہی وجہ ہے کہ بریلویوں میں اب تک کوئی ایسا عالم نہیں ہوا جس کا خاص موضوع ردِ عیسائیت ہو. کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر مانے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت کا کھلے بندوں دعویٰ نہیں کر سکتا.

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں بریلویوں کے کچھ اور عقائد بھی لکھے ہیں اور یہ ایک غیر جانبدارانہ شہادت ہے کسی ملک کا انسائیکلوپیڈیا اس کے علمی اور تاریخی موقف کی ایک مستند دستاویز ہوتا ہے. اس میں یہ بریلوی عقائد مطالعہ فرمائیں اور اپنے ذہن میں گرجوں کے عیسائی تصورات محفوظ رکھیں. انسائیکلوپیڈیا میں ہے:-

> بریلوی مکتبِ فکر کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں اور وہ بایں طور کہ عالم کا ذرہ ذرہ آپ کی روحانیت و نورانیت کی جلوہ گاہ ہے ایسی روحانیت و نورانیت جس کے لیے قرب اور بعدِ مکانی یکساں ہے کیونکہ عالم قلق زمان و مکان کی قید سے مقید ہوتا ہے[2]

دیکھیے یہاں آپ کی صرف روحانیت اور نورانیت کا ذکر اور آپ کو مخلوق ہونے کے دائرہ سے ایک ایمان سوز نفیس پیرائے سے نکالا ہے. بنی نوعِ انسان روح اور مادے سے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۴ صد ۴۸۶ [2] ایضاً

۔کیے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانیت اور نورانیت سے مرکب بتلایا ہے۔ گویا بشریت بالکل منتفی ہے پھر آپ کو عالم خلق سے نکال کر ہر چیز کا قرب و بعد آپ کے لیے یکساں کر دیا ہے۔ اب دنیا میں کیا کوئی ایسا بریلوی ہو سکتا ہے جو ان تمام عقیدوں کو مانتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق، بشر حضرت عائشہؓ کا خاوند، حضرت فاطمہؓ کا باپ اور آپ کو کھانے پینے اور سونے اور اٹھنے بیٹھنے میں تمام امت کے لیے اسوۂ حسنہ اور چلنے۔ کیونکہ نمونہ اپنی جنس میں سے ہی لائق امتثال ہوتا ہے۔ حضور کو بشریت سے نکال کر کیا کوئی مسلمان عیسائیوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت کا مدعی ہو سکتا ہے۔

آگے چلیے اسی انسائیکلوپیڈیا میں اور بریلوی عقائد بھی ملاحظہ فرمائیں۔

> اور چونکہ آپ حاضر و ناظر عالم الغیب اور نور ہیں اس لیے بریلوی حضرات کے نزدیک آپ سے مدد مانگنا اور آپ کو پکارنا اور یا رسول اللہ کا نعرہ لگانا جائز ہے۔ آپ کو مدد کے لیے جو پکارتا ہے اس کی آپ سنتے ہیں اور مدد کو پہنچتے ہیں۔[1]

یہ وہ آداب عبادت ہیں جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بجالاتے ہیں انہیں نور من نور اللہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آپ کو خدا کا روحانی بیٹا سمجھتے ہیں یسوع مسیح کا نور کائنات کے ذرہ ذرہ میں پھیلا ہوا مانتے ہیں اور بڑے خدا کو باپ کے درجہ میں رکھتے ہوئے اپنی سب مرادات یسوع مسیح سے ہی مانگتے ہیں اسے ہی خداوند کہتے ہیں اور ہر مصیبت میں اسی کی دہائی دیتے ہیں اور یہ وہ پورا نقشہ ہے جو ہمیں بریلویوں کے ہاں ہر دینی تقریب اور عرس و فاتحہ کے موقعوں پر ایک کھلی کتاب کی صورت میں ملتا ہے۔ عیسائیت اور بریلویت کی یہ وہ مشترکہ تصویر ہے جو ہر شخص ان دونوں امتوں کے قریب ہو کر بآسانی دیکھ سکتا ہے۔

عیسائیوں کی رسم تعظیمی

عیسائیوں کے ہاں فوت شدگان کی یاد تعظیمی قیام سے کی جاتی ہے۔ اسمبلی میں یا مجلس

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۲ ص

میں جب کسی بڑے فوت شدہ کو خراجِ عقیدت پیش کرنا ہو تو یہ چند منٹ کے لیے اس کے اعزاز میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں اور بریلویوں میں اگر کچھ فرق رہ جاتا ہے تو وہ خاموشی اور شعر خوانی کا ہے۔ عیسائی خاموش رہتے ہیں اور بریلوی تعظیمی قیام میں شعر پڑھتے ہیں۔

عیسائیوں کے علاوہ مجوسیوں میں بھی یہ قیامِ تعظیمی پایا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

عن ابی امامة قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی عصا فقمنا له فقال لا تقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضها بعضا۔[۱]

ترجمہ۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ عصا کی ٹیک لیے تشریف لائے اور ہم آپ کی تعظیم کے کھڑے ہو گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ ایرانیوں کی طرح ایک دوسرے لیے تعظیمی قیام نہ کیا کرو۔

ہاں آنے والے کی خدمت کے لیے کھڑے ہونا جائز ہے۔ حدیث قوموا الی سیدکم اس پر محمول ہے۔ محدث جلیل حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

اذا کانوا قائمین للخدمة لا للتعظیم فلا بأس به کما یدل علیه حدیث سعد۔[۲]

ترجمہ۔ لوگ آنے والے کے لیے برائے خدمت کھڑے ہوں تعظیم کے لیے نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت سعدؓ کے آنے پر کھڑا ہونا بطور خدمت تھا سیدنا حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں۔

لم یکن شخص احب الیهم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراهته لذلك رواہ الترمذی۔[۳]

ترجمہ۔ کوئی شخص صحابہ کرامؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارا نہ تھا اور وہ (صحابہؓ) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آتا دیکھتے تو (تعظیماً) کھڑے نہ ہوتے

---

[۱] مشکوٰۃ عن ابی داؤد ص۴۰۳ [۲] مرقات جلد ۹ ص۸۹ [۳] مشکوٰۃ ص۴۰۳

تھے. کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے ناپسند کرتے ہیں۔

عیسائیوں اور مجوسیوں کی قیام تعظیمی کی رسم بریلویوں نے کس طرح اپنا رکھی ہے یہ کسی سے مخفی نہیں ـــــ بھری مجلس میں ایک نعت خواں پکارتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں اور جملہ بریلوی کھڑے ہو جاتے ہیں اور کسی کے ذہن میں یہ خیال تک نہیں گذرتا کہ شاید یہ نعت خواں جھوٹ بول رہا ہو۔

اس وقت یہاں قیام میلادی سے بحث نہیں یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مسلمانوں میں مسیحی آداب تعظیم کن تاریک راہوں سے آ گھسے ہیں۔ مسیحی قومیں کس اہتمام سے کرسمس مناتی ہیں۔ یہ اُن کے عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد شریف ہے۔ مگر آپ انہیں سیرتِ مسیح پر کہیں کوئی اہتمام کرتا نہ پائیں گے مسلمانوں میں بھی آج یہی بات چل نکلی ہے ـــــ سیرت کے جلسے ہوں تو اشتہار سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ حلقۂ دیوبند کے لوگ اس کے منتظم ہوں گے۔ مگر اُن پڑھ عوام صرف میلاد شریف کے نام سے دکانیں اور بازار سجائیں گے۔ مسیحی قومیں حضرت مسیح کے میلاد پر گرجوں میں کیک کاٹتے ہیں اور بریلوی حضورؐ کے میلاد پر مسجدوں میں مٹھائی بانٹتے ہیں۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ بریلوی عیسائی ہو گئے ہیں لیکن یہ صورتِ حال بتلاتی ہے کہ چودھویں صدی کے آخر میں عیسائیت نے بریلویت کا ایک نیا رُوپ دھارا ہے۔ بریلویت ایک ایسا امرت دھارا ہے جس میں آپ کو ہندوؤں اور عیسائیوں اور مجوسیوں کی مذہبی رسوم غیر شعوری طور پر داخل ملیں گی۔

ایران کی مجوسیت اس نام سے اب باقی نہیں رہی۔ اس کے بنیادی عقائد شیعیت میں جذب ہو گئے ہیں شیعیت بایں طور کہ اس کی نسبت اسلام سے کسی درجہ میں باقی ہے شیعوں کا بریلویت کے رُوپ میں مسلمانوں میں آنا اُن کی ایک بڑی کامیابی ہے۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے دینی تصورات کو تو یہ ساتھ ساتھ لے کر چل سکتے ہیں لیکن ان کا بھائی بھائی کا نعرہ ان کے ساتھ نہیں صرف شیعوں کے ساتھ ہی چل سکتا ہے۔

نامناسب نہ ہو گا کہ یہاں ہم شیعیت کے اس طورِ جدید پر بھی کچھ تفصیل سے بحث کریں۔

شیعیت کا طورِ جدید

بریلویت کے رُوپ میں

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

شیعیت کا طورِ جدید

شیعیت کی مذہبی دلالتیں جن متوازی نظریات سے متاثر ہوئیں ان میں عقیدۂ ثنویت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور ہر خیر اور شر اسی کی حکمت اور تخلیق سے وجود میں آیا ہے ـــــ لیکن یہ عقیدہ پرانے ایرانی ادیان کے خلاف تھا وہ خیر کا خالق یزداں کو سمجھتے تھے اور شر کا اہرمن کو بتلاتے تھے۔ شیعہ کے ہاں انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ اور یہ عقیدہ ثنویت کی ہی صدائے بازگشت ہے

اسلام جب ایران میں آیا تو دونوں نظریات آپس میں ملے اس امت کے پہلے مجوس قدریہ ہوئے تھے جو انسان کو اپنے افعال کا خود خالق سمجھتے تھے معتزلہ بھی یہی کہتے تھے اور عراق میں ناکام ہونے کے بعد ان کا یہ عقیدہ شیعیت میں جذب ہو گیا تھا۔

شیعیت کی دوسری مذہبی دلالت مسلمانوں میں ایک نسل کا تفوق اور اس کا آسمانی حق امامت ہے انہوں نے پہلی بات یہودیوں سے لی جو آل یعقوب کے نسلی تفوق کے قائل تھے اور آسمانی حق امامت انہوں نے ایران کے ساسانیوں سے لیا

مختلف ادیان کا یہ اتحاد اور مشترکہ ملغوبہ لوگ قبول کر لیتے اگر شیعیت میں پہلے تین خلفائے راشدین کے خلاف تبرا کرنا ضروریات مذہب شیعہ میں سے نہ ہوتا یہ وہ سخت گولی تھی جو آسانی سے نہ نگلی جا سکتی تھی نہ اگلی جا سکتی تھی۔ شیعہ نے اسے گوارا بنانے کے لئے اسے تقیہ سے ڈھانپا اور کئی نادان اس چینی خلاف sugar-coated گولی کو ہضم کر گئے۔

کیمرج یونیورسٹی کے پروفیسر اے جے آربری میراث ایران میں لکھتے ہیں:۔

"شیعیت کے اہم ترین مذہبی پہلوؤں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شیعہ علماء اور فضلاء اس بات کی سعی کرتے رہے ہیں کہ پرانے (ایرانی) ادیان "ثنویت" کی روح کو ملحوظ رکھ کر اسلام کو وہ اقتدار اور استناد مہیا کیا جائے کہ عقیدہ ثنویت بے خطا ہے۔ میراث ایران انگریزی ص ۱۵۳

مستشرق موصوف آگے جاکر لکھتا ہے :-

"اعتزال کا عنصر اپنے زوال کے بعد شیعیت میں جذب ہوگیا تھا"[1]

ہندوستان کا مغل بادشاہ ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد ایران کے صفویوں کے ہاں پناہ گزیں ہوا تھا اور انہی کی مدد سے اس نے ہندوستان کو دوبارہ فتح کیا تھا ہمایوں پر تو ان حالات نے کچھ اثر نہ کیا لیکن اس کے بعد اس کا بیٹا اکبر اپنے خاندانی مذہب اہل السنۃ میں متصلب نہ رہ سکا اور ہندوؤں کی تہذیب میں دُور تک کھو یا گیا اس نے چاہا کہ اسلام اور ہندوازم کے اشتراک سے ہندوستان میں ایک نئی مذہبی ولالت قائم کی جائے اور سوئے اتفاق سے ایسے کچھ علماء بھی مل گئے کہ وہ جو کچھ کہتا یہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہندوستان میں یہ ہندوازم کی نشاءۃ جدیدہ تھی اکبر کے سپہ سالار بیرم خاں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شیعیت میں ڈھل چکا تھا۔

بیرم خاں نے دیکھا کہ ہندوستان میں شیعیت تبرا کی راہ سے نہیں ملنگوں کی راہ سے ہی آسکے گی اس نے اس کے لئے یہ راہ نکالی کہ پہلے ہندو تہذیب کو زیادہ سے زیادہ اپنایا جائے اور ایسی بدعات رائج کی جائیں کہ آئندہ ان کے رواج سے الحاد اور بداعتقادی کو راہ دی جاسکے اس نے اکبر کی ہر سعی الحاد میں مدد کی پھر آگے جب ملکہ نورجہاں اور جہانگیر کا دور آیا تو ہندوستان میں شیعیت کا پورا التعارف ہو چکا تھا اور بدعات کے کئی اور نقشے بھی بچھ گئے تھے۔

شیعہ کھلے بندوں سامنے آئیں تو بدعت فی العقائد کے رستے آنا پڑتا ہے لیکن خود اہل سُنت میں بدعات رائج کرنی ہوں تو بدعت فی الاعمال ایک ایسی راہ ہے جس سے تمام لوگ آسانی سے شیعوں میں لائے جاسکتے تھے شیعہ سُنی بھائی بھائی کی راہ بنانے کے لئے ایران سے قاضی نوراللہ شوستری ہندوستان لایا گیا جسے جہانگیر کے حکم سے سولی پر لٹکایا گیا شیعہ اُسے شہیدِ ثالث کے نام سے یاد کرتے ہیں شیعوں نے اہل سنت میں بدعات پھیلا کر یہاں تک کامیابی حاصل کی کہ اب شیعہ عقائد و اعمال اور جلوس اور نعرے اس طرح سُنی

---

[1] میراث ایران انگریزی ص۱۵۷۔

حلقوں میں پھیلنے لگے کہ اگر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی بعہدہ تجدید میدان میں نہ نکلتے سارے کا سارا ہندوستان ایران بن چکا ہوتا مستشرق آربری لکھتا ہے ،

شیعوں نے اسلام کے مستحکم قلعے میں ایک دروازہ کھول دیا اس دروازے سے تمام لوگ آجا سکتے تھے اور کوئی فکری ممانعت کسی کی راہ میں حائل نہ تھی[1]

حضرت مجدد الف ثانی کے بعد بدعت والحاد نے سُنی مسلمانوں پر وہ یلغار کی کہ بارھویں تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں ہندوستان کا مذہبی خاکہ نہایت کریہہ صورت اختیار کر گیا ہندوؤں میں دو انقلابی تحریکیں اٹھیں (۱) سکھ تحریک اور (۲) آریہ سماج تحریک اور مسلمانوں میں ملنگوں اور درویشوں نے محدثین اور فقہاء کے خلاف الحاد کی راہیں بنائیں اسلام میں چور دروازے نکالے عملی طور پر انہیں آگے آنے کے لئے شیعیت کے سوا اور کوئی دروازہ نہ ملتا تھا اب اسی دروازے سے مداری اور جلالی اور ان جیسے دوسرے ملنگ عوام میں آتے رہے۔

شیعیت کو عامۃ المسلمین قبول کرلیں یہ ایک ناممکن بات تھی اب ضرورت تھی کہ شیعیت کو طور جدید مہیا کیا جائے جس میں تین خلفائے راشدین کے خلاف کھلا تبرا تو نہ ہو لیکن ایران کا عقیدہ نورین جس طرح بھی ہو ان کے دلوں میں اتار دیا جائے اور اگر وہ پورے شیعہ نہ بن سکیں تو کم از کم یہ حاصل تو ہو کہ وہ محدثین دہلی کے سلسلہ سے کٹ جائیں جنہوں نے تین سو سال تک شیعیت کے خلاف سُنیت کی جنگ لڑی ہے یہ وہ دور ہے جب مولانا احمد رضا خاں سامنے آتے ہیں آپ کس خاندان سے تھے اس کے لئے آپ ان کے بزرگوں کے ناموں پر غور فرمائیں یہ تسلسل بغیر کسی پس منظر کے نہیں ہے :-

آپ کے والد محترم کا نام نقی علی دادا کا نام رضا علی پردادا کا نام کاظم علی تھا[2]

پورے شجرہ میں کہیں عثمان یا عمر یا ابوبکر کے نام آپ کو نظر نہ آئیں گے شیعہ ائمہ کے نام اس تسلسل سے کس صورت حال کا پتہ دیتے ہیں حضرت علیؓ سے حسن عسکری تک گیارہ

---

[1] میراث ایران ص۱۵۷ [2] دیکھئے حیات اعلیٰ حضرت ص۲

نام اثنا عشری شیعوں کا سلسلہ امامت ہے یہ گیارہ بزرگ اہل سنت عقیدے کے تھے مگر شیعوں نے انہیں ایک آسمانی حق امامت کے امام بنا رکھا ہے ہم اس پہلو سے اس سلسلہ کے قائل نہیں ہیں اگر یہ گیارہ بزرگ تھے تو حضرت جعفر صادق کے بیٹے اسمٰعیل بھی کیا کوئی کم بزرگ تھے جن سے اسمٰعیلی شیعوں نے اپنا انتساب قائم کر رکھا ہے) سیدنا حضرت حسن کے بیٹے ابوبکر اور عمر کوئی کم بزرگ نہیں تھے حضرت حسین کی دوسری اولاد کوئی بدمعاشوں کا سلسلہ نہ تھا سب اپنی اپنی جگہ مردان نیکوکار تھے۔ یہ تسلسل جو حضرت علی سے حضرت حسن عسکری تک پہنچتا ہے یہ اثنا عشری شیعوں کی رگِ جان ہے اور بلاد پاک و ہند میں یہ شیعیت کی پہچان ہے۔

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں جب غوثیت کبریٰ حضرت علیؓ کو عطا ہوئی تو ان کے بیٹے حضرت حسن اور حضرت حسین ان کے وزیر ہوئے یہ حضرات اب حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان سے مربوط اور فیضیاب نہیں اپنی جگہ مستقل گیارہ امام تھے اور یہ عقیدہ کسی طرح اہل سنت کا نہیں ہو سکتا گیارہ کا یہ تسلسل اثنا عشری شیعوں کی رگ جان ہے۔

اب دیکھئے مولانا احمد رضا خاں انہیں کن لفظوں سے ذکر کرتے ہیں کیا یہ اس سلسلے کا شیعی اقرار نہیں ؟ فرماتے ہیں :-

> پھر مولیٰ علی کو (غوثیت کبریٰ عطا ہوئی) اور امامین معترضین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے پھر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے [۱]

اس عبارت میں لفظ درجہ بدرجہ اور لفظ مستقل گہرے الفاظ ہیں اور قابل غور ہیں شیعہ عقیدہ میں امام اس طرح درجہ بدرجہ ہوئے ہیں :-

۱۔ حضرت علی (۴۰ھ) ۲۔ امام حسن (۴۹ھ) ۳۔ امام حسین (۶۱ھ)
۴۔ امام زین العابدین (۹۰ھ) ۵۔ امام باقر (۱۱۴ھ) ۶۔ امام جعفر صادق (۱۴۸ھ) ۷۔ امام موسیٰ کاظم (۱۸۳ھ) ۸۔ امام رضا (۲۰۳ھ)

---

[۱] ملفوظات حصہ اول صد ۱۲۱ مجموع صد ۱۳۷

۹۔ امام تقی جواد (۲۲۰ھ) ۱۰۔ امام نقی (۲۵۴ھ) ۱۱۔ امام حسن عسکری (۲۶۰ھ)

ان حضرات کا یہ درجہ بدرجہ سلسلہ ایک خالص شیعی عقیدہ ہے اور انہیں اپنی اپنی جگہ مستقل سمجھنا ان کے آسمانی حق امامت کا اقرار ہے مولانا احمد رضا خاںؒ نے انہیں درجہ بدرجہ ذکر کر کے اور انہیں اپنے منصب میں مستقل مانا ہے خاں صاحب یہاں بہت حد تک ظاہر ہو گئے ہیں۔

① اہل سنت کے جلیل القدر محدث اور مجدد وقت حضرت ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) شیعہ کی ایک اور پہچان بھی لکھ گئے ہیں آپ لکھتے ہیں:

وکذا من مفتریات الشیعۃ الشنیعۃ حدیث
نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لک فی النوائب
بنبوتک یا محمد بولایتک یا علی [1]

(ترجمہ) اور اسی طرح شیعہ کی نہایت شنیع (بری) باتوں میں سے نادِ علیاً مظہر العجائب من گھڑت حدیث ہے۔ شیعہ اسے دعائے سیفی کہتے ہیں سیفی سے ان کی مراد لافتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار میں مذکور سیف ہے جو ہر دشمن کو کاٹ دیتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اسے لا اصل لہ مما یعتمد علیہ کہہ کر اس کا رد کیا ہے۔

اب مولانا احمد رضا خاں سے سنیئے فرماتے ہیں:

جواہر خمسہ کی سیفی میں وہ جوہر دار سیف خونخوار جسے دیکھ کر وہابیت
بے چاری اپنا جوہر کرنے کو تیار۔ وہ کیا یعنی نادِ علیاً کہ ایمان طائفہ پر
شرک جلی، جواہر خمسہ میں ترکیب دعائے سیفی میں فرمایا نادِ علیاً ہفت بار
یا سہ بار یا یک بار بخواند و آں ایں است:

"نادِ علیاً مظہر العجائب ___ تجدہ عوناً لک فی النوائب ___ کل ہم و
غم سینجلی بولایتک یا علی یا علی یا علی" [2]

"یعنی پکار علی کو کہ مظہر عجائب ہیں تو انہیں اپنا مددگار پائے گا مصیبتوں میں۔ یا علی یا علی یا علی"

---

[1] موضوعات ص۸۱ مطبع مجتبائی دہلی۔ [2] الامن العلیٰ ص۱۲، ۱۳

یہ دُعا خالصتہً شیعہ کی ہے۔ مختصر ہو تو یہ نادِ علی ہے۔ اور اگر یہ مفصل ہو تو اُسے نادِ علی کبیر کہتے ہیں۔ شیعہ گھروں میں جو مجموعہ ہائے وظائف پڑھے جاتے ہیں۔ اُن میں درودِ قبرستان کے بعد دُعائے نادِ علی کبیر دی گئی ہے اُسے ہم اس مجموعہ کے ص۲۵۴ سے نقل کرتے ہیں۔

وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَحْبَابِهٖ

اور اولاد ان کے اور گھر والوں اُن کے کے اور دوستوں اُن کے

اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

سب ہمراہ ساتھ رحمت اپنی کے اے رحم کرنے والے رحم کرنے والوں کے

دُعائے نادِ علی کبیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اس اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان رحم والا ہے

نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَّكَ فِي

(اے رسول) آپ علی کو پکاریئے جو عجائبات عالم کے مظہر ہیں آپ ان کو ہر مصیبت میں اپنا

النَّوَائِبِ كُلُّ هَمٍّ وَّغَمٍّ اِلَى اللّٰهِ حَاجَتِيْ وَ

مددگار پائیں گے یعنی کہ ہر غم و الم میں اور میری حاجت کا پورا کرنے والا اللہ

عَلَيْهِ مُعَوَّلِيْ كُلَّمَا رَمَيْتُ مُتَقَاضِيًا فِي اللّٰهِ وَ

ہی ہے اور اسی پر میرا بھروسہ ہے اے حبیب خدا اور اے ولی خدا جب بھی اپنے کسی کام

يَدُ اللّٰهِ لِيْ وَلِيُّ اللّٰهِ لِيْ اَدْعُوْكَ كُلَّ هَمٍّ وَّ

کو کیا تو امر الٰہی کے مطابق یداللہ کا ہاتھ یعنی آپ پر کر لیے ہیں اور میں نے آپ کو ہر رنج و مصیبت

غَمِّ سَيَنْجَلِيْ بِعَظَمَتِكَ يَا اَللهُ وَبِنُبُوَّتِكَ يَا

میں پکارتا ہے اور عنقریب میرا رنج و غم اے اللہ تیری عظمت کے واسطے سے اور اے

مُحَمَّدُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَبِوَلَايَتِكَ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی نبوت کے صدقہ میں اور اے علی آپ کی ولایت کے

يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ اَدْرِكْنِيْ بِحَقِّ لُطْفِكَ الْخَفِيِّ

طفیل سے دور ہو جائے گا اے علی اے علی آپ اپنے الطاف کریمانہ مخفی کے تصدق میں جواب مجھے

اَللهُ اَكْبَرُ اَللهُ اَكْبَرُ اَنَا مِنْ شَرِّ اَعْدَائِكَ

بیزار ہوتے ہیں اللہ بزرگ و برتر ہے اللہ بزرگ و برتر ہے اے علی میں آپ کے دشمنوں کے شر سے

بَرِيٌّ بَرِيٌّ بَرِيٌّ اَللهُ صَمَدِيْ بِحَقِّ اِيَّاكَ

بری ہوں اور نہ مجھے ان کا خوف و خطر ہے نہ ان سے خائف ہوں اللہ

نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ يَا اَبَا الْغَيْثِ اَغِثْنِيْ

میرا محافظ ہے اے علی سب سے زیادہ فریاد کو پہنچنے والے آپ میری مدد کو پہنچئے

يَا عَلِيُّ اَدْرِكْنِيْ يَا قَاهِرَ الْعَدُوِّ وَيَا وَالِيَ الْوَلِيِّ

اور میری مدد فرمائیے اس کے صدقہ میں کہ میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اور

يَا مُظْهِرَ الْعَجَائِبِ يَا مُرْتَضٰى عَلِيُّ يَا قَهَّارُ

اسی سے مدد چاہتا ہوں اے دشمنوں پر قہر کرنے والے اے دوستوں کے والی اے علی اے عجائبات کو ظاہر کرنے والے

اس میں شرِ اعداء سے تین دفعہ بری بری بری کہہ کر تبرا کیا ہے۔ تین خلفاء سے بیزاری کا اظہار ہے۔

شیعہ امامیہ قرات کالج لاہور کے محمد طفیل کے اس پر تصدیقی دستخط موجود ہیں۔ شیخ محمد حسین اینڈ سنز نے اسے کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا ہے۔ عکسی فوٹو ملاحظہ کیجئے۔

سرٹیفکیٹ تصحیح

میں نے اس مجموعہ وظائف کے نسخہ کی قرآنی آیات مع وظائف کو
اوّل تا آخر حرف بحرف بغور پڑھا ہے۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ
اس کے متن میں کوئی اعرابی یا لفظی غلطی نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)
حافظ محمد طفیل (قرا الافاضل)
مدرس و منیجر
امامیہ قرأت کالج (رجسٹرڈ) لاہور

ناشرین

مالکان تاج کمپنی لمیٹڈ

شیخ محمد حسین اینڈ سنز، تاجران و ناشران قرآن مجید و کتب

اندرون کشمیری بازار لاہور

اب آپ دیکھیں۔ مولانا احمد رضا خاں اس دُعائے سیفی کو کس اہتمام سے پیش کرتے ہیں اور کس فحش زبان سے کہتے ہیں کہ اس سے وہابیت کا گوبر نکلا جاتا ہے۔ اب اس وہابیت اور شیعیت کی بحث میں سنیت کہاں چھپی بیٹھی ہے۔ یہ سنیت نہیں شیعیت کا ہی ایک طور جدید ہے۔

اب آپ ہی کہیں کیا بلی تھیلے سے باہر نہیں آئی ہم آپ سے انصاف کی بھیک مانگنے کے سوا کچھ مطالبہ نہیں کرتے اذا حکمتم بین الناس فاحکموا بالعدل خدارا بتائیے کہ خاں صاحب حضرت ملا علی قاری کے عقیدے کے مطابق شیعہ ہیں یا سنی؟ یہ فیصلہ آپ پر ہے ملا علی قاری کی اس کھلی تردید پر جواہر خمسہ کی کیا حقیقت باقی رہی ہے۔

(۲) شیعہ کے سب سے بڑے محدث ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) نے اصول کافی کتاب الحجہ میں ایک باب باندھا ہے۔

باب فیہ ذکر الصحیفۃ والجفر والجامعۃ ومصحف فاطمہ علیہا السلام[1]

اس میں امام جعفر صادق کی زبان سے شیعوں کے لئے ایک ستر گز لمبے جامعہ کا ذکر کیا ہے اور اس کے بارے میں لکھا ہے۔

فیہا کل حلال وحرام وکل شئی یحتاج الیہ الناس۔

(ترجمہ) اس میں ہر حلال و حرام کا بیان ہے اور ہر وہ چیز جس کی لوگوں کو ضرورت پڑے اس کے آگے لکھا ہے جفر یہ چمڑے کی ایک کتاب ہے جس میں تمام انبیاء و اوصیاء کا علم درج ہے یہ شیعوں کے باہمی علمی مذاکرات ہیں۔ اہل سنت کے ہاں نہ اس جفر کا کوئی تصور ہے اور نہ اس جامعہ کا۔

اب مولانا احمد رضا خاں کی بات سن لیں آپ نے جس طرح ازواج انبیاء کے قبور پر پیش کیے جانے کی بات محمد بن عبد الباقی کے ذمہ لگائی تھی اور حقیقت میں وہ شیعوں کا عقیدہ تھا آپ نے علامہ کلینی کی یہ چمڑے کی کتاب بھی ان کے نام سے متعارف کرائی ہے آپ لکھتے ہیں:

"جفر ایک جلد ہے جو امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھی اور اس میں اہل بیت کرام کے لئے جس چیز کے علم کی انہیں حاجت پڑے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔ سب تحریر فرما دیا ہے"[2]

---

[1] اصول کافی ج ۱ ص ۲۳۹ طہران۔ [2] خالص الاعتقاد ص ۴۵

اس شیعہ عقیدے کو اس کے اصل ماخذ سے نہ لینا اور متاخرین کی کتابوں سے نقل کرنا اور یہ بات کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیگر صحابہ سے علیحدہ بھی کوئی ترتیب دیا تھا اور ان کی ایسی کتابوں کو صرف ان کی اولاد ہی جانتی تھی یہ خالص شیعی تصورات ہیں انہیں خواہ کوئی بھی نقل کرے مولانا احمد رضا خاں اسے شیعہ ماخذ کی بجائے سنی متاخرین سے نقل کرتے ہیں تاکہ ان کے ہاں شیعی عقائد کی صدائے بازگشت نہ سنی جا سکے۔

الجفر والجامعہ کتابان لعلیؓ قد ذکر فیھما علی طریقۃ علم الحروف الحوادث التی تحدث
الی انقراض العالم وکانت الائمۃ المعروفون من اولادہ یعرفونھما ویحکمون بھما۔[1]

(ترجمہ) جفر اور الجامعہ دو کتابیں ہیں حضرت علی کی لکھی ہوئی ان میں علم حروف کے قاعدہ پر ان تمام حوادث کا ذکر ہے جو قیامت تک ہوں گے آپ کی اولاد میں ائمہ کرام ان دونوں کتابوں کو جانتے تھے اور (بسا اوقات) ان کے مطابق احکام بھی صادر کر دیتے تھے۔

اہل سنت محدثین کے ہاں ایسا تمام علم جو حضرت علیؓ کے نام سے گھڑا گیا ہے ایک جعلی ذخیرہ ہے جس کا حضرت علیؓ سے کوئی تعلق نہیں شیعہ علم جفر کی یہ علیحدہ لکیر محض اسی لئے پیٹتے ہیں کہ وہ انہیں دوسرے صحابہ کرام سے علیحدہ کر کے کسی اور روپ میں پیش کر سکیں اور ظاہر ہے کہ مولانا احمد رضا خاں اس میں شیعہ کے ساتھ ہیں اہل سنت کے ساتھ نہیں۔

حضرت علی خود فرماتے ہیں کہ میرے پاس کتاب اللہ اور ایک صحیفہ احادیث کے سوا کچھ نہیں آپ نے فرمایا۔

من زعم ان عندنا کتابا نقرؤہ الا کتاب اللہ وھذہ
الصحیفۃ ...... فقد کذب۔[2]

(ترجمہ) جس نے یہ گمان کیا کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفہ حدیث کے سوا کوئی اور کتاب بھی ہے جسے ہم پڑھتے ہیں اس نے ہم پر جھوٹ باندھا

آپ سے پوچھا گیا اس صحیفے میں کیا ہے آپ نے فرمایا۔

قلت وما فی ھذہ الصحیفۃ قال العقل وفکاک الاسیر

---

[1] خالص الاعتقاد ص۴۵ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۲ ص ۴۹۵

وان لا یقتل مسلم بکافر [1]

(ترجمہ) میں نے کہا اس صحیفے میں کیا ہے آپ نے کہا اس میں خون بہا، فکاک اسیر کے مسائل ہیں اور یہ کہ مسلمان کافر کے بدلے میں نہ مارا جائے۔

مدینہ کے حرم ہونے کی احادیث بھی اس میں تھیں اونٹوں کی مختلف عمروں کے احکام بھی اس میں تھے اس میں آنحضرتؐ سے مروی روایات تھیں علم جفر کی کوئی بات اس میں نہ تھی ایک طریق میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

ماعندنا شیٔ الا کتاب اللہ وھذہ الصحیفۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2]

(ترجمہ) ہمارے پاس قرآن کریم اور اس صحیفہ کے سوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور کوئی چیز نہیں ہے۔

پھر آپ نے بر سر منبر قسم کھا کر کہا:۔

واللہ ماعندنا من کتاب نقرأ الا کتاب اللہ ومافی ھذہ الصحیفۃ فنشرھا فاذا فیھا اسنان الابل واذا فیھا المدینۃ حرم ...... الحدیث [3]

(ترجمہ) بخدا ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں سوائے کتاب اللہ کے جسے ہم پڑھتے ہوں اور یہ ایک صحیفہ ہے آپ نے اسے کھول کر دکھایا اس میں اونٹوں کی عمروں سے متعلق کچھ احکام ہیں اور اس میں یہ بھی ہے کہ مدینہ حرم ہے۔

اس کے مقابلہ میں یہ ایک شیعہ روایت ہے کہ آپ کے پاس علم جفر کی ایک اور کتاب تھی اور ایک جامعہ تھا آئیے پہلے یہ معلوم کریں کہ علم جفر کیا ہے! کشف الظنون میں ہے:۔

الجفر عبارت عن لوح القضاء والذی ھو عقل الکل والجامعۃ لوح القدر الذی ھو نفس الکل وقد ادعی طائفۃ ان الامام علی بن ابی طالبؓ وضع الحروف الثمانیۃ والعشرین علی طریق

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۸۔ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۱، ۴۵۰، ۴۵۱۔ [3] ایضاً ج ۲ ص ۱۰۸۲

البسط الاعظم فی الجفر........ وھذا علم توارثه اھل البیت ومن ینتمی الیھم ویاخذ منھم من المشائخ الکاملین وکانوا یکتمونه عن غیرھم کل الکتمان وقیل لا یقف علی ھذا الکتاب حقیقة الا المھدی المنتظر خروجه فی آخر الزمان [1]

(ترجمہ) قضا کی تختی کو جفر کہتے ہیں اور قدر کی تختی کو جامعہ ۔ لوح القضاء عقل کل ہے اور لوح القدر خود کل ہے اور ایک فرقے کا دعویٰ ہے کہ امام علی نے اٹھائیس حروف تہجی کو بسط اعظم کے طریق ہر ایک جلد میں مرتب کیا اور یہ جفر کا علم ہے جو اہل بیت میں اور جو ان کے ہم اعتقاد ہیں ان میں چلا آرہا ہے مشائخ کاملین یہ انہی سے لیتے رہے ہیں اور وہ اپنے لوگوں (شیعوں) کے سوا لیسے ہر ایک سے سے پورا چھپاتے رہے ہیں اور یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اس کتاب پر مہدی منتظر کے سوا جو آخری وقت میں ظاہر ہوں گے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔

مولانا احمد رضا خاں اگر اس علم کو پا گئے تو آپ ہی فیصلہ کریں وہ کن میں سے ہیں اور اگر ان کا یہ عقیدہ ہو کہ واقعی حضرت علیؓ نے یہ دو کتابیں جفر اور جامعہ لکھی تھیں جسے وہ اوروں سے چھپاتے رہے تو وہ خود کون ہوتے اس کتاب کا مقدمہ مشہور عالم آیت اللہ شہاب الدین نجفی مرعشی نے بڑے بسط سے لکھا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس گروہ کا یہ عقیدہ لکھا گیا ہے وہ شیعہ ہیں کتاب جفر کو اہل بیت سے خاص کرنا دوسروں سے اسے چھپانا حضرت علی کو لفظ امام سے اس علم کا موجد بتانا امام مہدی کو اس کا وارث بتلانا اور مہدی کے آنے کو لفظ خروج سے بیان کرنا یہ سب امور اس گروہ کے شیعہ ہونے کی خبر دے رہے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہل سنت روایات کی روشنی میں جو اہل سنت کی کتابوں سے لکھی گئی ہیں حضرت علیؓ کے پاس قرآن اور صحیفہ احادیث کے بغیر اور کوئی کتاب نہ تھی شیعہ روایات کی رو سے حضرت علیؓ اس علم حروف کے موجد ہیں اور ان کے سلسلہ اولاد کے پاس یہ چمڑے کی جلد اور جامعہ دونوں موجود چلے آرہے ہیں امام جعفر بھی اس کے

---

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۵۹۱

وارث تھے اور آئندہ مہدی اس کے وارث اور ترجمان ہوں گے۔

اہل سنت کے ہاں یہ کتاب یا کتابیں بالکل جعلی ہیں ان کا ان کے ہاں کوئی اعتبار نہیں حضرت علی کے بعد یقیناً کچھ ایسی تحریریں گھڑلی گئی تھیں اور صحابہ اور کبار تابعین انہیں آپ کی تحریریں تسلیم نہ کرتے تھے بلکہ آپ کی وہی روایات معتبر سمجھی جاتی تھیں جو کوفہ کے دوسرے علمی حلقے (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حلقے تدریس) کے علماء کے واسطے مروی ہوں صحیح مسلم میں ہے:۔

عن ابی اسحٰق قال لما احدثوا تلك الاشیاء بعد علی قال رجل من اصحاب علی قاتلهم الله ای علم افسدوا[1]

(ترجمہ) ابواسحٰق سے مروی ہے کہ جب ان لوگوں نے حضرت علی کے بعد (ان کے نام سے) یہ باتیں گھڑلیں تو اصحاب علی میں سے ایک نے کہا کس قدر قیمتی علم ان لوگوں نے ضائع کر دیا (اسے مشتبہ کر دیا)

پھر حضرت مغیرہ کہتے ہیں:۔

لم یکن یصدق علی علی فی الحدیث عنه الا من اصحاب عبد الله بن مسعودؓ[2]

(ترجمہ) حضرت علی سے مروی کوئی بات مصدق اور درست نہ سمجھی تھی جب تک اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد واسطہ نہ ہوں

اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کی وہی بات ان کی ہے جس میں دوسرے اکابر صحابہ ان سے موافقت کریں جو طریق فکر انہیں دوسرے صحابہ سے جدا کر کے پیش کرے وہ اہل سنت کا نہیں شیعہ کا ہے اہل سنت کے ہاں یہ جفر اور جامعہ ہرگز ان کی کتابیں نہ تھیں وہ بقسم کہہ چکے ہیں کہ میرے پاس قرآن کریم اور اس صحیفہ احادیث کے سوا کچھ نہیں ہاں ایک فہم سلیم ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مرحمت فرماتا ہے۔

(۴) شیعہ اپنے عقیدے میں صرف پانچ تن کو پاک کہتے ہیں اور انہی کے وسیلے سے وہ اپنے خیال میں قہر خداوندی کی آگ بجھاتے ہیں اہل سنت کے ہاں یہ حد بندی درست نہیں حضرت عمرؓ

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ صنا۔ [2] ایضاً

اللہ رب العزت سے بارش مانگنے میں حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کو بطور وسیلہ لائے تھے حالانکہ اس وقت ان پانچ میں سے تین حضرات موجود تھے ان کے ہوتے ہوئے حضرت عباسؓ کا وسیلہ لانا بتلاتا ہے کہ اہل سنت کے عقیدہ میں وباؤں اور بلاؤں کو دور کرنے اور رحمت خداوندی حاصل کرنے کے لئے ان پانچ کی کوئی تخصیص نہیں مگر معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں کیوں انہی پانچ سے جلانے والی وباؤں کو بجھاتے کا وظیفہ پڑھتے رہے پنجتن پاک کی اصطلاح انہوں نے اس طرح قائم کر رکھی تھی۔

لی خمسۃ اطفی بہا حرّ الوباء الحاطمہ المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناھما والفاطمہ[1]

(ترجمہ) میرے لئے یہی پانچ ہستیاں ہیں جن کے وسیلہ میں جلانے والی آفتوں کو بجھاتا ہوں وہ پانچ حضورؐ ہیں حضرت علی ہیں حضرت فاطمہ ہیں اور ان کے دو بیٹے ہیں۔

ممکن ہے ہمارے بعض دوست کہیں کہ شیعہ تو تعزیئے بناتے ہیں اور ان میں برکت سمجھتے ہیں مولانا احمد رضا خاں شیعہ ہوتے تو وہ حضرت حسین کا تعزیہ کیوں نہ بناتے ہم عرض کرتے ہیں انہوں نے یہ فتویٰ بھی دیا تھا:۔

"تبرک کے لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقبرے کا نمونہ بنا کر گھر کے اندر رکھنے میں کوئی حرج نہیں[2]"

کہئے کیا اب بھی کوئی پردہ رہا ہے۔ ؎

کچھ تو کہئے کہ لوگ کہتے ہیں ۔۔۔ آج غالب غزل سرا نہ ہوا

(۴) ـــــ مولانا احمد رضا خاں امام رضا کے حوالے سے صرف اہل بیت کو وسیلہ دعا سمجھتے ہیں اسے ان کی کتاب حیات الموات میں دیکھیں:۔

"اے اہل بیت میں اپنے اور مشکلات کے حل کے لئے آپ کو خدا کے حضور سفارشی بنا کر پیش کرتا ہوں اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کرتا ہوں"[3]

صحابہؓ کے نام کے بغیر صرف اہلبیت کا ذکر کن لوگوں کا کام ہے یہ آپ غور فرمائیں۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۱۸۷ ۔ [2] بدر الانوار ص ۵۷ ۔ [3] فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۹۹

یہ پیرایۂ بیان ذاکروں کا ہے۔ سیدنا حضرت عمرؓ تو حضرت عباسؓ کا وسیلہ لیں اور خاتمۂ اہل بیت کے دشمنوں سے صرف برأت کو کافی سمجھیں۔ جب انہیں ان پانچ حضرات کے سوا کوئی اور نظر آتا ہی نہیں تو ہم کیسے تسلیم کرلیں کہ آپ تہِ دل سے عظمتِ صحابہؓ کا عقیدہ رکھتے تھے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنی پچاس سالہ محنت سے اہل سنت کو دو مستقل گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور دونوں میں کفر و اسلام کے ایسے خطوط کھینچے ہیں کہ اب قیامت تک یہ ایک ہوتے نظر نہیں آتے ــــــ یہ سوال اب اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ اس تکفیر سے سب سے زیادہ فائدہ کس کو ہوا ہے؟ ہر شخص جواب دے گا شیعوں کو ــــــ کیونکہ سوادِ اعظم اب دو حصوں میں بٹ گیا۔ اب اکثریت اس کی ہوگی جس کے ساتھ شیعہ ہوں گے۔

اس مقام پر ہم پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر خان صاحب در من خانہ شیعہ نہ تھے تو انہوں نے شیعہ قوم پر یہ احسانِ عظیم کیا کہ سوادِ اعظم کے ہمیشہ کے لیے دو ٹکڑے کر دیئے اور اب اہل سنت کبھی ان کے سامنے متحدہ طاقت سے کھڑے نہیں ہو سکتے۔ جب یہ مسلمانوں میں کہیں شیعہ سنی سوال اٹھتا ہے تو خان صاحب کے ماننے والوں کا ووٹ اس وقت شیعوں کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ دونوں بھائی بھائی بن کر نکلتے ہیں۔

مسلمانوں میں اگر کوئی پڑھا لکھا اس بات سے ناواقف نہ ہوگا کہ شیعہ صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ کو اپنا پیشوا نہیں مانتے اور ان پر اتنی زہریلی تنقید کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے لیے بالکل ناقابلِ برداشت ہوتی ہے ایسے وقت میں جب سنی غیرت میں آتے ہیں تو بریلوی مولوی اپنے عوام کو یہ کہہ کر ٹھنڈا کر دیتے ہیں کہ ہمارا اختلاف شیعوں سے صحابہؓ پر ہے اور دیوبندیوں سے ذاتِ رسالت پر۔ سو اس تنازعہ میں ہم شیعوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے دیوبندیوں کے ساتھ نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان میں کیا کوئی ایسا سنجیدہ اور دردمند مسلمان نہیں جو انہیں سمجھائے کہ شیعہ تو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم پہلے تین خلفائے راشدینؓ کو نہیں مانتے۔ کیا کبھی علمائے دیوبند نے بھی کہا کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کو پیغمبر نہیں مانتے یا انہیں اپنا پیشوا نہیں سمجھتے. اگر نہیں تو اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ شیعوں سے ہمارا اختلاف حقیقی ہے اور بریلویوں سے صرف الزامات کا —— اسلام کے اصولی عقائد پر دیوبندی بریلوی دونوں متفق ہیں. آیئے ہم اس پر مولانا ابوالحسنات اور پیر کرم شاہ صاحب (بھیرہ) کی شہادت پیش کرتے ہیں،

۱. بریلوی علماء دیوبندی کی بعض تحریروں پر معترض ہیں اور یہ رائے رکھتے ہیں کہ ان تحریروں کے ظاہری معانی کو صحیح سمجھنے والا شخص گمراہ ہے. دیوبندی اپنے اکابر کی ان تحریروں کو قابلِ گرفت یا مورد تنقید خیال نہیں کرتے لیکن اصول و اساس میں بریلوی علماء سے سو فی صد متفق ہیں[1]

۲. دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں . . . . ضروریاتِ دین میں کلی اتفاق ہے[2]

اس حقیقتِ حال میں کون کہہ سکتا ہے کہ سنی شیعہ اختلاف کم ہے اور دیوبندی بریلوی اختلاف اس سے کہیں بڑھ کر ہے.

اب مولانا احمد رضا خاں سے بھی سُن لیجئے کہ کس ہمت سے کہتے ہیں کہ دیوبندیوں سے ہمارا اختلاف شیعوں کے اختلاف سے زیادہ ہے. معلوم ہوتا ہے وہ شیعوں کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتے —— کیا ایسی بات شیعہ کے سوا کوئی اور کہہ سکتا ہے؟

یا قوم الیس منکم رجل رشید

حب صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بدگویوں سے میل جول کی یہ شامت ہے تو وہابیوں اور دیوبندیوں کے پاس نشست و برخاست کی آفت کس قدر شدید ہوگی. ان کی (شیعہ کی) بدگوئی صحابہ تک ہے اور ان کی (دیوبندی کی) انبیاء اور سید الانبیاء اور اللہ عزوجل تک[3]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کہیں سنی شیعہ مسئلہ اُٹھے تو مولانا احمد رضا خان کے پیرو اتنا ہی شیعوں کے قریب ہوں گے جتنا صحابہ کرامؓ سے حضورؐ کا درجہ اونچا ہے. ظاہر ہے کہ اس

---

[1] روزنامہ زمانے پاکستان. ۱۰ اپریل ۱۹۵۵ء [2] تفسیر ضیاء القرآن جلد ا ص۲ [3] ملفوظات حصہ دوم ص۸۲

صورت میں اہل سنت اکثریت میں نہ ہوں گے اکثریت میں شیعہ ہوں گے کیونکہ بریلوی ان کے ساتھ ہوں گے اور وہ یہ نہ جانتے ہوں گے کس طرح ایک شاطر نے انہیں شیعوں کے سامنے جھکا دیا ہے۔

آیئے! دیکھیں بریلوی حلقوں میں شیعہ عقائد کس پیرائے میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے اکابر کی بار بار کی صراحتوں کے باوجود بریلویت کا عوامی انداز شیعہ کی مذہبی پیرائے سے کوئی زیادہ مختلف نظر نہیں آتا اور دونوں بھائی بھائی نظر آتے ہیں۔

① عقیدہ نورٌ من نورِ اللہ

ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) امام جعفر صادق سے روایت کرتا ہے۔

ان اللہ خلقنا من نور عظمته ثم صور خلقنا من طينة مخزونة مكنونة من تحت العرش فاسكن ذلك النور فيه فكنا نحن خلقًا و بشرًا نورانيين۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہم (اہل بیت) کو اپنی عظمت کے نور سے پیدا کیا ہے پھر اس نے ہماری پیدائش کو مٹی کے اس خزانہ سے صورت بخشی جو عرش کے نیچے مکنون تھا اللہ تعالیٰ نے وہ نور مٹی میں ٹھہرایا سو ہم مخلوق ٹھہرے اور نورانی بشر ٹھہرے

عن ابی عبد اللہ قال قال اللہ تبارك و تعالیٰ یا محمد انی خلقتك و علیًا نورًا یعنی روحًا بلا بدن[2]

ترجمہ۔ امام جعفر صادق نے کہا خدا نے کہا۔ اے محمد! میں نے تجھے اور علی کو ایک نور سے بنایا ہے یا بدن سے پہلے اس روح کو خلقت بخشی۔

وهو النور الذی خلق منه محمدًا و علیًا فلم یزالا نورین اولین۔[3]

---

[1] اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۳۸۹ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۴۴۰ [3] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۴۴۱

ترجمہ. سب نوروں کا منبع وہ نور ہے جس سے اللہ نے محمدؐ اور علیؓ کو پیدا کیا.

سو یہ نورین ہمیشہ سے چلے آرہے ہیں.

یہ شیعوں میں عقیدہ نورین کا آغاز ہے. زرتشتیوں کے ہاں یزداں واہرمن کے تصور نے عقیدہ نورین کو وجود بخشا تھا. شیعوں کے ہاں نورین کی ایک وقت سے پیدائش مانی گئی. کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر آربری لکھتے ہیں

شیعہ علماء اور فضلاء اس بات کی سعی کرتے رہے ہیں کہ پرانے (ایرانی) ادیان کی روح کو ملحوظ رکھ کر اسلام کو وہ استناد مہیا کیا جائے کہ عقیدہ نورین بے خطر رہے[1]

نوع بشری سے انکار کی ضرورت

پاکستان میں شیعہ علماء عقیدہ نور کی اشاعت میں بہت پیش پیش رہے ہیں. ان کا مقصد بریلویوں کو یہ جتلانا ہوتا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں. ان کے اس اصرار میں ان کا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بغض کارفرما ہے. آپؓ نے حضورؐ کے بارے میں بڑی صراحت سے یہ کہا تھا کہ کان بشرًا من البشر[2] اب اس کی تردید میں شیعہ عقیدہ نورین لے آئے اور بریلوی اس بات کو نہ سمجھ پائے کہ شیعہ ان کا ساتھ نہیں دے رہے. حضرت ام المؤمنینؓ کے خلاف فضا بنا رہے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ کو بشر کیوں نہیں جانا.

③ عقیدہ عالم ماکان ومایکون

ملا محمد بن یعقوب الکلینی لکھتا ہے.

ان الائمۃ علیہم السلام یعلمون علم ما کان وما یکون وانہ لا یخفیٰ علیہم الشیٔ صلوٰت علیہم[3]

---

[1] میراث ایران انگریزی ص۱۵۳

ترجمہ۔ بے شک ائمہ اہل بیت ماکان ومایکون کا علم رکھتے ہیں اور کوئی چیز ان سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

بریلویوں میں حضور کے علم کے لیے عالم ماکان ومایکون کی اصطلاح عام ہے۔ اہل السنۃ کی صحاح ستہ میں کسی امام نے یہ باب نہیں باندھا۔ بریلویوں نے یہ اصطلاح شیعوں سے حاصل کی ہے۔ یوں سمجھئے موجودہ بریلویت شیعیت کا ہی ایک طرز جدید ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :۔

حضورؐ کو ــــ تمام ماکان ومایکون مندرجہ لوح محفوظ اور اس سے بہت زائد کا علم ہے[1]

۴ عقیدہ لم یکن لہ فیئ

ملا محمد بن یعقوب الکلینی امام محمد باقر سے روایت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا :۔

لم یکن لہ فیئ ــــ آپ کا سایہ نہ تھا[2]

یہ بات کہ آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ لم یکن یری لہ ظل فی الشمس یا یہ کہ آپ پر بادل سایہ کئے رہتا تھا اور سایہ زمین پر نہ آتا تھا یہ اور بات ہے۔ اور سایہ تھا ہی نہیں یہ اور بات ہے۔ بریلویوں کا نفی الفیئ کا عقیدہ شیعیت سے ماخوذ ہے۔ جو عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ کا سایہ تھا ہی نہیں۔ اہل سنت کے ہاں اگر کوئی اس کا ذکر کرتا ہے تو وہ اسے معجزات میں لاتا ہے اور خرق عادت میں شمار کرتا ہے۔ اسے فطرت اور عادت قرار دینا یہ شیعی عقیدہ ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے حضورؐ کو نور ثابت کرنے کے لیے آپ کے سایہ کی سرے سے نفی کی ہے۔ آپ کے اس رسالے کا نام یہ ہے۔ نفی الفیئ عمن بنورہ انار کل شیئ۔

جن علماء نے حضورؐ کا سایہ نظر نہ آنے کی صراحت کی تھی وہ اقرار بنا بر معجزہ تھا مگر کیا کریں

[1] خالص الاعتقاد صفحہ [2] اصول کافی جلد ا صفحہ ۴۴۲

مولانا احمد رضا خاں لکھ گئے :۔

ثبوتِ معجزات صرف اسی پر موقوف نہیں[1]

کیا اس میں اس کے بطور معجزہ ہونے کا کھلا انکار نہیں۔ یہ معجزات کا منکر کون ہے؟

(۴) شیعہ حضرت ام المومنینؓ کے خلاف جو زبان استعمال کرتے ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں آپ کے لباس تک پر انہوں نے آوازے کسے کہ آپ بے آستین قمیص پہنتی تھیں (استغفر اللہ) آج کل اسے ٹیڈی لباس کہتے ہیں اس میں حیاء کا کوئی پہلو باقی نہیں رہتا۔ شیعہ مجتہد اختر حسین نقوی آپ کے لقب حمیرا کا کس بے حیائی سے ذکر کرتا ہے :۔

حمیرا کا ترجمہ گوری کیا ہے حالانکہ چھوٹی لالن ہونا چاہیئے۔[2]

پھر آپ کے لباس کے بارے میں لکھتا ہے :۔

اگر حضرت عائشہ کو بے آستین کپڑے میں جناب ابوبکر نے رخصت کیا ہو تو
کچھ تعجب نہیں[3]

بے آستین تنگ لباس کون پہنتی ہیں۔ نقوی نے حضرت ام المومنین کے خلاف جو فحش زبان استعمال کی ہے مولانا احمد رضا خاں بھی اسی زبان میں حضرت عائشہ کا ذکر کرتے ہیں۔ کیا بات اب بھی نہیں کھلی کہ آپ اندر سے کیا تھے۔

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار
مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر

یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن میرے دل کی صورت
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے برون سینہ و بر[4]

بریلوی علماء بجائے اس کے کہ مولانا احمد رضا خاں کی اس گستاخی کا نوٹس لیں اعلان کرتے ہیں

---

[1] نفی الفئ صـ۲ [2] الحمیرا صـ۱۲ مؤلفہ اختر حسین نقوی گیلانی الیکٹرک پریس لاہور۔ شائع کردہ: امامیہ کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور [3] حدائق بخشش حصہ سوم صـ۳۷

کہ یہ معمولی غلطی ہے قابلِ گرفت نہیں پروفیسر مسعود احمد صاحب کے والد مفتی مظہر اللہ صاحب لکھتے ہیں :-

اس معمولی غلطی کو شرعاً قابلِ گرفت نہیں. کیا ان کی (حضرت ام المومنین کی) ذاتِ کریمہ معاف نہ فرمائے گی اور فرض کیجئے وہ معاف نہ فرمائیں گی تب بھی مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ ؟ کیا یہ معاملہ ایک خطار کار بیچے کا اور اس کی مشفقہ ماں کا ہے[1]

بریلویوں نے ان شعروں پر جو معافی مانگی ہے اس کی تفصیل آپ کو مطالعہ بریلویت جلد دوم میں ملے گی.[2]

(۵) شیعہ عقائد میں سے ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام اپنی قبروں میں اپنی بیویوں سے مصروف رہتے ہیں. اس لیے ان کے ہاں کسی کو نبی کی قبر پہ جھانکنے کی اجازت نہیں شیعہ کے جلیل القدر محدث محمد بن یعقوب الکلینی نے اصُول کافی میں باب باندھا ہے.

باب النهي عن الاشراف على قبر النبي صلى الله عليه وآله.

ترجمہ. اس باب میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے اُوپر چڑھنا منع ہے.

علامہ کلینی جعفر بن المثنیٰ سے روایت کرتے ہیں :-

میں ان دنوں مدینہ میں تھا جب مسجد کی چھت کا وہ حصہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پہ تھا گرا. کام کرنے والے اُوپر چڑھتے اور اُترتے تھے میں نے اپنے ساتھیوں (شیعوں) سے کہا کہ آج رات کیا تم میں سے کوئی امام جعفر الصادق کے پاس جائے گا. مہران بن ابی نصر اور اسمٰعیل بن عمار الصیرفی دونوں نے کہا. ہاں؟ ہم نے انہیں کہا کہ وہ حضرت امام سے پوچھیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے اونچا چڑھنا کیا جائز ہے ؟ آپ نے فرمایا :-

ما احب لاحد منهم ان يعلوا فوقه ولا أمنه ان يرى شيئاً يذهب منه

---

[1] فتاوٰے مظہری ص۱۸۹ [2] دیکھئے مطالعہ بریلویت جلد ۱ ص۳۵۰

بصره او يراه قائما يصلى او يراه مع بعض ازواجه۔[1]

ترجمہ۔ میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی ان میں سے اس سے اوپر چڑھے اور نہ میں اس سے بے خوف ہوں کہ وہ کوئی ایسی چیز دیکھے کہ اس کی نظر ہی جاتی رہے یا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا نماز پڑھتا پائے یا یہ کہ آپ کو اپنی کسی بیوی سے مشغول دیکھے۔

شیعوں نے اپنا یہ عقیدہ یوں ہی حضرت امام جعفر صادق کے ذمے لگایا ہے۔ جعفر بن المثنیٰ تو ان کے عہد میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ یہ عقیدہ شیعوں کا ہے جسے مولانا احمد رضا خاں نے اپنایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرہ پیش کی جاتی ہیں اور اُن کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔[2]

کیا اب بھی کوئی شبہ رہا کہ بریلویت شیعیت کا ہی ایک طرز جدید ہے۔

(۶) شیعہ امام جعفر صادق کے نام کونڈوں کا ختم اسی خوشی میں دلاتے ہیں کہ ۲۲ رجب کو حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کا دن ہے۔ پھر اس دن وہ اس کھانے کو گھروں میں چھپائے رکھتے ہیں آسمان کے نیچے کھلا نہیں رکھتے۔ یہ ان کے اپنے عقیدہ تقیہ کا نشان ہوتا ہے؟

اب آپ دیکھیں کیا بریلوی لوگ یہ کونڈوں کا ختم نہیں دلاتے اور کیا یہ بھی چھپ چھپ کر شیعوں کے گھروں میں نہیں جاتے۔ سو اگر بریلویت شیعیت کا طرز جدید نہیں تو اور کیا ہے؟

شیعہ حضرت امام حسین کا چہلم کس زور شور سے کرتے ہیں۔ کیا رسم چہلم آج بریلویوں کے ہاں بھی اسی طرح جگہ نہیں پا چکی۔ بریلویوں نے ایصال ثواب کے لیے کیا اسی طرح تاریخوں کی تعیین نہیں کر رکھی۔ اس صورت حال میں بیرونی مبصر کیا اثر لے کر جائے گا یہی نا کہ موجودہ بریلوی اہل سنت نہیں ہیں۔ یہ شیعوں کی ہی ایک بدلی ہوئی صورت ہے۔

---

[1] اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۴۵۲ [2] ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ سوم صفحہ ۲۸

⑦ اجماع صحابہؓ کا تخطئہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی تجویز ہوئی۔ پھر مسجد نبوی میں بیعت عام ہوئی اور پہلی خلافت عمل میں آئی۔ یہ صحابہؓ کا اجماع تھا جو بطور خود حجت ہے۔ ولا شك ان فعل الصحابة حجة (رد المحتار جلد ۲ ص۲۷)
اسے شیعہ کے سوا کوئی غلط نہیں کہہ سکتا۔ مگر مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا محمد احمد لکھتے ہیں۔

خلافت پہ اترے تو سنیئے لطیفہ — یہ لگتی ہے رائے جچی در خفیفہ
کہ اجماع میں جو کے اہل سقیفہ — بنانا تھا حضرت حسن کو خلیفہ

تو ہوتے نہ اتنے تفنن کے جھگڑے
تشیع کے قصے تسنن کے جھگڑے [1]

تشیع کے موقف کو واقعات میں شمار کیا ہے قصے کہا ہے اور اہل سنت کے موقف کو جھگڑا کہا ہے یہ کون کہہ سکتا ہے؟ کیا کوئی سنی ایسا کہہ سکتا ہے یہ فیصلہ آپ خود کریں۔

⑧ آفتابِ رسالت کا زوال

یہ خالص شیعی عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن میں ناکام رہے۔ علامہ خمینی نے لکھا ہے۔

ختم المرسلین جو انسان کی اصلاح کے لیے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے تھے وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے [2]

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا محمد احمد خطیب جامع مسجد وزیر خاں لاہور بھی لکھتے ہیں کہ
آفتابِ رسالت کو زوال آگیا (استغفر اللہ)

---

[1] اوراق غم ص۱۱ [2] اتحاد و یک جہتی ص۱۵ خانہ فرہنگ ایران

آقائے مدینہ رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت الیوم اکملت لکم دینکم میں راکھا استعال پائی، اس لیے کہ بعد کمال زوال ہوتا ہے [۱]

چو آفتاب بہ نصف النہار یافت کمال　　　مقرر است کہ روئے نہد بہ سوئے زوال

"جب آفتاب عین دوپہر کو کمال پر پہنچتا ہے تو طے شدہ ہے کہ اب وہ معرضِ زوال میں آئے گا۔"

اہل سنت کے پیشوا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس عقیدے کی پُرزور تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب رسالت کبھی غروب ہونے والا نہیں، ہمیشہ افقِ کائنات پر تاباں رہے گا۔

افلت شموس الاولین وشمسنا　　　ابدا علی افق العلی لا تغرب

⑨ صحابہؓ کے نام پر طنزیہ فقرے

اہل سنت کے ہاں صحابہؓ سے نسبتیں موجب عزت ہیں ان میں عار نہیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثمانی اسی جذبہ عزت سے اپنے آپ کو عثمانی لکھتے تھے علماء بدایوں جو زیادہ تر مولانا احمد رضا خاں کے ہم خیال رہے ہیں وہ بھی عثمانی النسب تھے مولانا احمد رضا خاں اور علمائے بدایوں کا جمعہ کی اذان ثانی پر اختلاف ہوگیا۔ مولانا احمد رضا خاں کا موقف یہ تھا کہ یہ اذان مسجد کے اندر نہ دی جائے اور علمائے بدایوں سیدنا حضرت عثمانؓ کی پیروی میں اس بات کے قائل تھے کہ یہ اذان خطیب کے بالکل سامنے دی جائے۔ اس بحث میں مولانا احمد رضا خاں نے امام وقت ہونے کا دعوے کر دیا اور علمائے بدایوں کو جاہل قرار دیا اور حضرت عثمانؓ کی اتباع سے عار دلائی۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

جو در بارۂ اذان سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اگر امام وقت ہے

---

[۱] اوراق غم ص۱۱۳

جاہل ، نامہذب اور ہزاروں دشنام کا مستوجب ہے اور جو پدر پرستی میں سنت نبوی اور ارشادات فقہ کو پس پشت پھینک دے وہ جاہل سے جاہل ہو۔ امام اور علامہ چنیں و چناں ہے۔[1]

حضرت عثمانؓ کی اولاد ہونے پر اس طرح پدر پرستی کا طعن دینا کیا کسی سُنی کا کام ہو سکتا ہے؟ یہ آپ خود فیصلہ کریں۔ صحابی رسولؐ حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کو برسرِ عام لئیم (کمینہ) کہلوانا اور اسے سیدنا حضرت عمرؓ کے کھاتے میں ڈالنا کسی سُنی کے لیے لائق قبول ہو سکتا ہے؟ مولانا احمد رضا خان نے بچوں کے کھیل میں صحابہؓ کی عزت تک کو کھیل بنا دیا۔ آپ کچھ سوچیں کیا حضرت عمرؓ اس قدر غلط فیصلے اور رغش کلامی کے محرک ہو سکتے تھے؟ کیا عجیب قصہ گھڑا ہے اور راویوں کی سند پوچھو تو گویا سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ قصہ یہ ہے:-

> ایک مصری امیرالمومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی ...... میں نے (عمرو بن عاصؓ کے) صاحبزادے کے ساتھ دوڑ کی میں آگے نکل گیا۔ صاحبزادے نے مجھے کوڑے مارے اور کہا میں دو معزز و کریم والدین کا بیٹا ہوں۔ اس فریاد پر امیرالمومنین نے فرمان نافذ کیا کہ عمرو بن العاصؓ مع اپنے بیٹے کے حاضر ہوں۔ حاضر ہوئے۔ امیرالمومنینؓ نے مصری کو حکم دیا کوڑا لے اور مار۔ اس نے بدلہ لینا شروع کیا اور امیرالمومنین فرماتے جاتے ہیں مار دو لئیموں کے بیٹے کو۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خدا کی قسم جب اس فریادی نے مارنا شروع کیا ہمارا جی چاہتا تھا کہ یہ مارے اور اپنا عوض لے۔ اس نے یہاں تک مارا کہ ہم تمنا کرنے لگے کاش اب ہاتھ اٹھا لے۔ جب مصری فارغ ہوا امیرالمومنینؓ نے فرمایا۔ اب یہ کوڑا عمرو بن العاصؓ کی چندیا پر رکھ (یہ وہاں کے حاکم تھے انہوں نے کیوں نہ دادرسی کی بیٹے کا کیوں لحاظ پاس کیا) مصری نے عرض کی یا امیرالمومنینؓ

---

[1] اجلی انوار الرضا صد ۱۳۱

اُن کے بیٹے ہی نے مجھے مارا تھا۔ اس سے میں عوض (بدلہ) لے چکا.... حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، یا امیرالمومنین! نہ مجھے خبر ہوئی نہ یہ شخص میرے پاس فریادی آیا۔[1]

افسوس مولانا احمد رضا خاں نے یہ بھی نہ سوچا کہ کیا کوئی مصری بچہ محض اتنی شکایت کے لیے مصر سے مدینہ آیا ہو گا؟ کیا اس کے سامنے یہ صورت نہ تھی کہ وہ حاکم مصر کے پاس جائے اور اس سے اُن کے بیٹے کی شکایت کرے؟ اور کیا حضرت عمرؓ نے محض اس بچے کے کہنے پر گورنر مصر کو مدینہ طلب کر لیا ہو گا؟ یا آپ کو کہنا چاہیئے تھا کہ پہلے اپنے صوبہ کے حاکم عمرو بن عاصؓ کے پاس جاؤ۔ اگر وہ انصاف نہ کریں تو میرے پاس آؤ۔ عدالتی آداب کو نظر انداز نہ کرو۔ اگر ایسا ہوا بھی تو کیا یہ آپ کا فرض نہ تھا کہ پہلے حضرت عمرو بن عاصؓ سے پوچھتے کہ کیا ہوا۔ تم نے اپنی ذمہ داری کیوں نہ ادا کی۔ یا آپ نے انہیں پوچھے بغیر اُن کے بیٹے پر کوڑوں کا حکم دے دیا ہو گا؟ کیا آپ نے اس مصری سے پوچھا تجھے کتنے کوڑے لگے؟ اور کیا آپ نے ان کی گنتی معلوم کئے بغیر حضرت عمرو بن عاصؓ کے بیٹے پر کوڑے برسانے کا حکم دے دیا ہو گا؟ پھر کیا آپ نے محض اس مصری کے کہنے سے اپنی زبان سے حضرت عمرو بن عاصؓ صحابی کو لئیم کہا ہو گا۔ کسی غیر صحابی کے کہنے پر صحابی کے لیے اس قسم کا لفظ استعمال کرنا کیا جائز ہے؟ پھر کیا آپ نے اس غیر صحابی (مصری) کو ایک صحابی کی گردن پر کوڑا رکھنے کا حکم دیا ہو گا؟

ان صورتوں پر اگر آپ غور کریں تو سارے کا سارا قصہ محض ایک جعلی داستان معلوم ہوتا ہے جس سے نہ سیدنا حضرت عمرؓ کے تدبیر اور انصاف کا کوئی انداز قائم رہتا ہے نہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی کوئی عزت قائم رہتی ہے اور صحابہ کرامؓ کا سارے کا سارا معاشرہ ایک شرمناک حد تک گرا ہوا نظر آتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے عدلِ فاروقی کو اس بھونڈی شکل میں پیش کر کے اور حضرت عمرو

---

[1] الامن والعلی ص۲۴۴ و ص۲۴۵

بن عاصؓ کو (معاذ اللہ) لئیم کہلوا کر عقیدہ اہل سنت کی حفاظت کی ہے یا اس قصے کا ہر پہلو ایک شیعی داستان بتا رہا ہے۔ یہ آپ خود فیصلہ کریں۔

(۱۰) شیعوں نے اذان میں اضافہ کیا تو بریلویوں نے بھی اذان میں صلوٰۃ وسلام کو شامل کر لیا۔ اسماعیلی شیعہ اذان کے آخر میں السلام علی امام الظاہر کے الفاظ کہتے ہیں۔ اثنا عشری شیعہ اذان میں علی ولی اللہ کہتے ہیں۔ یہ کلمہ ولایت علی وسط اذان میں کہا جاتا ہے۔ جب اذان کا آخر اور وسط معروف ہو گیا تو تعارض سے بچنے کے لیے بریلویوں نے خالی جگہ سنبھالی اور اذان کے شروع میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ کر دیا۔

اس وقت اس مسئلے سے بحث نہیں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان حقائق پر غور کرنے سے کیا اس میں شک رہ جاتا ہے کہ موجودہ بریلویت شیعہ عقائد کی ہی ایک صدائے بازگشت ہے

(۱۱) آج آپ بزرگانِ دین کی خانقاہوں اور مزارات پر جائیں۔ وہاں آپ علی علی اور مولا علی مشکل کشا کے نعرے لگانے والے درویشوں کی اچھی خاصی تعداد پائیں گے اور چمٹے بجاتے ہوئے کئی ملنگ یہ کہتے سنے جائیں گے

دم دم مست قلندر　　　　علی کا پہلا نمبر

یہ کیا ہے؟ کیا یہ خلفائے ثلثہ کے خلاف اظہار تبرا نہیں مگر کیا مجال کسی بریلوی کی کہ وہاں شیعوں کا نعرۂ حیدری کے امتیاز سے روکے اور اُن سے پوچھے کہ کیا تم نے کبھی حضرت عمرؓ کا نعرہ بھی لگایا ہے؟ آپ یہ پوچھیں تو اُن کے چہرے فوراً اُتر جائیں گے۔ کیا آپ کو پھر بھی یقین نہ آئے گا کہ مزاراتِ اولیاء پر یہ شیعہ طریق عمل کس بیدردی سے چھایا ہوا ہے

(۱۲) بریلویوں نے رضا خاں کی تعریف میں حضرت عمرؓ پر بھی تیتے کا گولہ پھینکا ہے

کیا عمرؓ سے دس گنا کام جس نے　　　　وہ بس ایک اکیلا ہمارا رضا ہے　(گلشن رضو ص۱)

بریلوی اور شیعہ کس طرح ایک ہو چکے ہیں اسے مولانا ظفر علی خاں سے سنیئے:

شیعہ بریلوی سے گلے مل رہا ہے آج　　　　لکھنؤ میں ہے دونوں کا قارورہ مل گیا

کندھا دیا جنازۂ ملت کو ایک نے ۔۔۔ اور ایک جا کے قبر پہ پتھر کی سِل گیا
کھوئی گئی ملتِ بیضا کی آبرو ۔۔۔ اور سنتِ مطہرہ کا پایہ ہل گیا

غلط فہمی نہ ہو

مولانا احمد رضا خاں کی اس دبی شیعیت میں یہ وہم نہ ہو کہ اگر آپ شیعہ ہوتے تو شیعوں کے خلاف ردّ الرفضہ نہ لکھتے جس میں آپ نے تمام شیعوں کو کافر کہا ہے اور اپنے آپ کو حنفی ظاہر کیا ہے۔ اس غلط فہمی سے بچنے کے لیے آپ شیعہ مجتہد قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) کے مندرجہ ذیل بیان پر غور کریں۔ ایسے لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔

> وچوں علمائے شیعہ ایدہم بنصرہ بعلت تمادی استیلائے اصحاب شقا وشقاق واستعلائے اہل تغلب ونفاق ہموارہ در زاویہ تقیہ متواری ومختفی بودہ اند خود را شافعی یا حنفی مے نمودہ اند۔ ۔۔۔ مجالس المومنین جلد ۱ ص ۳ طبع طہران ۱۲۷۵ھ

ترجمہ۔ چونکہ علمائے شیعہ اصحاب شقا وشقاق کے طویل غلبے اور اہل تغلب ونفاق کے برسرِ اقتدار ہونے کے باعث ہمیشہ گوشہ تقیہ میں چھپے اور مخفی رہے ہیں اس لیے وہ اپنے آپ کو شافعی یا حنفی ظاہر کرتے رہے ہیں۔

تقیہ کے کئی اطوار ہیں ایک تقیہ اپنی جان بچانے کے لیے ہوتا ہے اور ایک تقیہ اپنی سکیم چلانے کے لیے اور مخالفین کو اپنے پروگرام میں ناکام کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ انگریزی دور میں اگرچہ مسلمانوں کی حکومت نہ تھی لیکن مسلمانوں میں اہلسنت بھاری اکثریت میں تھے اور آزادی ملنے پر وہ کسی وقت میں بھی ایک دینی سنی ریاست عمل میں لا سکتے تھے۔ اب سوادِ اعظم اہل سنت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا اور ایک دوسرے سے اس طرح علیحدہ کر دینا کہ اب وہ قیامت تک ایک نہ ہو سکیں۔ یہ شیعہ مذہب کی ایسی خدمت ہے جو نہ شوستری سرانجام دے سکا، نہ باقر مجلسی۔ اور ہندوستان کے اہل سنت دیوبندی بریلوی دو بڑی جماعتوں میں منقسم ہو کر رہ گئے۔

ہمارے اس موقف کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دار العلوم دیوبند جس کے سب سے بڑے مخالف مولانا احمد رضا خاں تھے ان دنوں ایک بڑی سُنی درسگاہ کے طور پہ معروف تھا۔ اس کے اکابر محدثین دہلی حضرت شاہ عبد العزیزؒ، حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے وارث سمجھے جاتے تھے اور خود

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہدیۃ الشیعہ اور ہدایۃ الشیعہ لکھ کر شیعانِ ہند پر حق کی حجت تمام کر چکے ہوئے تھے۔ اب اس عظیم سُنی مدرسگاہ کے خلاف اُٹھنا خود اپنے غیر سُنی ہونے کا ایک دبا اقرار تھا۔ مولانا احمد رضا خاں کی اس سعی مرکبہ علم سے مخالفت خود مولانا احمد رضا خاں کے اپنے عقائد و نظریات کی اندرونی خبر دے رہی ہے۔

علمائے دیوبند پورے اہل السنۃ والجماعت ہونے کی حیثیت سے فرقہ اہل حدیث سے بھی متفق نہ تھے۔ یہ حضرات (علمائے دیوبند) اتحادِ امت کے نظریئے سے چاروں فقہی مذاہب کو اصولاً حق پر سمجھتے ہیں۔ بخلاف غیر مقلد حضرات کے جو صرف ایک ہی فقہی طریق کو حق پر سمجھتے ہیں اور اسکے خلاف دوسرے طریق کے سنت ہونے کے قائل نہیں علمائے دیوبند گو خود حنفی المسلک ہیں لیکن وہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کو بھی باطل پر نہیں سمجھتے۔ انہیں پورا علمی وزن دیتے ہیں اور خود صرف ترجیح کے قائل ہیں۔ علماء دیوبند کا پختہ کار اہل سنت ہونے کا یہ موقف انگریز مستشرقین سے چھپا نہ تھا۔ پی ہارڈی برٹش انڈیا کے حالات میں لکھتا ہے کہ ان دنوں مسلمانوں میں علمائے دیوبند کا قابل فخر تعارف اُن کا سُنی ہونا ہی تھا۔ اور وہ اہلحدیث اور بریلویوں کے مقابل ہمیشہ اہل سنت ہونے کے ناطے سے پہچانے جاتے تھے۔ یہ بات یقین کرنے کے لیے کافی ہے کہ بریلوی مکتب فکر ان دنوں دیوبند کی مخالفت میں ہرگز اہل سنت ہونے سے معروف نہ تھا نہ یہ لوگ سنی سمجھے جاتے تھے پڑھے لکھے لوگ انہیں دیوبند کے مقابل میں نیچریوں شیعوں اور قادیانیوں کی صف میں جگہ دیتے تھے۔ لکھتا ہے:۔

The Ulama of Deoband prided themselves on being ahl-al-sunna wal-jama, accepting the authority of the four orthodox sunni mazahib, opposed to the Ahl-Hadith, to the ulama of the Barlely Schools, with their acceptance of the intercession of saints and worship at tombs and their ascription of semi divine qualities to the prophet, to the teachings of Sir Syyed Ahmad and the Ahmadiyya.

The Muslims of British India, P. Hardi, P.171

ترجمہ۔ علماء دیوبند اہل سنت ہونے پر فخر کرتے تھے اور چاروں راسخ العقیدہ سنی مذاہب

کہ بمقابل اہل حدیث لائق پیروی (اتفاقی) سمجھتے تھے وہ (علماء دیوبند) بریلوی مکتب فکر کے بھی سخت مخالف تھے جو قبروں پہ سجدہ کرتے اور ولیوں کو نجات میں وسیلہ سمجھتے تھے ـــــ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نیم خدائی صفات اُتری ہونے کے قائل تھے. علماء دیوبند سر سید احمد خاں کے (نیچری) نظریات اور شیعوں اور احمدیوں کی تعلیمات کے بھی خلاف تھے۔

یہ ایک غیر جانبدارانہ رائے ہے جو ہم نے نقل کی ہے. علماء دیوبند کا ان دنوں اہل السنۃ والجماعۃ کے طور پر معروف ہونا اور بریلویوں اور شیعوں کا ان کے درپے آزار ہونا اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں ہرگز ہرگز اہل سنت میں سے نہ تھے اور اُن کا سُنی ہونے کا دعوے محض اس لیے تھا کہ وہ کسی طرح اپنے مقابل (سواد اعظم اہل سنت) کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے شیعیت کو سنی کی اکثریت کے بوجھ سے رہائی دلائیں اور حق یہ ہے کہ جو ذمہ انہوں نے لیا تھا وہ انہوں نے پُورا کر دکھایا یہ آپ کی پچاس سال کی محنت کا ثمرہ ہے کہ آج ایران میں تو خمینی کی مذہبی حکومت قائم ہو سکتی ہے لیکن پاکستان میں کبھی کوئی سُنی حکومت قائم نہیں ہو سکتی کیونکہ اہل سنت یہاں دو اصولی ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکے ہیں، اَن پڑھ طبقہ اپنی بریلویت پہ نازاں ہے اور پڑھے لکھے لوگ مسلک دیوبند سے جُڑے ہیں اور یہ تفریق یہاں ایک کامیاب مذہبی حکومت قائم ہونے میں وقت کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

اس تفریق ملت اور تقسیم اہل سنت کا سارا ثواب مولانا احمد رضا خاں کے کھاتے میں جاتا ہے۔ اب آپ ہی کہیں کہ آپ نے اہل سنت میں رہ کر کن کا کام کیا؟ اگر آپ کا یہ کارنامہ شیعوں کے حق میں جاتا ہے تو پھر اس پس منظر میں جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں. کیا آپ کو اندر سے اہل سنت میں سے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ جناب قاری احمد ـ پیلی بھیتی مولانا احمد رضا خاں کی اس پچاس سالہ محنت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

> مولانا احمد رضا خاں پچاس سال اس جد و جہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ دو مستقل مکتب فکر قائم ہو گئے دیوبندی اور بریلوی۔ ؎

اس تقسیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیعوں کو ایک ایسا فرقہ میسر آگیا جو اہلسنت کہلا کر ان کا ساتھ دے اور جب بھی کہیں سنی شیعہ چپقلش ہو، شیعوں کو خود سنی صفوں سے اپنی ہاں میں ہاں ملانیوالے مولوی میسر آجائیں اور

؎ سوانح اعلیٰحضرت صفحہ

شیعہ کے خلاف صرف ایک دیوبندی مکتب فکر رہ جائے ــــ سو اس یقین سے چارہ نہیں کہ اہل سنت کا دو حصوں میں بنا حقیقت میں شیعہ قیادت کی ایک فکری کامیابی ہے۔

اس پس منظر میں جب ہم مولانا احمد رضا خاں اور ان کے مسلکی تعلقات پر غور کرتے ہیں تو اندر کی بات یہی سامنے آتی ہے کہ مولانا احمد رضا خاں اندر سے ہرگز ہرگز اہل سنت میں سے نہ تھے اور اب صرف علمائے دیوبند رہ گئے تھے جو شیعوں کے ہم مجلس ہونے کے لیے کسی طرح تیار نہ ہوتے تھے۔

۱۹۱۷ء کے قریب مجلس معید الاسلام کا ایک وفد جو شیعوں اور ان نام نہاد سنیوں پر مشتمل تھا وائسرائے ہند کو ایڈریس پیش کرنے کے لیے تجویز ہوا تھا اس میں شیعوں کے پہلو بہ پہلو کون تھے، مولانا ولایت حسین الٰہ آبادی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔ P. Hardi لکھتا ہے:۔

The deputation was to include Shia Mujtahids as well as Willayat Hussain of Allahabad and Ahmad Raza Khan of Bareilly. The Deobandis, characteristically objected to coming in with the Lucknow lot. ibit, p.285.

ترجمہ۔ اس وفد میں شیعہ مجتہدین اور ولایت حسین الٰہ آبادی اور احمد رضا خاں بریلوی شامل تھے۔ دیوبندیوں نے لکھنؤ کے ان مجتہدین کے ساتھ نکلنے کی مخالفت کی۔

اب آپ ہی بتائیں جن سنیوں میں ہر دم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بغض کا لاوا اُبلتا ہو ان سے سینہ ملا کر چلنے والے کون تھے اور اہل السنۃ والجماعۃ کی اعتقادی سرحدوں کے گرد دیانت و امانت کا پہرہ دینا کن کا نصیب تھا۔ ؎ ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ

وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

بریلوی حضرات کہتے ہیں دیوبندیوں نے شیعوں کے ساتھ چلنے سے اس لیے انکار نہ کیا تھا کہ وہ شیعوں کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے۔ بلکہ ان کے انکار کی اصل وجہ انگریز حکومت سے عدم تعاون تھا اور وہ وائسرائے ہند کو ایڈریس پیش کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ شیعوں کے ساتھ نہ بیٹھنے کو انہوں نے فقط ایک بہانہ بنایا تھا ہم کہتے ہیں اس وقت ہم دیوبندیوں پر بحث نہیں کر رہے کہ ان کا انکار کس جہت سے تھا یہاں بات مولانا احمد رضا خاں کی ہو رہی ہے وہ شیعوں کے ساتھ بیٹھنے کے لیے تیار تھے تو محض اس لیے کہ ان کی اپنی اندرونی آواز بھی کچھ ایسی ہی تھی اور ان کی اپنی کاوشوں کی منزل بھی یہی تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے اہل سنت کے دو ٹکڑے کر دیئے جائیں تا ضرورت کے وقت ایک ان میں سے ہمیشہ شیعوں کے ساتھ آ ملا کرے

حضرت علیؓ پر دو مختلف نظریے

حضرت علی مرتضیٰؓ پر اہل سنت اور شیعہ دو متضاد نظریے رکھتے ہیں۔ اہل سنت کا عقیدہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اس قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے سوا اور کوئی علم مسلمانوں کو نہیں دیا اور نہ آپ کوئی اندر باطنی علوم رکھتے تھے جو آپ نے صرف اپنی اولاد کو ہی دے دیئے ہوں۔ اہل سنت کتب فکر میں ایسا کوئی تصور نہیں۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کا یہ اعلان آپ پڑھ آئے ہیں :۔

ما عندنا كتاب نقرؤه الا كتب الله غير هذه الصحيفة۔[1]

ترجمہ۔ ہمارے پاس اس کتاب اللہ کے سوا جسے ہم تلاوت کرتے ہیں اور کوئی کتاب نہیں یا یہ ایک صحیفہ ہے (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف ابواب کی احادیث ہیں)۔

اشتر نے حضرت علیؓ سے کہا، لوگوں میں یہ بات چل نکلی ہے کہ آپ کے پاس کوئی اور ایسا علم بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہی دیا ہے اور کسی کو نہیں۔ آپ نے فرمایا :۔

ما عهد الى رسول الله صلى الله عليه وسلم شيأ ترخاصا دون الناس الا شيء سمعته منه فهو في صحيفة في قراب سيفي۔[2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کوئی خاص عہد نہیں دیا جو اوروں کو معلوم نہ ہو مگر وہ احادیث جو میں نے آپ سے سنیں وہ اس صحیفہ میں ہیں جو میری تلوار کے دستے میں ہے۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفرائض باب اثم من تبرأ من مواليه جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۱ کتاب فضائل مدینہ باب حرم المدینہ جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ کتاب الجہاد باب ذمة المسلمین وجوارہم واحدة جلد ۱ صفحہ ۴۵۰ باب اثم من عاہد ثم غدر جلد ۱ صفحہ ۴۵۱ کتاب الاعتصام باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم والغلو فی الدین جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۳ صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینہ جلد ۱ صفحہ ۴۴۲ کتاب العتق باب تحریم تولی العتیق غیر موالیہ جلد ۱ صفحہ ۴۹۵

[2] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۷۶ (کتاب المناسک) مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۹۵۹ مع تعلیق احمد شاکر، سنن نسائی کتاب القسامہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ باب القود بین الاحرار والممالیک فی النفس صفحہ ۲۴۹ من الاشتر و مالک بن الحارث۔

شیعہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ نے کچھ اور کتابیں بھی لکھیں جو آپ کی اولاد کے پاس رہیں۔ یہ علوم صرف اہل بیت کے پاس تھے۔

وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے کتاب جفر اور ایک کتاب جامعہ بھی لکھیں۔ یہ آپ کی دو کتابیں ہیں جن میں آپ نے علم حروف کے ساتھ وہ تمام واقعات لکھے ہیں جو انقراض عالم اور انتہائے دُنیا تک ہونے والے ہیں اور آپ ان سب امور کو جانتے تھے اور آپ کی اولاد میں سے جو امام ہوئے وہ ان سب علوم کو جانتے تھے اور ان کے مطابق وہ فیصلے کرتے تھے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ عباسی خلیفہ مامون الرشید نے امام رضا کو خلافت لکھ دی تو امام علی بن موسیٰ الرضا نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے صاف لکھ دیا کہ (ہمارے پاس رکھی کتابیں) کتاب جفر اور کتاب جامعہ بتاتی ہیں کہ یہ بات پُوری نہ ہو سکے گی۔

یہ بیان واضح طور پر شیعہ فکر و نظر کا پتہ دیتا ہے۔ اہل سنت کے ہاں حضرت علی مرتضیٰؓ کا ارشاد جیسے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں سو فیصد صحیح ہے اور تواتر تک پہنچتا ہے کہ آپ کے پاس اس قرآن کے سوا (جسے سب مسلمان پڑھتے ہیں) اور ان احادیث کے سوا جو آپ کے قراب سیف میں تھی تھیں اور کوئی علیحدہ علم نہ تھا جسے حضورؐ نے صرف آپ کو دیا ہو اور باقی صحابہ کو اس سے بے خبر رکھا ہو ——— اہل سنت صحابہؓ اور اہل بیت میں اس تفریق کے قائل نہیں ہیں۔

کیا اس میں صریح طور پر آسمانی حق امامت کا اقرار نہیں اور کیا یہ وہی عقیدہ امامت نہیں، جس پر اہل سنت شیعہ سے ممتاز ہوتے ہیں، اہل سنت کے ہاں شورے پر مبنی نظام ہے ——— امام خدا کی طرف سے منصوص نہیں ہوتا۔ ان بیوں میں جو امام ہو اس کی امامت بے شک ایک آسمانی عہدہ ہے۔

اب آیئے مولانا احمد رضا خاں کا وہ بیان پڑھیں جس میں آپ نے اپنا عقیدہ امامت ظاہر کر دیا ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ کی طرف ان دو کتابوں (کتاب جفر اور کتاب جامعہ) کی نسبت ان صریح الفاظ میں کی ہے جو علامہ کلینی شیعی (۳۲۸ھ) کی اصول کافی[1] میں شیعہ عقیدے کے طور پر منقول ہیں پھر افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں اسے خالص الاعتقاد لکھتے ہیں :-

---

[1] اصول کافی جلد ۱ ص۲۳۹ مطبوعہ طہران

جفر و جامعہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دو کتابیں ہیں بے شک امیر المومنین
نے ان دونوں میں علم الحروف کی روش پر ختم دُنیا کے جتنے وقائع ہونے والے
ہیں سب ذکر فرما دیے ہیں اور ان کی اولادِ امجادؔ سے ائمہ مشہورین رضی اللہ عنہم
ان کتابوں کے رموز پہچانتے اور ان سے احکام لگاتے تھے اور مامون الرشید نے
جب حضرت امام علی رضا ابن امام موسےٰ کاظم رضی اللہ عنہما کو اپنے بعد ولی عہد
کیا اور خلافتؔ نامہ لکھ دیا. امام رضی اللہ عنہ نے اس قبول میں فرمان بنام مامون الرشید
تحریر فرمایا. اس میں فرماتے ہیں کہ تم نے ہمارے حق پہچانے جو تمہارے باپ دادا
نے نہ پہچانےؔ اس لیے میں تمہاری ولی عہدی قبول کرتا ہوں مگر جفر اور جامعہ بتا رہی
ہیں کہ یہ کام پُورا نہ ہوگا. چنانچہ ایسا ہی ہوا اور امام رضی اللہ عنہ نے مامون کی زندگی

ے امامت کا صرف آپ کی اولاد میں ہونا یہ خالص شیعہ عقیدہ ہے کوئی سنی اس کا قائل نہیں ہو سکتا. ے یہاں
مولانا احمد رضا خاں نے امامت بمعنی خلافت ہونے کی تصریح کر دی ہے. ے اس میں ہارون الرشید کے خلیفہ
غاصب ہونے کا بیان ہے جب وہ خلیفہ غاصب ٹھہرا تو اس کے تمام احکام غیر شرعی ٹھہرے اس سے امام
ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) جو فقہ حنفی کے دوسرے بڑے امام ہیں اور جن کی حق گوئی اور ترجمانی اسلام ان کی کتاب
الخراج میں جو آپ نے ہارون الرشید کو مخاطب کر کے لکھی نہایت جلی طور پہ مذکور ہے کا تقرر بطور قاضی القضاۃ
غیر شرعی ٹھہرتا ہے اس سے فقہ حنفی کی عمارت درمیان سے اس طرح گرتی ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں رہتا. سو یہ
عقیدہ کسی سنی مسلمان کا نہیں ہو سکتا کہ ہارون الرشید سے لے کر حضرت ابو بکر صدیقؓ تک کی خلافتوں کو غصب و
ظلم کی خلافتیں کہے اور خلافت و امارت صرف اولادِ علیؓ میں محدود جانے. ے امام رضا کو تو پتہ چل گیا کہ یہ کام پورا
نہ ہوگا اور جس نے یہ دو کتابیں جفر اور جامعہ لکھیں (یعنی حضرت علیؓ نے) انہوں نے اپنی خلافت تسلیم کرانے کے
لیے حضرت معاویہؓ کے خلاف جو جنگ کی انہیں پتہ نہ چلا کہ یہ کام پُورا نہ ہوگا اور پھر آپ نے جنگ صفین کے بعد
جو حکم تسلیم کیے ان کے بارے میں پہلے سے معلوم نہ ہوا کہ حکموں کی یہ مہم کامیاب نہ ہوگی. ان تجربات کے بعد ہم
آپ نے اس میں عافیت جانی کہ امیر معاویہؓ سے ۴۰ھ میں مہادنت کر لیں اور ایک دوسرے پر چڑھائی نہ کریں
یہ کیسا عقیدہ ہے کہ امام علی رضا کو تو ان دو کتابوں سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کام سرے نہ چڑھے گا اور جس بزرگ
نے یہ کتابیں لکھیں انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ امیر معاویہؓ کے خلاف ان کا کوئی اقدام سر نہ چڑھے گا شیعہ عقیدے کیا

رہی میں شہادت پائی۔[1]

بریلویوں کا عذر لنگ

بریلوی علماء خالص الاعتقاد کی اس عبارت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے یہ عبارت اپنی طرف سے نہیں لکھی شرح مواقف سے نقل کی ہے اور وہ سنی عقائد کی کتاب ہے —— ہم جواباً پوچھتے ہیں کہ یہ عبارت انہوں نے اپنے عقیدے کی حمایت میں نقل کی ہے یا تردید کے لیے؟ اگر اپنی حمایت میں نقل کی ہے تو کیا یہ ان کے شیعہ عقائد کا تحریری ثبوت نہیں؟ کیا اب بھی بلی تھیلے سے باہر نہیں آتی؟ ہمیں گلہ عام بریلویوں سے نہیں وہ بے شک اپنے آپ کو سنی سمجھتے ہوں گے۔ افسوس ان کی نادانی اور جہالت پہ ہے کہ کس بستے وہ مولانا احمد رضا خاں کو سنی سمجھے بیٹھے ہیں —— فاعتبروا یا اولی الابصار۔

شرح مواقف کا حوالہ دیتے مولانا احمد رضا خاں نے اس کے ماخذ کا کہیں پتہ نہیں دیا کہ علامہ سید شریف نے یہ بات کہاں سے لی ہے۔ ظاہر ہے کہ علامہ سید شریف تو حضرت علیؓ کے دور کے نہ تھے جو ان کی ان دو کتابوں کا پتہ دے رہے ہیں تو وہ کون سا ماخذ ہے جہاں سے انہوں نے یہ بات لی۔ —— بریلوی علماء تو اس تحقیق میں کھوئے کھوئے سو گئے مگر کوئی یقینی الثبوت ماخذ انہیں نہ مل سکا۔ جس پہ وہ اپنے اس عقیدے کی اساس رکھ سکیں۔ اب بریلوی عوام ہیں جو خواہ مخواہ مولانا احمد رضا خاں کو ان عقائد کے باوجود سنی کہے جا رہے ہیں۔ فواحسرتا علی ضیعۃ العلم وقلۃ الفہم۔

شارح مواقف کا عذر

علامہ سید شریف صاحب شرح مواقف تو اللہ کے حضور کہہ سکیں گے کہ میں نے تو یہ عبارت

الف لیلیٰ کی داستان ہیں کہ کوئی معقولیت پسند انہیں ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ مولانا احمد رضا خاں ان عقائد کو تسلیم کر کے جاہلوں کے پیشوا تو ہو سکتے ہیں لیکن انہیں سنی تسلیم کرنا معقولیت پسند لوگوں کے لیے بہت مشکل ہے۔

[1] خالص الاعتقاد مصنفہ مولانا احمد رضا خاں ص۴۳ طبع بریلی

شرح مواقف میں نہ لکھی تھی. یہ مولانا احمد رضا خاں نے مجھ پر افتراء باندھا ہے اور اہل سنت کو شیعہ عقائد پرلانے کے لیے انہوں نے یہ عقائد خواہ مخواہ میری طرف منسوب کر دیئے تھے. مگر ان بریلوی علماء کا کیا بنے گا جو محض خاں صاحب کی حمایت کے لیے اب تک اسے شرح مواقف کی عبارت بتلا رہے ہیں وہ اس کا کوئی مبحث اور صفحہ نمبر بتائیں تو ہم پتہ دے سکیں گے کہ یہ بات انہوں نے کہاں سے لی ہے اور اگر یہ عبارت شرح مواقف میں کہیں نہ ملے تو قارئین ہی فیصلہ فرمائیں کہ ایسے بے سروپا عقیدوں کو کیا خالص الاعتقاد کہا جا سکتا ہے.

ہم نے ایک دفعہ مولانا احمد سعید کاظمی (ملتان) سے شرح مواقف کے اس حوالے کی نشاندہی مانگی. مولانا نے فرمایا. یہ اس شرح مواقف میں ہوگی جو اعلیحضرت کے پاس تھی. اب اگر دیوبندیوں نے اس عبارت کو شرح مواقف سے نکال دیا ہے تو کیا میں اس کا ذمہ دار ہوں. انہیں پتہ نہ تھا کہ اس وقت میرے ہاتھ میں ۱۸۶۷ء کی لکھنؤ کی قدیم الطبع شرح مواقف تھی میں نے آگے کر دی. پوچھنے لگے یہ کب کی طبع ہے. میں نے ۱۸۶۷ء کی جس سال دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تھا. اس وقت تک تو دیوبندی بریلوی یہ اختلاف نہ پھیلے تھے. مولانا نے اس پر سر جھکا لیا اور دیر تک مراقبہ میں رہے اور فرمایا، پھر کبھی اسے شرح مواقف میں تلاش کریں گے اس وقت فرصت نہیں. افسوس کہ مولانا کاظمی چل بسے اور اب ان میں کوئی صاحب علم نہیں جو شرح مواقف کے اس حوالے کا ماخذ بتا کر ہماری پیاس بجھائے.

اہل سنت کی کتابوں میں شیعہ رواۃ اور مرویات

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اہل سنت رواۃ حدیث میں کبھی شیعہ راوی بھی آجاتے ہیں اور محدثین ان پر جرح کرتے ہیں اور بعض مقامات پر ان کی مرویات بھی نقل کر دی جاتی ہیں اور پھر یہ کام علمائے محققین کا ہوتا ہے کہ وہ ان روایات اور مرویات کی تحقیق کریں. علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی کتابوں میں ہر طرح کی رطب و یابس روایات لے آتے ہیں. لیکن وہ حوالہ دے کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں. اب یہ کام اگلے علماء کا ہوتا ہے کہ وہ ان کی تحقیق و پڑتال کریں. کسی روایت کا ان کی کسی کتاب میں مل جانا اس بات کا ثبوت نہیں کہ انہوں نے اس کی صحت پر نص فرمائی ہے.

مولانا احمد رضا خاں علامہ زرقانی کے حوالے سے جیسا کہ ہم پہلے پیش کر چکے ہیں سے امام جعفر صادقؒ

کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں۔

الجفر جلد کتبہ جعفر الصادق کتب فیہ لآل البیت کل ما یحتاجون
الی علمہ وکل مایکون الی یوم القیٰمہ۔

ترجمہ۔ کتاب جفر ایک جلد میں ہے جو امام جعفر صادق نے لکھی تھی اس میں آپ نے
اہلبیت کے لیے ہر وہ بات لکھ دی جس کی انہیں قیامت تک ضرورت ہو سکتی تھی
اور ہر وہ چیز جو قیامت تک واقع ہو گی۔

یہاں بھی خان صاحب نے کوئی نشاندہی نہیں کی کہ یہ بات زرقانی نے کہاں سے لی ہے اور کس برتے ہر وہ شیعہ عقائد کو اہل سنت میں لا رہے ہیں۔ پھر یہاں مولانا احمد رضا خاں کتاب جفر کو امام امام جعفر صادق کی تالیف بتا رہے ہیں اور پھر کبھی وہ اسے حضرت علی مرتضیٰؓ کی تالیف لکھتے ہیں ــــ ٹھیک ہے دروغ گو را حافظہ نباشد لیکن اس دروغ گوئی سے یہ پتہ بھی تو ملتا ہے کہ بات اتنی بے وزن اور کمزور ہے کہ خان صاحب شیعہ عقائد مکڑی کے جالے سے بُن بُن کر انہیں اہل سنت کے عقائد میں داخل کر دیں۔

پھر ابن النجار کے حوالے سے آپ یہ موضوع روایت بھی سُنیں مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:۔

امیر المومنین ابو الائمہ الطاہرین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا:۔

سلونی قبل ان تفقدونی فانی لا اسئل عن شیٔ دون لعرش لا اخبرت عنہ

مجھ سے سوال کر و قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ کہ عرش کے نیچے اور آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے سب تحت الثریٰ تک داخل ہے اس سب کو میرا علم محیط ہے ان میں سے جو شئے مجھ سے پوچھو میں بتادوں گا۔[1]

حضرت علی مرتضیٰؓ کو ابو الائمۃ الطاہرین بتلانا اسی شیعہ عقیدے کا اظہار ہے کہ بارہ امام سب ایک نسل سے تھے اور سب کے سب معصوم تھے ــــ کسے معلوم نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ میں سے کوئی بھی حضرت علیؓ کی اولاد میں سے نہ تھا امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ بھی ان کی اولاد میں سے نہ تھے۔ امام غزالیؒ اور امام رازیؒ بھی ان کی اولاد میں سے نہ تھے تو آپ کو ابو الائمۃ الطاہرین کہنا

---

[1] خالص الاعتقاد ص۳۶

ایک خاص شیعہ اصطلاح کا ہی ترجمان ہو سکتا ہے۔ اہل سنت عقیدے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے علم کو علم محیط کہنا کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خاں پہلے خود کہہ آئے ہیں :۔

علم ذاتی و علم محیط ہے کہ وہی ذات باری عزوجل کے لیے ثابت اور اس سے مخصوص ہے۔[1]

اب آپ اپنے ضمیر سے پوچھیں مولانا احمد رضا خاں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے لیے علم محیط کا اقرار کر کے کیا کھو یا اور کیا پایا ـــــ کیا اب بھی انہوں نے شیعیت کی قبا نہیں اتاری۔

اب آپ ہی بتائیں کہ حضرت علیؓ کے علم کو علم محیط ماننا اگر کھلی شیعیت نہیں تو کون سا عقیدہ اہل سنت ہے جو مولانا احمد رضا خاں تقیہ کے پردے سے اہل سنت کی صفوں میں لا رہے ہیں۔ دارالعلوم دیو بند کی مخالفت کیا صرف اسی لیے نہیں کہ یہ مدرسہ اہل سنت کے طور پر کیوں معروف تھا اور پھر اہل سنت کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے اس کی مخالفت ضروری تھی ـــــ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دارالعلوم دیو بند سُنی درس گاہ کے طور پر اور مدرسہ بریلی اس کی اپوزیشن میں معروف تھا۔ P. Harvly لکھتا ہے۔

The prestige of Deoband as the active, confident and watchful guardian of sunni Islam was enhanced by its struggle against a new interpretation of Islam, which appeared in the late ninteenth century —— the Ahmadiya —— what envaged orthodox opinion was Mirza Ghulam Ahmad's apparent challenge to the fundamental doctrine of KHATM-E-NUBUWWAT (the doctrine of the finality of prophethood of Muhammad, be peace upon him)

The Muslims of British India. p.172.

ترجمہ : سُنی اسلام کے مستعد، لائق اور بیدار محافظ ہونے کی حیثیت سے دیو بند کا وقار اس جدو جہد سے اور بڑھا جو اس نے اسلام کی نئی تشریح کے خلاف کی جو (نئی تشریح) انیسویں صدی کے اواخر میں احمدیت (قادیانیت) کے نام سے ظاہر ہوئی۔

---

[1] خالص الاعتقاد صـ۱۳

بریلوی پندرہویں صدی میں اور کھل گئے

مولانا احمد رضا خاں کے پیروؤں میں ایک صاحب مولانا طاہر القادری ہیں آپ سیال شریف کے مولانا محمد اشرف سیالوی کے معتقد خاص ہیں۔ جھنگ میں مولانا حق نوازؒ اور مولانا محمد اشرف سیالوی میں دیوبندی بریلوی موضوع پر ایک مناظرہ ہوا تھا اس میں پروفیسر طاہر القادری اشرف سیالوی کے معین تھے اور ان کی بار بار رہنمائی کرتے تھے۔ جہاں سیالوی صاحب رہ جاتے طاہر القادری ان کی جگہ پوری کر دیتے۔ اب مولانا طاہر القادری صاحب کی شیعیت ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے مولانا حق نواز جھنگویؒ کی مخالفت یا مولانا احمد رضا خاں کی موافقت نے پروفیسر صاحب کو کہاں لا کھڑا کیا ہے۔ مولانا طاہر القادری کا اعلان سنیئے :-

> جو جماعت میں بنا رہا ہوں وہ محض اہلسنت کی جماعت نہ ہوگی بلکہ شیعہ سنی سبھی شامل ہوں گے ہمارے نزدیک شیعہ سنی میں کوئی امتیاز نہیں[1]

کیا اب بھی ہمارے قارئین نہیں سمجھے کہ بریلویت شیعیت کا ہی ایک طرز جدید ہے۔
علامہ خمینی کی وفات پر بریلویوں نے کیا کہا اسے بھی طاہر القادری صاحب کی زبان سے سنیئے :-

> امام خمینی تاریخ اسلام کے شجاع اور جری مردانِ حق میں سے ہیں جن کا جینا علیؓ کی طرح اور مرنا حسینؓ کی طرح ہے خمینی کی محبت کا تقاضا ہے کہ ہر ہر بچہ خمینی بن جائے[2]

بریلویوں کی اس شیعیت نے بریلوی عوام کو بہت پریشان کر رکھا ہے مگر افسوس کہ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ جہالت کا کوئی علاج نہیں بریلوی عوام اس کے خود ذمہ دار ہیں۔ وہ اپنے ان مولویوں کو جناب احمد رضا خاں ہوں یا مولانا طاہر القادری چھوڑنے کے لیے تیار نہیں —— ادھر نسبت سرکار بغداد سے ظاہر کرتے ہیں اور ادھر جا کر خمینی کی چوکھٹ پہ اپنی سب متاع ایمان الٹ آتے ہیں۔ ؎

> وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
> کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

---

[1] چٹان لاہور ۲۵ مئی ۱۹۸۹ء [2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۸ جون ۱۹۸۹ء

جاہلی مسلمانوں کا تاریک ماضی

بدعات کے گہرے سائے میں

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

جاہلی مسلمانوں کا تاریک ماضی
بدعات کے گھیرے

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی ءاللّٰہُ خَیرٌ اَمَّا یُشرِکُونَ

موجودہ بریلویت کا تاریخی پس منظر آپ کے سامنے ہے یہ اپنا نام کچھ رکھیں اور ماضی میں یہ کس کس نام سے معروف رہے ہوں ان حالات کی مشترکہ دلالت یہ ہے کہ انکے حلقوں میں ہندو مذہب پھر سے ابھر رہا ہے اور دہمات نے ان کے دل و دماغ میں شرک اور توحید کے بہت سے سمجھوتے کر رکھے ہیں توحید و سنّت اسلام کے دو امتیازی نشان تھے انہی دو کو انہوں نے گدلا کیا اور شرک و بدعت دو تاریک راہیں تھیں اور انہی ہیں یہ چلے اور بڑی بے دردی سے چلے۔

ان تاریک راہوں کا دُوسرا سرا کدھر کھلتا ہے عیسائیت کی طرف جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ کے نورِ ذات سے بنا مانتے ہیں یا ہندو ازم کی طرف اور اس کے لئے واضح دلائیں ان کے گرد و پیش موجود ہیں یا دین زرتشت کی طرف جس کے سائے میں بریلویت شیعت کا ایک طور جدید بن کر سامنے آتی ہے دین سے ناواقف مسلمان انہی راہوں سے بھٹکے ہیں اور اور انہیں راہوں کا دوسرا سرا کفر کی طرف کھلتا ہے شرک اور قبر پرستی ایک ساتھ چلے ہیں بریلوی حضرات اس تلخ حقیقت کو مانتے نہیں وہ شرک کو ہندوؤں کے کھاتے میں ڈالتے ہیں اور قبر پرستی کو اپنا نصیب بتلاتے ہیں ہم اس دعوے پر کہ شرک اور قبر پرستی کی تاریخ ایک ہے سلام کی چودہ صدیوں کی شہادت پیش کر چکے ہیں اس موضوع پر آپ فقہ حنفی کا یہ فتوے شامی سے دیکھ آئے ہیں۔ دیکھو رد المحتار شامی ج ۱ صفحہ ۲۵۲

ان اصل عبادۃ الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد

ترجمہ :۔ بت پرستی کی ابتداء اس سے ہوئی کہ لوگوں نے بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔

ہندوازم کی نشأۃ جدید کن رستوں سے ہورہی ہے آپ اس کے خدوخال بریلویت میں دیکھ چکے ہیں دین زرتشت کس طرح شیعیت کی راہ سے بریلویت میں جلوہ گر ہوا آپ اس تاریک راہ کو بھی دیکھ آئے ہیں اب آپ ذرا بریلویت کی داخلی حدود میں چلیں بدعات ان کا اپنا میدان ہے اور یہی ان کا اپنا خصوصی کارنامہ ہے شرک انہوں نے ہندوؤں سے لیا ہے[1] الحاد انہوں نے شیعیت سے لیا ہے اور اندھی عقیدت انہوں نے عیسائیوں سے لی ہے جن میں کفر محبت کی راہ سے آیا تھا بریلویوں کی اپنی محنت صرف بدعات پر ہے۔ اور یہی ان کا خصوصی دین و مذہب ہے جس کی وصیت مولانا احمد رضا خاں نے اپنی وفات سے دو گھنٹے ۱۷ منٹ پہلے کی تھی۔

بدعات نے اسلام کے روشن چہرہ کو کس طرح غبار آلود کر رکھا ہے اور شریعت میں انہوں نے کیا کیا اضافے کر رکھے ہیں اور کس اصول اور کس ضرورت پر کر رکھے ہیں یہ تاریخ بریلویت کا ایک وسیع باب ہے مولانا احمد رضا خاں نے اپنی زندگی اسی باب کو علمی استناد مہیا کرنے پر صرف کی ہے اور بدعات کی رگوں کو تازہ خون مہیا کیا ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ۔

یہ بدعات کی تاریخ موجودہ بریلویت سے پہلے کی ہے جب تک مسلمان خلافت کے سائے میں رہے ان پر اللہ کا ہاتھ رہا سواد اعظم بدعات سے محفوظ تھا۔ اہل بدعت الحاد میں آتے ہی اہل سنت سے الگ ہو جاتے تھے معتزلہ و قدریہ خوارج و روافض اور جھمیہ و مرجئہ کی صفیں علیحدہ تھیں اور اہل السنۃ والجماعۃ اصل اسلام کے وارث سمجھے جاتے تھے یہ حضرات صحابہ کے ساتھ تھے اور ماانا علیہ واصحابی ان کا امتیازی نشان تھا صحابہ کے انتساب سے بدعت فی العقائد ان میں سرایت نہ کر سکی جونہی خلافت بغداد کو زوال آیا مسلمان

---

[1] مشرکین مکہ سے نہیں کہ اب یہ امم بائدہ ہو چکے ہیں عرب میں ان کا نام و نشان تک نہیں اب صرف انکے تاریخی تذکرے ہیں شرک اپنی اصلی صورت میں اب صرف ہندوؤں میں ہے اور انکے زیر اثر ان جاہل مسلمانوں میں جو آج بریلوی کہلاتے ہیں۔

ایک جھنڈے تلے نہ رہے تو بدعت اعمال نے بھی ان میں سر اٹھایا اصولاً تو یہ لوگ اہلسنت سے نہ نکلے لیکن بدعت فی الاعمال کی نحوست انہیں بڑی بے دردی سے شرک کی سرحدوں پر لے آئی پاکستان کے مرکزی روحانی پیشوا حضرت علی بن عثمان جلابی لاہوری (۴۶۵ھ) اپنے وقت کے اہل بدعت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اما ہر کہ بخداوند تعالیٰ راہ داند از خلق حاجت نخواہد کہ حاجت بخلق دلیل بے معرفتی بود کہ اگر بقاضی الحاجات عالمستے از چوں خویشتنی حاجت نخواہدے استعانت المخلوق من المخلوق کاستعانت المسجون من المسجون[1]

ترجمہ :۔ جس کو خدا کی راہ پتہ ہے وہ مخلوق کی راہ نہیں دیکھتا مخلوق سے حاجتیں طلب کرنا خدا کی معرفت سے دوری کا نشان ہے بندہ کو اگر علم ہے کہ اللہ تعالیٰ قاضی الحاجات ہے تو اپنے جیسے مخلوق سے کیوں سوال کرے کیونکہ مخلوق کا مخلوق سے مانگنا ایسا ہی ہے جیسا قیدی کا قیدی سے رہائی مانگنا۔

یہ معتزلہ اور خوارج کی شکایت نہیں انہی مسلمانوں کا المیہ ہے جو اپنے آپ کو سواد اعظم اہل سنت کہتے ہیں لیکن عقیدہ توحید میں بہت ضعیف الاعتقاد ہو چکے ہیں حضرت علی ہجویری ان کو بالکل اسی طرح سمجھا رہے ہیں جس طرح علماء دیوبند آج کل بریلویوں کو نصیحت کرتے ہیں اور سمجھاتے ہیں اُس وقت میں اور اِس وقت میں اگر فرق ہے تو یہی کہ اسوقت یہ طریق عمل صرف جاہل عوام کا تھا اور انکی پشت پر کوئی طبقہ علماء نہ تھا لیکن آج کل اس قسم کی خرافات اور بدعات کو سند جواز دینے کے لئے مولویوں کی اچھی خاصی بھیڑ ہر شہر اور گاؤں میں موجود ہے۔

یہی حضرت علی ہجویری المعروف حضرت داتا صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :۔

از جملہ مخلوقات کسے را قدرت آں نیست کہ کس را نجدائے تعالیٰ رساند مستدل از ابوطالب عاقلتر نباشد و دلیل از محمد صلی اللہ علیہ وسلم بزرگ ترنہ وے را سود نداشت[2]

---

[1] کشف المحجوب صـ۹۹۔ [2] ایضاً صـ۲۳۷

(ترجمہ) پوری مخلوق میں سے کسی کے بس میں نہیں کہ کسی کو خدا تعالیٰ کے حضور پہنچا دے رہنمائی لینے والا ابوطالب سے زیادہ سمجھدار کون ہوگا اور رہنما حضور صلی اللہ علیہ سے بڑا کون ہوگا لیکن آپ ابوطالب کے کام نہ آسکے (اسے ایمان نہ دے سکے)

آہ! جو بزرگ ان زوردار لفظوں میں ایک خدا کو داتا سمجھتے تھے اور اسی ایک سے مانگنے کی تلقین کرتے تھے ان کو اس دور کے ضعیف الاعتقاد خود داتا کہہ کر پکارتے ہیں اور ایک مخلوق ان کے مزار کو داد و عطا کا دربار سمجھے ڈیرہ لگائے بیٹھی ہے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست ــــــ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے حضرت کی تعلیمات کے بالکل برعکس ہے نہیں تو کشف المحجوب اٹھا کر دیکھ لیجئے۔

یہ مسلمان جو مخلوق سے سوال کرنے اور قبر والوں کو پکارنے میں روح کی لذت پاتے تھے کیا وہ ان بزرگوں کو ذاتی طور پر حاجت روا سمجھتے تھے یا ان بزرگوں اور اصحاب مزارات کو عطائے الٰہی کی اوٹ میں اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علی ہجویریؒ کے درجات اور بلند فرمائے آپ نے اہل بدعت کے اس طریق عمل کو کسی درجہ میں جائز نہیں سمجھا اور ان کی عطائی کی تاویل کسی درجہ میں گوارا نہیں کی آپ نے اس آہ و فریاد کو جو یہ لوگ ان بزرگوں کی قبروں پر جا کر کرتے ہیں صریح شرک قرار دیا ہے بزرگان دین تو اپنی جگہ رہے آپ نے ابوطالب کی بات درمیان میں لاکر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختار کل ہونے کی نفی کی ہے عوام کی اصلاح اسی طریق میں ہے۔ جو حضرت ہجویریؒ نے اختیار فرمایا ہے عوام کیلئے ذاتی اور عطائی کے فرق میں پڑنا بہت مشکل ہے اور شرک میں جا گرنا بہت آسان ہے خدا کرے علماء کسی بدعت کے حق میں زبان نہ کھولیں اور تاویل کی راہ نہ چلیں اس سے بہت سوں کا نقصان ہوگا اور آخرت بریلوی علماء پر بھاری ہوتی جائے گی جو ان تمام خرافات کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں۔

اب مولانا احمد رضا خاں کی جرأت و ہمت دیکھئے کس دیدہ دلیری سے یہ سارا بوجھ اپنے سر لے رہے ہیں ــــ الامن والعلی صفہ پر لکھتے ہیں۔

آدمی اگر عقل و ہوش سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہے تو غیر ذاتی کا لفظ آتے ہی شرک کا خاتمہ ہوگیا کہ جب بعطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی

خاں صاحب کی بات اگر مان لی جائے تو دنیا میں شرک نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے اور نہ یہ اب دنیا کے کسی گوشہ میں پایا جاتا ہے اس لئے کہ بعطائے الہٰی کا سہارا تو ہر ایک مشرک نے لے رکھا ہے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ خاں صاحب کو صحیح مسلم کی اس حدیث کا علم نہ ہوگا جس میں اس بات کا بیان ہے کہ مشرکین کا تلبیہ عطائے الہٰی کی اوٹ میں ہی چلتا تھا حضرت عبداللہ بن عباسؓ پھر بھی انہیں مشرک ہی سمجھتے تھے اور اس وقت کوئی احمد رضا خاں نہ تھا جو انہیں یہ کہہ کر ٹوکتا کہ جب بعطائے الہٰی مانا تو شرک کے کیا معنی! مشرکین کا وہ تلبیہ (لبیک پکارنا) جسے وہ عطائے الہٰی کی اوٹ میں شرک نہ سمجھتے تھے یہ تھا

لبيك لا شريك لك الا شريكا تملكه وما ملك[1]

(ترجمہ) اے اللہ ہم تیرے حضور حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے ان کے جو تیرے ہی ماتحت ہیں اور ان کی ہر ملکیت تیری ہی ملک ہے۔

سو یہ بات کسی شبہ میں نہیں کہ مشرکین عرب کا سارا کاروبار اسی عطائے الہٰی کی اوٹ میں چلتا تھا اور وہ اپنے معبودوں کو خدا کی دی ہوئی قوتوں سے ہی اپنا کارساز اور حاجت روا سمجھتے تھے خدا کی حاکمیت عظمیٰ کا عقیدہ ان کے ہاں پورے اقرار توحید سے قائم تھا

اب آپ سوچیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو انہیں لبیک لاشریک لک پر روکیں کہ اگلی بات نہ کہو مگر مولانا احمد رضا خاں کہیں کہ جب بعطائے الہٰی مانا تو شرک کے کیا معنی! کیا انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا مقابلہ کرتے ہوئے خدا کا کوئی خوف اور حضورؐ کی بے ادبی کا کوئی اندیشہ مانع ہوا؟ نہیں ہرگز نہیں اور پھر دیکھیں ایسے لوگوں کو کیا کسی پہلو سے بھی اہل السنۃ والجماعۃ مانا جا سکتا ہے؟

حضرت علی ہجویریؒ نے اپنے وقت کے ان مسلمانوں پر بجا تنقید کی ہے جنہیں دین سے جہالت یہاں تک لے آئی تھی کہ وہ شرک کی سرحدوں پر جا پہنچے داد و عطا کے اس سارے کاروبار کو عطائے الہٰی کی اوٹ میں جائز سمجھنے لگے آپ نے ان لوگوں پر کھلی تنقید کی ہے اور اپنے موحد ہونے کا حق ادا کیا

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۳۷۶ دہلی

ہے اور اس وقت کے اعمال بدعت کی پوری قوت ایمانی سے نشان دہی کی ہے خدا کا شکر ہے اس وقت احمد رضا خاں نہ تھا جو انہیں یہ کہتا کہ حضرت جب بعطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی ؟ اُسوقت ان بدعات اور قبروں پر آہ و زاری کی شرکیہ فریادوں کو علمی استناد مہیا کرنے والا کوئی نہ تھا سو اس دور میں بدعت تو تھی لیکن بریلویت (اپنے موجودہ معنی میں) نہ تھی بدعت اور بریلویت میں یہ جوہری فرق ہے جس کی تفصیل آپ کو آگے ملے گی یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ پانچویں صدی ہجری میں بدعت فی الاعمال نے اہل سنت حلقوں میں بھی سر اُٹھالیا تھا اور یہ لوگ شرک کی سرحدوں پر آپہنچے تھے کہ اہل السنۃ کے ان اکابر نے انہیں بروقت ٹوکا اور بہت سوں کو شرک کی دلدل میں گھسنے سے بچالیا اور یہ صحیح ہے کہ انہیں ان دنوں ایک علیحدہ فرقے کی شکل دینے والا کوئی احمد رضا خاں نہ تھا۔

مولانا احمد رضا خاں چودھویں صدی میں اٹھے یہ وقت ہندوستان میں برطانوی عملداری کا تھا آپ شرک و بدعت کی حمایت میں بڑی علمی قوت سے اٹھے اور کسی نئے مسلک و مشرب سے نہیں ایک مستقل دین و مذہب سے لوگوں کے سامنے آئے اسی دین و مذہب نے آگے جاکر بریلویت کا نام پایا بدعات کے تاریخی ارتقاء کی یہ آخری منزل تھی اب اسے ایک علمی سہارا مل گیا تھا آپ نے اپنے آخری وقت میں اپنے بیٹوں کو اپنے اس مذہب کا اس طرح پابند کیا ؎

میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ [۱]

یہاں دین و مذہب سے شریعت مراد نہیں آپ اس کا ذکر پہلے کر چکے ہیں کہ حتی الوسع اس پر بھی عمل کریں لیکن اپنے دین و مذہب پر قائم رہنے کو آپ نے جملہ فرائض سے اہم فرض بتلایا ہے اعلیٰ حضرت کا وہ خاص دین و مذہب کیا ہے جس کی اس آخری وقت میں تلقین کی جارہی ہے ؟ اگر یہ کتاب و سنت کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جیسا کہ سیاق کلام سے ظاہر ہو رہا ہے تو وہ کیا چیز تھی جس کا اس آخری وقت میں ذکر کیا جارہا ہے۔

---

[۱] وصایا شریف صہ

جہاں تک ہمارے مطالعہ کا تعلق ہے مولانا احمد رضا خاں کے اس خاص دین و مذہب کے دو حصے ہیں (۱) ایک سیاسی اور دوسرا[۲] مذہبی۔ آپ کا سیاسی عقیدہ کیا رہا ہے انگریزوں کی غیر متزلزل حمایت اور آزادی پسند جماعتوں کی مخالفت اور مذہبی دائرہ میں آپ کا طریقہ کیا رہا ہے لیے آپ کی ہی زبان سے سن لیں ان کے ہاں یہ دین کی اصل اصیل ہے اور بریلویوں کا سارا کاروبار اب اسی پر چل رہا ہے مولانا احمد رضا خاں اپنے اس خاص مذہب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کا حکم نہ دیا نہ منع فرمایا وہ مباح ہے اور بلا حرج ـــــ وہابی اس اصل اصیل (یعنی بڑے قانون) سے جاہل ہو کر ہر جگہ پوچھتے ہیں خدا اور رسول نے اس کا کہاں حکم دیا ہے!
>
> جب نہ حکم دیا نہ منع کیا تو جواز رہا ـــــ تم ایسے کاموں سے منع کرتے ہو اللہ و رسول پر افترا کرتے ہو۔ شارع حضور نے تو منع نہیں کیا اور تم منع کرتے ہو۔ مجلس میلاد مبارک قیام (تعظیمی) فاتحہ سوم (تیجا) وغیرہ سب مسائل بدعت اس اصل یعنی قانون سے طے ہو جاتے ہیں[۱]

اس عبارت سے مولانا احمد رضا خاں کا دین و مذہب معلوم ہو گیا ہے ان کے ہاں مسائل اختلافی میں قرآن وحدیث کی ضرورت نہیں منع نہ ہونا ہی ان کے جواز کے لئے کافی ہے وہ بتانا چاہتے ہیں اپنے مذہب کے طور طریقے ہم خود تیار کریں گے ضروری نہیں کہ ہم اپنے طریقوں کو سنت اور صحابہؓ سے ہی لیں ـــــ منع نہ ہونا ہی ہمارے دین کی اصل اصیل ہے اور دلیل کا نہ ہونا ہی ہماری سب سے بڑی دلیل ہے اور منع کا نہ ہونا ہمارا سب سے بڑا علمی سرمایہ ہے جو لوگ ہمارے مذہبی طور و طریق کا ثبوت سنت اور صحابہؓ سے مانگتے ہیں وہ وہابی ہیں اور ہمارے اس مذہبی اصول سے ناواقف ہیں ہمارے مذہب کے طور طریقے کیا ہیں اور دین و مذہب کا خاکہ کیا ہونا چاہیئے اسے طے کرنے کا حق ہمیں ہے جو لوگ یہ کہیں ان اعمال کا ثبوت صحابہؓ سے لاؤ انہیں کہہ دو تم منع کی دلیل لاؤ منع نہ ہونا ہی ہمارا سب سے بڑا ثبوت ہے صحابہؓ کی بات کیا لئے پھرتے ہو

---

[۱] الامن والعلیٰ ص ۱۵۷، ص ۱۵۸ ملخصاً

یہ وہ خاص دین و مذہب ہے جس کی تلقین مولانا احمد رضا خاں نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹوں کو کی اور آپ نے اپنے ماننے والوں کو ایک ایسی سہولت مہیا کر دی کہ اب انہیں اپنے دین و مذہب کے لئے سلف صالحین اور ائمہ دین سے کوئی سند لانے کی ضرورت نہ رہی۔ جہاں اعلان ہو جائے کہ حضورؐ نے اس خاص کام سے منع نہیں فرمایا تو فوراً اس سے اپنے مذہب کا تانا بانا بُن لو۔

ایک سوال اور اس کا جواب

بعض بریلوی احباب کہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں کا دین عام امت سے کوئی علیحدہ نہیں تھا یہ وصیت کے الفاظ کہ میرے دین و مذہب پر چلو ان سے موت کی گھبراہٹ کی وجہ سے نکل گئے تھے کیا کوئی عالم جان بوجھ کر ایسی بات کہہ سکتا ہے سکرات کے وقت بہت سی باتیں زبان سے بے ارادہ نکل جاتی ہیں آپ نے اگر کوئی دین علیحدہ ترتیب دیا ہوتا تو آپ اس کی نسبت اپنی طرف کسی اور موقعہ پر بھی تو کرتے صرف وفات سے پہلے ہی نہ کہتے کہ میرے دین و مذہب پر چلو اس کا کیا کوئی اور ثبوت بھی ہے؟

ہم نے جواب میں خاں صاحب کا ایک اور حوالہ پیش کیا جہاں آپ نے برملا اپنے دین و مذہب کو مذہب رضا سے تعبیر کیا ہے۔

ترک نسبت گفتم از من لفظ محی الدین مخواہ
زانکہ در دین رضا ہم دین وہم ایمان توئی [1]

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی پر ایمان لانا مذاہب اربعہ میں کسی کے ہاں ضروریات دین میں سے نہیں مگر دین رضا میں اسے ضروریات دین میں سے سمجھا گیا ہے اب آپ ہی بتائیں کیا یہ ایک نیا دین و مذہب ہوا یا نہ؟

حق بر زبان جاری

دین اسلام کی شان اعجاز ہے کہ جب بھی کسی نے اس کے مسخ کرنے کی کوشش کی اللہ رب العزت کے لاشریک ہاتھوں نے خود اس کی ہی پٹائی کر دی اور بے ساختہ سچ اس کے

[1] حدائق بخشش حصہ ص

منہ سے نکل گیا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کی اس عبارت کی جو ہم پیش کر آئے ہیں، آخری سطر پھر پڑھیں
۱۔ مجلس میلاد ۔ ۲۔ قیام ۔ ۳۔ فاتحہ ۔ ۴۔ وغیرہ سب مسائل اسی اصل سے
طے ہو جاتے ہیں۔ ؎

خان صاحب نے یہاں کھلے طور پر اعتراف کیا ہے کہ ان مسائل میں ان کے پاس صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدین سے کچھ منقول نہیں اور حدیث و فقہ میں ان کی کوئی روایت نہیں ملتی سو ان مسائل کی ترویج کے لیے ان کے پاس اب ایک ہی راہ ہے کہ ان امور سے کتاب و سنت میں کہیں منع تو نہیں کیا گیا جب منع نہیں کیا گیا تو ان پر انہیں دین سمجھ کر عمل کرنا درست ہو گا اور ایسے اعمال بدعت کے کرنے والے سب اہل سنت سمجھے جائیں گے۔

دیکھئے خانصاحب نے کس بیدردی سے سنت کی دیوار گرا دی ہے اور اہل بدعت کو اہل سنت کے ساتھ لا کھڑا کیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خانصاحب نے اپنے ان تمام امتیازی مسائل کا من حیث الروایۃ بے اصل ہونا واضح طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ گو بدعات کو داخل دائرہ دین کرنے کے لیے ایک اور اصل دریافت فرمائی ہے کہ کہیں منع تو نہیں کیا۔

دیکھئے عامل بالبدعات کو عامل بالسنۃ ٹھہرانے میں خانصاحب نے کیسے ہاتھ کی صفائی دکھا دی۔

خانصاحب کی وصیت کے دو پہلو

ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں کی اس وصیت میں کہ میرے دین و مذہب پر چلیو دو ہی باتیں تھیں۔ ۱۔ سیاسی اور ۲۔ مذہبی —— سیاسی وصیت یہ تھی کہ انگریزوں کی غیر متزلزل حمایت جاری رہے اور مذہبی یہ تھی کہ کسی سند میں یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ایسا کرتے تھے یا نہ —— صرف یہ جاننا کافی ہے کہ شریعت نے کہیں اس سے منع تو نہیں کیا اس پر دلیل ہونا ہی اس کے جواز کی بڑی دلیل ہے۔ اس ایک اصل کے تحت انہوں نے اپنی جملہ بدعات کو سند جواز بخش رکھی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کا اصل الاصول

اس میں شک نہیں کہ بدعات تو مولانا احمد رضا خاں سے پہلے بھی چلی آ رہی تھیں

؎ الامن والعلیٰ ص۱۵۸

لیکن کرنے والے انہیں صرف رسوم یا شوقِ طبع یا ایک علاج کے انداز میں لاتے تھے یا اپنے مشائخ کی نسبت سے ان اعمال سے محبت کرتے تھے انہیں حکم شرعی نہ سمجھتے تھے انہیں شرعی احکام بنانے کے لئے انہوں نے قرآن و حدیث میں کہیں تحریف نہ کی تھی نہ کبھی مذہب حنفی کا چہرہ مسخ کیا تھا مولانا احمد رضا خاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے پورے دائرہ بدعات کو یہ علمی استناد مہیا کیا اور منع کا سارا بوجھ معترضین پر ڈال دیا اس بڑے کام کے صدقے ان کے پیرو انہیں اعلیٰحضرت کہتے ہیں آپ کی اس تحریک سے سوادِ اعظم کے قلعے میں پہلا شگاف آیا اور بریلویت ایک فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی نتیجہ یہ ہوا کہ اہل سنت مستقل طور پر دو حصّوں میں بٹ گئے ایک پُرانے اہل سنت اور ایک یہ نئے اہل بدعت۔

مناسب ہوگا کہ ہم تاریخ بدعات پر بحث کرنے سے پہلے اسلام کا صراطِ مستقیم آپ کے سامنے پیش کر دیں وہ کیا ہے؟ جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چلے ہوں ــــ یہ نہیں کہ اس پر منع وارد نہ ہوئی ہو ضروری ہے کہ وہ اسلاف کا عمل بھی ہو اور اگلوں نے پچھلوں سے اسے متوارث پایا ہو۔

اِسلام کا صِراطِ مُستقیم

صحابہ کرام اسلام کا صحیح عملی پیکر تھے ان کا اختلاف بھی اسلام تھا اور ان کی روایت اور درایت بھی سند تھی اور ہر ایک کے پاس اپنے موقف پر عمل کرنے کی گنجائش تھی صواب و خطا میں ان میں سے ہر ایک ماجور و مثاب تھا۔

صحابہ اسلام کی وسعت کے عملی نمونے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دین کو مکمل کیا اکملت لکم دینکم میں دین کی اضافت انہی کی طرف ہے اسی دین کو خدا نے اپنی نعمت کہا نعمتی میں نعمت کی اضافت خدا تعالےٰ کی طرف ہے اور اسی کو خدا نے پسندیدہ دین کہا ہے۔ ورضیت لکم الاسلام دینا ــــ یہی سبیل رسولؐ ہے جس کی طرف حضور دعوت دیتے تھے اور یہی سبیل المؤمنین ہے جس سے پھرنے والا جہنّم کی طرف لوٹتا ہے:

قُل ھٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔ پ۱۳ یوسف

(ترجمہ) آپ کہدیں یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں پوری سمجھ بوجھ سے میں اور جو میرے پیچھے چلے ہیں۔

یعنی خدا نے مجھے ایک نور دیا ہے جس سے میرے ہمراہیوں کے دماغ روشن ہو گئے ہیں اور میرے ساتھی اس سیدھے رستے پر حجت برھان اور بصیرت و وجدان کی روشنی میں چل رہے ہیں۔

وَمَن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ
ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی ونصله جهنم
وسائت مصیرا پ۵ النساء آیت ۱۱۵۔

(ترجمہ) اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق رستہ اس کے سامنے کھل چکا اور (اس وقت کے) مسلمانوں کی راہ سے کسی اور راہ پر چل نکلے ہم اسے ادھر پھیریں گے جدھر وہ پھرا اور اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور کیا ہی بُری جگہ ہے پلٹنے کی۔

یہ مؤمنین (صحابہ کرام) سب تزکیہ کی دولت پائے ہوئے تھے اس لئے ان کی راہ کے خلاف ہر راہ ناقابل اختیار قرار پائی آئندہ آنے والے مسلمانوں کو اسی راہ کا پابند کیا گیا اور یہی راہ صراط مستقیم ہے صحابہ سابقین اولین ہوں یا فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے ۔ اللہ تعالیٰ نے سبھی کو نعمت حسنیٰ کا وعدہ دیا اور جس سے بھی اس نے حسنیٰ کا وعدہ کیا وہ بہرحال آگ سے دور رکھے جائیں گے۔

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل ط اولئك
اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا ط
وکلاً وعدالله الحسنیٰ۔ پ۲۷ الحدید آیت ۱۰۔

(ترجمہ) تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور وعدہ مقام حسنیٰ کا سب سے ہے

ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ اولئك عنها مبعدون۔ پ۱۷ الانبیاء ع۷

۱۵/۳ صحابہ کے عہد میں کیا کبھی کوئی ایسا مسئلہ اٹھا جس کا شریعت میں نہ حکم تھا نہ اس سے

منع کیا گیا تھا تو ایسے مسائل میں صحابہ کی راہ کیا تھی کیا وہ اسے اس اصل پر اپنا لیتے تھے کہ اس سے منع تو نہیں کیا گیا یا اسے دین سمجھنے کو وہ دانشگاف الفاظ میں بدعت کہتے اور لوگوں کو اس سے روکتے تھے! اس باب میں صحابہ کی راہنمائی یقیناً راہِ نجات اور دیوبندی بریلوی نزاع میں ایک فیصلے کی راہ ہوگی

۱۔۔۔ فجر کی نماز میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دعائے قنوت پڑھی اس وقت مسلمان ایک مصیبت میں گھرے تھے لیکن اس صورت حال کے بغیر فجر میں قنوت پڑھنا کیسا ہے! یہ نہ سُنّت تھی نہ حضوؐر نے اس سے منع فرمایا تھا اگر عبادات میں بھی اصل یہ ہوتی کہ جب تک منع کی دلیل موجود نہ ہو سب جائز ہے تو ظاہر ہے کہ کسی مصیبت کے بغیر قنوت فی الفجر بالکل جائز ہوتی کیونکہ اس کے خلاف منع کہیں وارد نہیں۔ حضرت ابو مالک اشجعی کے والد اپنے بیٹے کو مسئلہ بتلاتے ہوئے کہتے ہیں۔

یا بنی انہا بدعۃ اے میرے بیٹے یہ بدعت ہے[1]

اچھا ہوا اس وقت مولانا احمد رضا خاں نہ تھے ورنہ صحابی رسولؐ سے بھی پوچھتے منع کی دلیل کہاں ہے حضوؐر نے اس سے منع تو نہیں فرمایا۔ اب یہ بدعت کیسے ہوگی؟

۲۔۔۔ اذان ہوجانے کے پھر کسی کو نماز کے لئے بلانا یا نماز کا بتلانا تثویب کہلاتا ہے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہ اسے مسنون بتایا نہ اس سے منع فرمایا حضرت مجاہد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ ظہر یا عصر کے وقت ایک مسجد میں تھے اذان ہوچکی تھی ایک شخص نے لوگوں کو نماز کا پھر سے بتلایا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسے ٹوکا کہ یہ عمل پہلے سے چلا نہیں آرہا (اس کے لئے ہم نے صرف اذان کو کافی سمجھا ہے) خدا کا شکر ہے وہاں مولانا احمد رضا خاں نہ تھے ورنہ کہتے حضوؐر نے اس سے منع تو نہیں کیا۔ تم منع کی دلیل لاؤ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مجاہد سے کہا مجھے یہاں سے لے چل یعنی میں بدعتیوں کے ماحول میں نہ رہوں۔ حضرت مجاہد سے روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔

اخرج بنا فان ھذہ بدعۃ۔ ہمیں یہاں سے لے چل

---

[1] سنن نسائی ج ۱ ص ۱۲۴ طبع ۹؟

یہ عمل (اذان کے بعد پھر سے نماز کے لئے کہنا) بدعت ہے۔ [1]

حضرت علی مرتضیٰ کے سامنے بھی ایک شخص نے عشاء کی اذان کے بعد لوگوں کو نماز کے لئے کہا آپ نے فرمایا۔

اخرجوا هذا المبتدع من المسجد [2]

(ترجمہ) اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔ (بدعتیوں کا مسجد میں کیا کام)

اس سے یہ پتہ تو چلتا ہے کہ بدعتیوں نے ان دنوں بدعات کا آغاز کر دیا تھا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان دنوں کوئی احمد رضا خاں ان بدعات کو علمی سند دینے کے لئے کھڑا نہیں ہوا تھا کہ حضورؐ نے اس سے منع تو نہیں کیا تم منع کی دلیل لاؤ ــــ!

۳ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے ختنہ کے موقع پر نہ کسی کو دعوت کا حکم دیا نہ منع کیا حضرت عثمان بن ابی العاص کو کسی نے ختنہ کے موقع پر کھانے کی دعوت دی آپ نہیں گئے اور فرمایا حضورؐ کے زمانے میں ہم ایسی دعوتوں پر نہیں گئے نہ ہمیں ان موقعوں پر بلایا گیا تھا آپنے فرمایا۔

انا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ندعى له [3]

(ترجمہ) بے شک ہم حضورؐ کے عہد میں ختنوں کی دعوت پر نہ جاتے تھے اور نہ ان دنوں ان دعوتوں کا رواج تھا۔

ہم پھر اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان دنوں کوئی مولانا احمد رضا خاں نہ تھا جو حضرت عثمانؓ کو ٹوکتا اور کہتا منع کی دلیل لاؤ حضورؐ نے اس سے کہاں منع کیا ہے جب نہ حکم دیا نہ منع کیا تو یہ جائز کیوں نہ ہوگا۔

۴ــــ ایک شخص نے چھینک ماری اور کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وہاں موجود تھے آپ نے اسے ٹوکا اور فرمایا میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ۔ (یعنی میں سلام کا منکر نہیں ہوں حضورؐ پر سلام بھیجتا ہوں) لیکن حضورؐ نے ہمیں اس موقع پر چھینک

---

[1] سنن ابی داؤد ج ۱ ص۷۹ [2] البحر الرائق جلد ۱ ص۲۶۹ [3] مسند امام احمد ج ۴ ص۲۱۷۔

کے موقع پر) اس طرح کہنا نہیں سکھایا ہمیں الحمد للہ علی کل حال کہنا ہی بتلایا ہے [1]
اس روایت کی سند پر تو اعتراض ہو سکتا ہے لیکن اس کے متن پر اب تک کسی محدث نے اعتراض نہیں کیا نہ کوئی اعلیٰحضرت بنا جس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو کہا ہو کہ اس طرح سلام سے منع کرنا حضورؐ نے ہمیں نہیں سکھایا اور ظاہر ہے کہ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کا عمل بھی نہ تھا پس عبادات میں اصل عمل ہے کہ پہلوں سے ایسا ثابت ہے یا نہیں؟ یہ کوئی اصل نہیں کہ منع تو نہیں کیا تم منع کی دلیل لاؤ۔

۵۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں:۔

وانظر السجع من الدعاء فاجتنبه فانی عهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه لا يفعلون الا ذلك [2]

(ترجمہ) اور دیکھو دعا مانگنے میں قافیہ بندی نہ کرو میں نے حضورؐ کا اور آپ کے صحابہؓ کا عہد پایا ہے وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔

اس وقت مولانا احمد رضا خاں ہوتے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہتے حضرت! منع کی دلیل لاؤ جب حضورؐ نے اس سے منع نہیں کیا تو تم کون اس سے منع کرنے والے ہو۔

جو اعمال حضورؐ یا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں وہ تو ایک طرف رہے جو اعمال ثابت ہوں مگر لوگ انہیں کسی اجتماعی صورت میں لے آئیں ان کا اہتمام ان کے اصل مقام سے زیادہ ہونے لگے تو صحابہؓ انہیں بھی بدعات میں شمار کرتے تھے چاشت کی نماز (صلوٰۃ الضحیٰ) کسے معلوم نہیں کہ اس کی اصل موجود ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب اس کے لئے مسجدوں میں بڑے بڑے اجتماع دیکھے اور لوگوں کو اس کا اہتمام کرتے پایا تو آپ نے اسے بھی بدعت ٹھہرایا کسی مولانا احمد رضا خاں نے نہ کہا کہ اس اہتمام اور اجتماع سے منع کرنے کی دلیل لاؤ۔ اس سے منع کہاں وارد ہے۔

---

[1] ترمذی ج ۲ صفحہ ۹۸ دہلی صفحہ ۲۶۴ لکھنو۔ [2] صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۹۳۸۔

حضرت حذیفہؓ بن یمان (۳۶ھ) نے یہ اصول بیان فرمایا ہے:۔

کل عبادۃ لم یتعبدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا [1]

ترجمہ: دین کا ہر وہ عمل جسے صحابہؓ نے دین نہیں سمجھا تم اسے دین سمجھ کر ہرگز نہ اپنانا۔

صحابہؓ کے اسلام پر پہلی واردات

صحابہؓ سب کے سب ہدایت کے ستارے تھے کوئی زیادہ چمکنے والا تھا کوئی مدھم لیکن ہر ایک کی پیروی میں ہدایت ہے اور نور ہے۔ لیکن مسلمان جونہی عرب سے نکلے انہیں متوازی تہذیبوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان تہذیبوں میں ایسی تہذیبیں بھی تھیں جن کے پیچھے یہود و نصاریٰ کی سازشیں تھیں۔ یہود و نصاریٰ اور مجوس و ہنود مختلف ادیان کے حامل اور مختلف تہذیبوں کے داعی تھے۔ ان کے زیر اثر مسلمانوں میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے خلاف بغاوتیں اٹھیں اور سیاسی اختلاف نے پھر نظری اختلافات کی شکل اختیار کر لی صحابہ کی راہ سے جدا ہونے والے بدعتی فرقے علیحدہ علیحدہ شکلیں اختیار کرتے گئے ۔۔۔ جو لوگ صحابہؓ کی راہ پر چلے وہ تابعین (پہلوں کی پیروی کرنے والے) کہلائے سو جو ان کی راہ پر نہ چلا گو اس نے بعض صحابہؓ کی زیارت بھی کی ہو وہ تابعین میں شمار نہیں ہو گا تابعین وہی ہیں جو صحابہؓ کی راہ پر چلے اور تبع تابعین بھی صرف وہی ہیں جو ان تابعین کی راہ پر چلے ہوں اور انہوں نے اس مسلسل اسلام سے انحراف نہ کیا ہو۔

صحابہؓ کے دور میں جو بدعتی قائد اُٹھے ان میں معبد الجہنی، واصل بن عطا، ابو الہذیل، جہم بن صفوان، غیلان اور ہشام بن حکم سے کون واقف نہیں یہ اس دور میں ہونے کے باوجود تابعین میں سے نہیں ہیں اور جو شخص اس دور کے بدعتی قائدین کو صفِ تابعین میں شمار کرتا ہے وہ اس نام کی لفظی دلالت سے بے خبر ہے۔

یہ بدعتی فرقے معتزلہ، جبریہ، قدریہ، روافض و خوارج اور حشویہ و مرجئہ کے

---

[1] الاعتصام ج ۱ ص ۵۴

کے ناموں سے جانے جانے لگے یہ لوگ بدعت فی العقائد کے موجب ہوئے اور ان کے مقابل صحابہؓ کی پیروی کرنے والے اہل السنۃ والجماعۃ کے نام سے جانے جانے لگے اہل السنۃ والجماعۃ میں کوئی بدعتی فرقہ نہ تھا اہل السنۃ اور اہل بدعت اس دور کے متقابل الفاظ ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ بدعت فی الاعمال نے ابھی کسی فرقے کی شکل اختیار نہ کی تھی جو فرقے بنے وہ بدعت فی العقائد پر بنے تھے۔ امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) ایک مقام پر فرماتے ہیں:۔

لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة
قالوا سمّوا لنا رجالکم فینظر الی اهل السنة
فیوخذ حدیثهم و یُنظر الی اهل البدع فلا
یوخذ حدیثهم[1]

(ترجمہ) پہلے لوگ اسناد کے بارے میں پوچھے نہ جاتے تھے جب (اعتقادی) فتنے پیدا ہوئے تو لوگ اب پوچھنے لگے اپنے راویوں کا نام لو پھر اہل سنت کو دیکھا جائے ان کی حدیث قبول کر لی جائے اور اہلِ بدعت کی روایت قبول نہ کی جائے۔

یہاں اہلِ بدعت سے مراد بدعت فی العقائد کے مجرمین ہیں۔ بدعت فی الاعمال کے مبتدعین نہیں ابھی ان لوگوں نے کسی فرقے کی شکل اختیار نہ کی تھی۔ جہاں کسی نے بدعت کی صورت اختیار کی صحابہ انہیں ڈانٹ دیتے تھے اور بس ـــــ کوئی شخص ان کی حمایت میں نہ نکلتا تھا کہ اس میں حرج کیا ہے! تم منع کی دلیل لاؤ اس وقت کوئی مولانا احمد رضا خاں نہ تھا ـــــ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ لوگوں کو ایک جگہ حلقہ ذکر بنائے بدعت میں ملوث دیکھا تو آپ نے انہیں ڈانٹا اور مسجد سے نکال دیا اس وقت اہل السنۃ کے دائرہ میں علمائے سوء نے کوئی جگہ نہ پائی تھی جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے منع کی دلیل پوچھتے اور کہتے اس میں حرج کیا ہے؟ سنن دارمی میں ہے:۔

صح عن ابنِ مسعودؓ انه اخرج جماعة من المسجد

---

[1] صحیح مسلم مقدمہ ص۱۱۔

يهللون ويصلون على النبي صلى الله عليه وسلم جهرًا
وقال لهم ما اراكم الا مبتدعين [1]۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے ایک جماعت کی جماعت کو مسجد سے نکال دیا یہ لوگ اُونچی آواز سے کلمہ شریف اور درود پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا تم تو بدعتی ہو۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بدعت فی العقائد، بدعت فی الاعمال سے زیادہ سخت [2] ہے۔ بدعت فی العقائد عام طور پر کفر کی سرحدوں کو چھوتی ہے۔ لیکن بدعت فی الاعمال جہالت کے اندھیروں میں چلتی ہے بدعت فی العقائد کے حق میں دلائل دینے والے تو اسی دور میں پیدا ہو گئے تھے لیکن بدعت فی الاعمال کو علمی استناد مہیا کرنے والے اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں میں کہیں ایک گروہ کی صورت میں نہیں ملتے نہ ان کی کوئی جمعیت العلماء ان ادوار میں کہیں پائی گئی ہے مولانا احمد رضا خاں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی پچاس سال محنت سے اہل السنۃ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔

مولانا احمد رضا خاں کے سوانح نگار قاری احمد پیلی بھیتی لکھتے ہیں :-

مولانا احمد رضا خاں صاحب پچاس سال اسی جدوجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ دو مستقل مکتب فکر قائم ہو گئے بریلوی اور دیو بندی [3]

سواد اعظم کے قلعہ میں یہ پہلا شگاف آیا اور بریلویت ایک مستقل فرقہ کی صورت میں سامنے آئی اس معرکہ آرائی میں انہوں نے دوسروں کا نام دیوبندی رکھا حالانکہ وہ کبھی ایک فرقہ ہونے کے مدعی نہ ہوئے تھے پُرانے اہل سنت ہی تھے لیکن بریلویوں نے انہیں ایک فرقہ کے طور پر ہی متعارف کیا بدعت فی العقائد کی صفیں تو پہلے ہی مختلف ناموں سے اہل سنت سے جدا ہو چکی تھیں لیکن اہل سنت کہلا کر بدعات کی آبیاری یہ ایک

---

[1] سنن دارمی ص۳۸ شامی ج ۵ ص۳۵۰

[2] فاسق من حيث الاعتقاد هو اشد من الفاسق من حيث العمل حلبی کبیر ص۵۱۴ [3] سوانح اعلیٰحضرت ص۸

جہالت کی آندھی تھی جو بدایوں سے چلی اور حزب الاحناف لاہور آکر رُک گئی درمیان میں جو بھی اس کی لپیٹ میں آیا وہاں اس نئے مذہب کے نقش اُبھرتے گئے مولانا احمد رضا خاں نے اہل بدعت کو ایک مستقل فرقہ کی شکل میں لاکھڑا کیا اور اپنا اصل الاصول یہ ٹھہرایا کہ ہر وہ طریق عبادت جس پر شرع میں منع وارد نہیں اسے رضاء الٰہی سمجھ کر اختیار کرنا بالکل جائز ہے ضروری نہیں کہ وہ طریقہ خیر القرون سے منقول ہو منع نہ ہونا اس کے جواز کی سب سے بڑی دلیل ہے جو لوگ کہتے ہیں ان اعمال کی صحابہؓ کرام سے سند لاؤ وہ سب گمراہ ہیں اور دیوبندی ہیں ان سے بچو۔

حضرت علی ہجویریؒ لاہوری (۴۶۵ھ) کا اعلان حق آپ سُن آئے ہیں کہ اللہ رب العزت کے سوا کوئی مختارِ کل نہیں کہ جو چاہے کر سکے توحید عملی اختیار کرو اور اسباب کے ماسوا جو بھی مانگو اللہ تعالےٰ سے مانگو آپ کا یہ سبق بدعت فی العقائد کے مجرمین کو نہیں بدعت فی الاعمال کے مرتکبین کو ہی ہے جو اس وقت اہلِ حق سے نسبت رکھتے ہوئے بدعات کی دلدل میں گھس رہے تھے جہاں لوگ جاتے تو دیکھے جاتے ہیں لیکن واپس آتا کوئی کوئی خوش قسمت دیکھا جاتا ہے لہ

حضرت علی ہجویریؒ کی یہ صدا پانچویں صدی کی ہے۔ ۴۴۸ھ میں نماز رغائب کی بدعت بیت المقدس میں جاری ہو چکی تھی بدعتی لوگ ۲۷ رجب کو جماعت سے سو رکعت نفل پڑھتے تھے علماء حق اس بدعت کے خلاف کوشاں رہے یہ بدعت ساتویں صدی کے آخر تک جاری رہی اس وقت علماء حق کے سامنے کسی نے یہ استدلال نہ کیا کہ حضورؐ نے اس سے منع تو نہیں کیا تم منع کی دلیل لاؤ عبادات میں بھی اصل اباحت ہے۔

لہ حافظ ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ) لکھتے ہیں۔ قیل ان توبة البدعی غیر مقبولة وفیئته الی الحق غیر ماهولة (دیکھئے تبیین کذب المفتری ص۳) (ترجمہ) کہا گیا ہے کہ بدعتی کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور اس کا حق کی طرف لوٹ آنا اس کی اُمید نہیں کی جاتی۔ اللہ تعالےٰ کسی پر رحم کر دے تو یہ عمل دیگر ہے۔

سیدنا ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں اس وقت کے بعض اولیاء اللہ بدعات کے اس شیوع کو دیکھ کر زمین میں دھنس جانے کا خطرہ محسوس کرنے لگے تھے[1] حضرت علی ہجویریؒ کی یہ آواز اسی دور کی ہے۔ اہل حق کے ہاں یہ کوئی معیار نہ تھا کہ اس کے منع پر کوئی دلیل وارد نہ ہو وہ عبادات و طاعات میں صحابہؓ و تابعین کی راہیں دیکھتے تھے اور ان کے ہاں اہل سنت کا یہی مفہوم تھا کہ رضائے الٰہی کی طلب میں وہ سنت وجماعت کی راہ پر چلیں یہ چور دروازہ نہ نکالیں کہ اس سے منع تو نہیں کیا گیا۔

اب آیئے ذرا چھٹی صدی میں چلیں اور دیکھیں کہ کیا وہاں اس غلط اصول کا کہیں کوئی اشارہ ملتا ہے۔ نہیں۔ صاحب ھدایہ (۵۹۳ھ) اس صدی کے ہیں آپ بدعت فی الاعمال سے روکتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر
من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یزد علیھا
مع حرصہ علی الصلوٰۃ۔[2]

(ترجمہ) اور فجر کا وقت ہو جائے تو دو سنتوں کے علاوہ کوئی نفل نہ پڑھے یہ مکروہ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے نماز سے اتنی دلبستگی کے باوجود ان سنتوں پر کوئی اور نفل زیادہ نہیں کئے۔

خدا کا شکر ہے اس وقت مولانا احمد رضا خاں نہ تھے ورنہ صاحب ہدایہ کو ٹوکتے اور کہتے تم منع دکھاؤ یہ بھی کوئی اصول ہے کہ حضورؐ یا صحابہؓ ایسا نہ کرتے تھے ہم اس اصول کو نہیں مانتے ہم بریلوی ہیں۔ آگے کسوف (سورج گرہن) کی بحث میں لکھتے ہیں :۔

ولیس فی الکسوف خطبۃ لانہ لم ینقل۔[3]

کسوف میں خطبہ اس لئے نہیں کہ یہ حضورؐ اور صحابہؓ سے منقول نہیں اس لئے نہیں کہ اس سے حضورؐ یا صحابہ کرامؓ نے روکا ہے کہاں گیا مولانا احمد رضا خاں کا اصل الاصول کہ تم منع کی

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۹۸۔

[2] ھدایہ ج ۱ ص۔ [3] ھدایہ ص ۱۵۶۔

دلیل لاؤ پھر استسقاد کی بحث میں لکھتے ہیں کہ وقت دعا لوگ اپنی چادروں کو نہ اُلٹائیں کیونکہ یہ کہیں منقول نہیں کہ حضورؐ یا صحابہؓ نے اس کا امر کیا ہو۔

ولا یقلب القوم اردیتھم لانہ لم ینقل انہ امر
بذلک (ھدایہ ص ۱۵۷)

عیدگاہ میں نمازِ عید سے پہلے نوافل ممنوع ہیں اس لئے نہیں کہ حضورؐ نے ان سے منع فرمایا ہے بلکہ اس لئے کہ آپ نے نماز کے شوق وافر کے باوجود عیدگاہ میں کبھی نوافل نہیں پڑھے۔ ولا یتنفل فی المصلیٰ قبل العید ..... لانہ لم یفعلہ۔ [1]

اب آیئے ساتویں صدی میں چلیں امام نوویؒ (۶۷۶ م) تصدیق فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں قبر پرستی راہ پا چکی ہے اور مسلمان یہود و نصاریٰ کی راہ پر چل کر شرک و بدعت کی غار زرداری میں پھنس چکے ہیں حضورؐ نے فرمایا تھا یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا تھا [2] اور یہ بھی فرمایا تھا تم بھی پہلوں کی راہ پر چلوگے [3] یعنی اس امت میں بھی قبر پرستی راہ پاجائے گی۔ اس پر امام نووی لکھتے ہیں :۔

وفی ھٰذا معجزۃ ظاھرۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فقد وقع ما اخبر بہ صلی اللہ علیہ وسلم [4]

(ترجمہ) اس خبر میں حضورؐ کا کھلا معجزہ ظاہر ہوا ہے کیونکہ جس طرح آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی واقع ہوا۔

حضورؐ کا غیب کی خبر دینا واقعی ایک معجزہ ہے کیونکہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔ کوئی بھی جب غیب کی خبر دے تو وہ اللہ کے بتلائے بغیر نہیں ہوسکتی۔

یہاں یہود و نصاریٰ کی راہ پر چلنے سے مراد ان کی کفر میں موافقت نہیں بدعات و معاصی میں ان کی راہوں پر چلنا ہے اور بزرگوں کی قبروں کو شرک و بدعت کے مرکز ٹھہرانا

---

[1] دیکھئے ھدایہ ص ۱۵۳۔ [2] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۶۲۔ [3] ایضاً جلد ۲ ص ۱۰۸۸
[4] شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۹

ہے یہ صحیح ہے کہ وہ افراط و تفریط کی راہوں سے راہ راست سے بھٹکے تھے اور ظاہر ہے کہ بریلوی آج ان کی راہوں پر ہی گامزن ہیں۔ آپ شرح مہذب میں بھی لکھتے ہیں:۔

یکرہ ان یقال فی الاذان حی علی خیر العمل
لانہ لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
والزیادۃ فی الاذان مکروہۃ۔ ؎

(ترجمہ) مکروہ ہے کہ کوئی شخص اذان میں حی علی خیر العمل کہے کیونکہ یہ حضورؐ سے ثابت نہیں اور اذان میں کسی چیز کو داخل کرنا حرام کے قریب ہے۔

کیا آنحضرتؐ نے کہیں حی علی خیر العمل کہنے سے یا اذان میں اضافہ کرنے سے منع کیا ہے؟ اگر نہیں تو امام نووی اسے کیوں مکروہ کہہ رہے ہیں اس وقت کسی نے نہ کہا کہ حضورؐ نے اس سے کہیں منع تو نہیں کیا۔

اب آیئے ذرا آٹھویں صدی میں چلیں اس دور میں کوئی قاعدہ کلیہ تھا کہ منع کی دلیل لاؤ ورنہ ہر بدعت کو جائز کرتے جاؤ بریلوی مذہب کی اصل آپ کو یہاں بھی نہ ملے گی۔ دین وہی ہے جو صحابہؓ اور تابعین سے ملے یا اس پر دلیل شرعی موجود ہو ـــــ یہ نہیں کہ صرف اس پر منع کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ علامہ فخر الدین الزیلعی (۷۴۳ھ) اس بحث میں کہ عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے کوئی نفل پڑھے جا سکتے ہیں یا نہ؟ لکھتے ہیں کہ یہ بالاتفاق جائز نہیں مکروہ ہے گھر میں نمازِ عید سے پہلے نفل پڑھ سکتا ہے یا نہ اس میں کچھ اختلاف ہے جمہور اہل اسلام کے ہاں نماز سے پہلے یہ بھی مکروہ ہے اور عیدگاہ میں نماز کے بعد بھی نفل مکروہ ہیں علامہ زیلعی اس کی دلیل یہ پیش کرتے

؎ ماخوذ از البحر الرائق ج ۱ ص ۲۷۵ ابن نجیم کا اسے نقل کرنا بتاتا ہے کہ اس مسئلہ پر حنفیہ اور شافعیہ دونوں متفق ہیں۔ عبادات میں کوئی اباحت اصلیہ کا قائل نہیں کہ حضورؐ نے اس سے کہیں منع تو نہیں کیا اس وقت بریلویوں کی یہ اصل اصیل وجود میں نہ آئی تھی نہ مولانا احمد رضا خاں اس وقت کہیں پیدا ہوئے تھے شرح مہذب میں اسے جلد ۳ ص ۹۸ پر دیکھئے۔

ہیں۔ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خرج یوم الاضحیٰ فصلّی رکعتین ولم یصل قبلہما ولا بعدہما [۱]

(ترجمہ) حضورؐ عید کے دن نکلے اور آپ نے دو رکعت نماز پڑھی نہ اس سے پہلے کوئی نفل پڑھے نہ بعد میں۔

علامہ سعدالدین تفتازانی (۷۹۲ھ) لکھتے ہیں۔

ان البدعۃ المذمومۃ ھو المحدث فی الدین من غیر ان یکون فی عہد الصحابۃ والتابعین ولا دل علیہ الدلیل الشرعی [۲]

(ترجمہ) بُری نئی بات وہ ہے جو دین میں پیدا کی جائے بغیر اس کے کہ وہ صحابہ اور تابعین کے دور میں ہو اور اس پر کوئی شرعی دلیل بھی موجود نہ ہو۔

مولانا احمد رضا خاں ہوتے تو پکار اُٹھتے یہ کیا کہہ رہے ہو کہ جو بات دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو اور عہدِ صحابہؓ و تابعین میں نہ پائی جائے وہ بدعت ہے یہ غلط ہے بدعت صرف وہ ہے جس کے منع پر شریعت میں دلیل موجود ہو جس کا نہ شریعت نے حکم دیا نہ منع کیا وہ سب کام جائز ہیں۔

اس صدی کے علامہ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) بھی لکھتے ہیں۔

المراد بالبدعۃ ما احدث مما لا اصل لہ فی الشریعۃ یدل علیہ [۳]

(ترجمہ) بدعت وہ عمل ہے جو نئے سرے سے قائم کیا جائے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو اس پر دلالت کرتی ہو۔

کسی نے بھی بدعت کی یہ تعریف نہیں کی کہ جس کے منع پر شریعت میں دلیل وارد ہو دین میں صرف وہی کام ناجائز ہے جس سے منع کیا گیا ہو عبادات کے جو نقشے بھی تم وضع کرو

---

[۱] تبیین الحقائق ص ۲۲۵ ج ۱۔ [۲] شرح مقاصد ص ۲۷۱ ج ۲ [۳] جامع العلوم والحکم ص ۱۹۳

اگر شریعت میں ان سے منع کیا گیا تو سب جائز ہوں گے یہ کیوں کہتے ہو صرف وہی کام دین کے نام پر کئے جا سکتے ہیں جو حضورؐ یا صحابہؓ اور تابعین سے منقول ہوں پہلوں کے مطابق چلنا یہ دین کا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ استغفر اللہ۔

یہ آٹھویں صدی کی شہادت ہے دیکھا جائے تو شریعت میں کوئی چیز مسکوت عنہ ہی نہیں آٹھویں صدی کے مشہور محقق علامہ شاطبیؒ مالکی (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں۔

اذلیس ثم مسکوت عنہ بحال بل ھو اما منصوص
واما مقیس علیٰ منصوص والقیاس من جملہ الادلۃ الشرعیہ
فلا نازلۃ الا ولہا فی الشریعۃ محل حکم فانتفی
المسکوت عنہ اذاً [1]

(ترجمہ) کیونکہ دین میں کوئی مسئلہ اب ایسا نہیں جس پر سکوت ہو ہر مسئلہ یا منصوص ہے (قرآن و حدیث میں) یا کسی منصوص پر قیاس شدہ ہے (فقہ میں) اور قیاس خود ادلہ شرعیہ میں سے ہے سو کوئی ضرورت ایسی نہیں پڑتی مگر اس کے لئے شریعت میں حکم موجود ہے (قرآن و حدیث سے ہو یا فقہ سے) سو امر مسکوت عنہ سرے سے جاتا رہا کوئی مسئلہ ایسا ہی نہیں جس میں شریعت ساکت ہو۔

اب ذرا نویں صدی میں چلئے حافظ بدر الدین العینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں۔

والبدعۃ فی الاصل احداث امر لم یکن فی
زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2]

(ترجمہ) بدعت اصل میں اس (دینی) کام کی ایجاد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوا ہو۔

خدا کا شکر ہے اس وقت کوئی مولانا احمد رضا خاں نہ تھے جو علامہ عینی کا گلا پکڑتے کہ بدعت کی یہ تعریف صحیح نہیں بدعت صرف وہ کام ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہو جو کام

---

[1] الموافقات ج ۱ صـ ۱۴۳ ۔ [2] عمدۃ القاری ج ۵ صـ ۲۵۶

شریعت میں ثابت نہ ہو لیکن اس سے منع بھی نہ کیا گیا ہو وہ بدعت نہیں۔ ہو سکتا بریلوی سمجھتے ہوں گے علامہ عینی مولانا احمد رضا خاں کو کوئی جواب نہ دے سکتے اگر مسئلہ خانصاحب پر بیان کرتے یہ راز شاید پہلے کے کسی محدث اور فقیہ پر نہ کھلا ہو۔

صبح کی نماز سے پہلے کسی کو نماز کے لئے اٹھانا یا سحری کے لئے اٹھانا اذان کے کلمات سے نہیں ہوتا تھا ظاہر ہے کہ اس میں شریعت میں کسی اضافے کا گمان نہیں اور شریعت نے اس سے منع بھی نہیں کیا مگر اس عمل نے جب یہ صورت اختیار کی کہ اسے ایک مسئلہ سمجھا جانے لگا تو علامہ عینی پکار اٹھے کہ یہ بدعت ہے آپ لکھتے ہیں :۔

ان النداء قبل الفجر لم یکن بالفاظ الاذان وانما کان تذکیرًا او تسحیرًا کما یقع للناس الیوم وهذا مردود لان الذی یصنعه الناس الیوم محدث قطعًا وقد تظافرت الطرق علی التعبیر بلفظ الاذان فحمله علی معناه الشرعی مقدم قلت لفظ الاذان یتناول معناه اللغوی والشرعی[1]

(ترجمہ) فجر سے پہلے اعلام اذان کے الفاظ سے تھا یہ محض یاد دلانے یا سحری کے لئے تھا جیسا کہ لوگوں میں یہ آج بھی رائج ہے یہ بات لائق قبول نہیں آج کل لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ قطعاً بدعت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) بھی لکھتے ہیں :۔

الاذان معناه الاعلام لغةً وخصه الشارع بالفاظ مخصوصة فی اوقات مخصوصة فاذا وجدت وجد الاذان ومازاد علیٰ ذلك من قول او فعل او هیئة یکون من مکملاته ویوجد الاذان من دونها ولو کان علی ما اطلق لکان ما احدث من التسبیح قبل الصبح و قبل الجمعة ومن الصلوٰة علی النبی صلی الله علیه وسلم من جملة الاذان ولیس کذلك لا لغةً ولا شرعًا[2]

(ترجمہ) اذان لغۃً اطلاع دینے کو کہتے ہیں حضورؐ نے اسے مخصوص اوقات میں مخصوص الفاظ سے خاص کیا ہے جب یہ کلمات پائے جائیں گے اذان ثابت ہو گی اس سے زیادہ جو بھی ہو وہ اس کے مکملات میں سے ہوگا اور اذان ان کے بغیر وجود پائے گی۔ اور اگر یہ بات مطلق ہوتی تو صبح کی اذان سے پہلے اور جمعہ سے پہلے اور حضورؐ پر درود و سلام پڑھنے کی جو بدعت قائم کی گئی ہے وہ اذان ہی سمجھی جائے گی اور بات اس طرح نہیں ہے۔

---

[1] عینی شرح بخاری ج ۵ ص ۱۳۵ [2] فتح الباری ج ۲ ص ۴۳

اب دسویں صدی میں چلیئے دسویں صدی کے جلیل القدر محدث اور عمیق الفکر فقیہ علامہ حلبی (۹۵۶ھ) سے پوچھا گیا تراویح میں ہر دو رکعت کے بعد مقتدی اپنی دو رکعت اکیلے پڑھے اور پھر امام کے ساتھ اگلی دو رکعت میں مل جایا کرے تو یہ کیسا ہے کیا یہ جائز ہے؟ ظاہر ہے کہ شریعت میں اس عمل کے لئے کوئی منع وارد نہیں مولانا احمد رضا خاں کے مذہب پر تو یہ جائز ہونا چاہیئے کیونکہ حضورؐ نے اس سے منع تو نہیں فرمایا لیکن حنفیہ کے ہاں یہ بدعت ہے کیونکہ صحابہ ایسا نہ کرتے تھے علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں :۔

ادخال ما لیس بعبادۃ فی العبادۃ مکروہ ومن المکروہ ما یفعلہ بعض الجھال من صلوۃ رکعتین منفرداً بعد کل رکعتین لانھا بدعۃ [1]

(ترجمہ) جو چیز شرعاً عبادت نہیں اسے عبادت میں داخل کرنا (عبادت ٹھہرانا) مکروہ ہے (حرام کے قریب ہے) اور یہ جو بعض جاہل لوگ ہر دو رکعت تراویح کے بعد اپنی دو رکعت علیحدہ پڑھتے ہیں یہ بھی حرام کے قریب ہے کیونکہ یہ بدعت ہے۔

شریعت میں اس سے روکا تو نہیں گیا تھا نہ اس پر کوئی منع وارد تھی پھر فقہائے حنفیہ اسے بدعت کیوں ٹھہرا رہے ہیں۔!

قبر پر ہاتھ رکھنا کیسا ہے ظاہر ہے کہ شریعت نے اسے نہ مسنون بتایا ہے نہ اس سے منع کیا ہے ـــ اس کے منع پر شریعت میں کوئی دلیل وارد نہیں سو مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب میں یہ جائز ہونا چاہیئے تھا لیکن احناف کے ہاں اسے صریح لفظوں میں بدعت کہا گیا ہے علامہ حلبی لکھتے ہیں :۔

ولا شک انہ بدعۃ لا سنۃ فیہ ولا اثر عن صحابی ولا عن امام ممن یعتمد علیہ فیکرہ [2]

(ترجمہ) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بدعت ہے اس میں نہ کوئی سنت کا ثبوت ہے نہ یہ کسی صحابی سے ماثور ہے اور نہ کسی امام سے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہو سو یہ عمل مکروہ ہوگا۔

---

[1] حلبی کبیر ص۴۰۴ [2] ایضاً ص۶۰۸

اسلام میں سجدے پانچ ہیں (۱) سجدہ فرض (۲) سجدہ سہو (۳) سجدہ تلاوت (۴) سجدہ نذر (۵) سجدہ شکر، سجدہ شکر کسی حصول نعمت یا دفع مصیبت پر ہو تو اسے مستحب کہا گیا ہے لیکن اس کے بغیر ہو تو یہ نہ عبادت ہے نہ مکروہ ہے۔ شریعت نے اس سے روکا نہیں لیکن عوام اگر اسے ضروری یا مسنون سمجھنے لگیں تو یہ بھی مکروہ ہو جائے گا ظاہر ہے کہ شریعت میں اس سجدۂ شکر پر کہیں منع وارد نہیں لیکن لوگ اگر اسے سُنّت یا واجب سمجھنے لگیں تو پھر یہ مباح بھی نہیں رہتا نہ مولانا احمد رضا خاں کو یہ کہنے کا حق ہے گا کہ منع کی دلیل پیش کرو شریعت نے اس سے منع تو نہیں کیا علامہ حلبی (۹۵۶ھ) میں لکھتے ہیں،

اما بغیر سبب فلیس بقربة ولا مکروه وما یفعل عقیب الصلوٰة فمکروه لان الجہال یعتقدونہا سنة او واجبة وکل مباح یودی الیہ فمکروه[۱]

(ترجمہ) لیکن بغیر کسی سبب نعمت کے ہو تو یہ نہ عبادت ہے اور نہ (اپنی ذات میں) مکروہ اور یہ جو لوگ نماز کے ختم پر سجدہ کرتے ہیں تو یہ ناجائز ہے کیونکہ جاہل اسے سنت یا واجب سمجھنے لگے ہیں اور ہر مباح جو سُنّت یا واجب سمجھا جانے لگے مکروہ ہو جاتا ہے مباح نہیں رہتا۔

یہ سجدۂ شکر کے بارے میں ہے باقی چار سجدے، سجدہ نماز، سجدہ تلاوت، سجدہ سہو اور سجدہ نذر ہیں۔ یہ کل پانچ قسم کے سجدے ہوئے ان میں کوئی بحث نہیں۔ مگر معلوم نہیں مولانا احمد رضا خاں سجدہ نذر کا انکار کیوں کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں۔

سجدہ چار قسم ہیں (۱) سجدہ نماز (۲) سجدہ تلاوت (۳) سجدہ سہو (۴) سجدہ شکر[۲]

شاید یہ اس لئے ہو کہ سجدہ تو کسی نیت سے بھی اللہ کے سوا جائز نہیں مگر نذر لغیر اللہ کے لئے یہ دروازہ کھولنا اس مسلک میں ضروری تھا اس لئے آپ نے سرے سے سجدہ نذر کا انکار کر دیا ہو ــــــ قبر کے پاس سونا اور وہاں قضائے حاجت بیٹھنا مکروہ ہے اس کے ساتھ ہر وہ عمل جو مسنون و معہود نہیں مکروہ ہے کہاں گئے یہ شور اٹھانے والے کہ منع تو نہیں کیا منع کی دلیل پیش کرو اس پر علامہ حلبی لکھتے ہیں۔

---

[۱] حلبی ص۶۱۶ [۲] ملفوظات حصہ اول ص۸۹

ویکرہ النوم عند القبر .... وکل مالم یعہد
فی السنۃ والمعہود منہما لیس الا زیارتہما [1]

(ترجمہ) قبر کے پاس سونا مکروہ ہے .... اور ہر وہ چیز جو سُنّت سے ثابت نہیں
یہاں مکروہ ہے اور جو ثابت ہے وہ صرف زیارت ہے اور قبر کے پاس کھڑے ہوکر
دُعا کرنا جائز ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کرتے تھے جب آپ بقیع تشریف لیجاتے تھے

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ عبادات میں اصل اتباع ہے یہ نہیں کہ اس کے
خلاف کوئی منع وارد نہ ہو دنیا کی چیزوں میں تو یہ بات ہو سکتی ہے کہ اصل اباحت ہو لیکن
عبادات میں اصل حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہؓ کی پیروی ہے اتباع سے تھوڑا
عمل بھی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند آتا ہے بمقابلہ اس عمل کے جسے کوئی شخص اپنی پسند سے
اختیار کرے علامہ حلبی لکھتے ہیں :۔

والکمال لایحصل بمجرد المشقۃ مالم یکن فیہا
اتباع سنۃ وھو المراد بنحو افضل الاعمال احمزھا
ولم یروانہ علیہ الصلٰوۃ والسلام زاد علی
ثمان بتسلیمۃ واحدۃ فلایکون فیہ
اتباع سنۃ فیکون مکروھا وان کان مشقا
وھٰذا ھو الاصل لکم من فعل یسیر یزید ثوابہ بما فیہ
من اتباع السنۃ علی فعل اشق منہ باضعاف لخلوہ
عن الاتباع [2]

(ترجمہ) اور کمال صرف ریاضت سے نہیں ملتا جب تک کہ اس میں سُنّت کی اتباع
نہ ہو اور افضل الاعمال احمزھا جیسے فرامین سے یہی مُراد ہے اور حضورؐ سے یہ کہیں نہیں ملتا
کہ آپ نے کبھی ایک سلام سے آٹھ رکعت سے زیادہ رکعتیں پڑھی ہوں پس اس (زیادتی)
میں اتباعِ سنت نہ پائی جائے گی اور یہ عمل مکروہ قرار پائے گا اگرچہ اسمیں مشقت زیادہ ہوگی۔

---

[1] غنیۃ المتملی ص ۶۰۵ [2] حلبی کبیر ص ۴۰۵

دین میں یہی اصل ہے (کہ سنت کی اتباع کی جائے) کتنے ہی فعل ہیں جو عملاً آسان ہیں اور ان کا ثبوت ان کاموں سے کئی گنا زیادہ ہے جو اُن سے زیادہ سخت ہیں کیونکہ ان پہلے کاموں میں اتباع سنت ہے اور دوسرے (زیادہ سخت) کام اتباع سُنت سے خالی ہیں۔

اب آپ ہی کہیں عبادات میں اصل کیا ہے؟ نقل ہے یا وہ دین و مذہب جو مولانا احمد رضا خاں نے ایجاد کیا کہ سلف صالحین کے طریقے کی بات نہیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ شریعت نے اس سے منع تو نہیں کیا۔ علامہ حلبی نے هٰذا هو الاصل کہہ کر علمائے دیوبند کی تائید کی ہے یا مولانا احمد رضا خاں کی؟ یہ آپ سوچیں۔

علامہ ابن نجیم (۹۶۹ھ) بھی اسی صدی کے ہیں آپ لکھتے ہیں حضرت علیؓ نے مسجد میں اذان کے بعد کسی شخص کو نماز کی دعوت دیتے دیکھا تو فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

ان علیا رای موذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا هٰذا المبتدع من المسجد[1]

(ترجمہ) حضرت علیؓ نے دیکھا ایک موذن عشاء کے وقت (اذان کے بعد) پھر سے نماز کے لئے بلا رہا ہے آپ نے فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں اذان کے بعد نماز کے اس بلاوے سے روکا ہے شریعت میں اس پر کہیں منع وارد نہیں اگر نہیں تو پھر حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عُمرؓ نے اسے کیوں منع کیا۔ بریلوی افسوس کرتے ہیں کہ اس وقت مولانا احمد رضا خاں موجود نہ تھے وہ ہوتے تو ان دونوں حضرات کو سمجھا دیتے کہ دین کیا ہے۔ دونوں صحابیوں کو ٹوکتے کہ تم منع کی دلیل لاؤ — ہم سے اس عمل کا ثبوت کیوں پوچھتے ہو؟

یہ اسلام کی دس صدیوں کا نقشہ آپ کے سامنے ہے اس میں کہاں اس بات کی گنجائش ہے کہ جن امور سے شریعت ساکت ہے ان میں اصل اباحت ہے — آپ جو چاہیں کرتے جائیں اور کوئی بدعت نہ بتلائے اور اگر کوئی کہے تو فوراً کہہ دو کہ اس سے منع تو نہیں کیا —

---

[1] البحر الرائق ج ۱ ص ۲۷۵۔

علامہ ابن نجیم پھر فتح القدیر سے نقل کرتے ہوئے مزید تائید سے لکھتے ہیں :۔

لا یمنع من ذکر اللہ بسائر الالفاظ فی شیٔ من الاوقات بل من ایقاعہ علی وجہ البدعۃ فقال ابوحنیفۃ رفع الصوت بالذکر بدعۃ ویخالف الامر من قولہ تعالیٰ واذکر ربک فی نفسک تضرعًا وخیفۃً ودون الجھر من القول فیقتصر علی مورد الشرع...... لان ذکر اللہ تعالیٰ اذا قصد بہ التخصیص بوقت دون وقت اوبشیٔ دون شیٔ لم یکن مشروعًا حیث لم یرد بہ الشرع...... فالحاصل ان الجھر بالتکبیر بدعۃ فی کل وقت الا فی المواضع المستثناۃ ...... وتمنع الصوفیۃ من رفع الصوت والصفق وصرح بحرمتہ العینی فی شرح التحفہ وشنع علی من یفعلہ مدعیًا انہ من الصوفیۃ [1]

(ترجمہ) اللہ کے ذکر سے چاہے کن لفظوں میں ہو اور کسی بھی وقت ہو روکا نہ جائے ہاں اسے اس طرح کرنا کہ بدعت بن جائے یہ ممنوع ہے امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں اُونچی آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے خلاف ہے کہ "اپنے رب کو اپنے جی میں یاد کر زاری سے اور خیفت سے ــــ اور یہ کہ جہر نہ ہونے پائے زبان سے (پ۹ الاعراف آخر) پس جہاں کہیں ذکر جہرًا ثابت ہوگا اسے اسکے اس مورد پر خاص رکھا جائے گا (اس سے اسے عام کرنے کی راہ نہ کھلے گی) ...... اللہ کا ذکر اگر کسی خاص وقت کے ساتھ مقصود بنایا جائے کہ اور وقت میں یہ نہ ہوسکے یا ذکر میں کسی خاص وظیفے کو لازم کیا جائے تو یہ جائز نہ رہے گا کیونکہ اس (خاص تخصیص) پر شریعت وارد نہیں ہوئی ...... سو حاصل یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر

---

[1] البحر الرائق ج ۲ ص۱۷۲۔

کہنا کسی بھی وقت ہو بدعت ہے سوائے ان مقامات کے جہاں یہ جہر ثابت ہے (وہ مواضع مستثنیٰ سمجھے جائیں گے) صوفی قسم کے لوگوں کو ذکر میں آواز بلند کرنے سے اور ہاتھ بجانے سے منع کیا جائے گا علامہ عینی نے اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے اور جو لوگ اسے اس زعم میں کرتے ہیں کہ وہ صوفی ہیں ان کی بڑی تشنیع اور توا ضع کی ہے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ بھی لکھتے ہیں:۔

فما یفعله المؤذنون الان عقب الاذان
من الاعلان بالصلوٰة والسلام مرارًا اصلاسنة
والکیفیة بدعة لان رفع الصوت فی المسجد
ولو بالذکر فیه کراهة [1]

(ترجمہ) سو آج کل جو موذن اذان کے عقب میں بار بار صلوٰۃ وسلام ملاتے ہیں۔ سو صلوٰۃ وسلام کی اصل تو سنت تھی لیکن یہ کیفیت (کہ اسے اذان کے ساتھ پڑھا جائے اور بلند آواز سے پڑھا جائے) بدعت ہے کیونکہ مسجد میں آوازیں بلند کرنا وہ ذکر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہوں یہ عمل مکروہ ہے (حرام کے قریب ہے)

پھر فرماتے ہیں:۔

المانع لا یطلب منه الدلیل [2]

(ترجمہ) جو شخص کسی عمل سے روکنے والا ہو اس سے (منع کی) دلیل نہ پوچھی جائے گی۔

دلیل قائم کرنا مدعی کا کام ہوتا ہے وہی اثبات مدعا کے درپے ہوتا ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ اپنے دعوے پر دلیل لائے جو شخص کہے کہ اس عمل کا کہیں ثبوت نہیں اسے کہنا کہ تم منع کی دلیل لاؤ یہ اس اصول کے خلاف ہے جو سیدنا ملا علی قاریؒ نے بیان کیا ہے مولانا احمد رضا خاں کے اس مذہب کی کہ منع کرنے والے سے دلیل مانگو کوئی صاحب علم تائید نہیں کرتا ملا علی قاریؒ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ صـ۱۶۱ [2] مرقات ج ۵ صـ۱۳۶

ومما احدث فی ليلة النصف من شعبان الصلوٰة الالفية ...... وكان للعوام بهٰذه الصلاة افتنان عظيم حتى التزم بسببها كثرة الوقيد وترتب عليه من الفسوق وانتهاك المحارم ما يغنى عن وصفه حتى خشى الاولياء من الخسف وهربوا فيها الى البرارى واول حدوث هٰذه الصلاة ببيت المقدس سنة ثمان واربعين واربعمائة قال وقد جعلها جهلة ائمة المساجد مع صلوٰة الرغائب ونحوهما شبكة لجمع العوام وطلباً لرياسة التقدم وتحصيل الحطام ثم انه اقام الله ائمة الهدى فى سعى ابطالها ..... وقد انكر الطرطوسى الاجتماع ليلة الختم فى التراويح ونصب المنابر وبين انه بدعة منكرة قلت رحمه الله ما افطنه [1]

(ترجمہ) اور یہ جو لوگوں نے شب برات میں صلوٰۃ الفیہ کی بدعت نکالی ہے عوام اس سے بڑے فتنے کا شکار ہو گئے ہیں اسی سے کثرت چراغاں لازم ٹھہرائی جانے لگی ہے اور اس پر وہ فسق اور انتہاک حرمت عمل میں آرہے ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا بعض اولیاء اللہ ڈرنے لگے ہیں کہ کہیں زمین نہ دھنس جائے اور انہوں نے جنگلوں کے رُخ اختیار کر لئے ہیں اور صلوٰۃ الفیہ کی بدعت پہلے بیت المقدس میں ۴۴۸ھ میں قائم ہوئی اور جاہل ائمہ مساجد اسے صلوٰۃ الرغائب کے ساتھ ملانے لگے ہیں اسے انہوں نے عوام کو اپنے گرد جمع کرنے کا ایک جال اور اپنی سرداری قائم کرنے اور مال دنیا اکٹھا کرنے کا ایک حیلہ بنا رکھا ہے پھر اللہ تعالےٰ نے علماء ھدی کو کھڑا کر دیا کہ وہ ان بدعات کا ابطال کریں اور علامہ طرطوسیؒ نے تراویح کے ختم پر اجتماع کرنے اور اس موقعہ پر منبروں کے مسجدوں میں نصب کرنے کو منکرات میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بدعت منکرہ ہے میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے کتنی سمجھ کی بات کہہ گئے ہیں۔

---

[1] مرقات ج ۳ ص ۱۹۸۔

اب آپ سوچیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے اپنے دین و مذہب کی جو اصل قائم کی ہے کہ اس سے شریعت نے روکا نہ ہو اور اس پر شریعت نے کوئی منع وارد نہ کی ہو وہ سب طریقے مذہب میں داخل کیے جا سکتے ہیں کتنی بے بنیاد اور بے اصل بات ہے اباحت اصلیہ کی بحث ہم انشاء اللہ العزیز آگے چل کر کریں گے یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں سے تحے دین و مذہب پر جس کی آپ نے اپنے آخری وقت میں اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی آپ کے شاگردوں نے اس پر کیا کیا گل کھلائے ہیں ان کے مفتی احمد یار صاحب گجراتی میلاد قیام تعظیمی تیجا، دسواں گیارہویں، بارہویں، چالیسواں وغیرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی علامت ہے[1]
چہ اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں[2]

"تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اسی طرح کرو بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ و رکوع اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں۔ لہٰذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر کرنا چاہیے دیکھو کلوا و اشربوا میں مطلقاً کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیئو تو بریانی، زردہ، قورمہ سب ہی حلال ہوا خیر القرون میں ہو یا نہ ہو ایسے ہی توقروہ (تم اس نبی پاک کی عزت کرو) کا امر مطلق ہے خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو[3]

بات عبادات کی ہو رہی ہے کہ جو چیز ثبوتاً عبادت نہیں اسے عبادت سمجھ کر کرنا! ثواب سمجھ کر عمل میں لانا اس کا ثبوت خیر القرون سے چاہیئے۔ عبادات اور طاعات میں نقل اصل ہے یا اپنی بات کہ منع تو نہیں کیا ــــ بات مسائل کی ہو رہی تھی۔ بریانی اور قورمے کی نہیں مگر بریلوی مفتی عجیب ہیں موقع ہو یا نہ ہو ہر جگہ بریانی اور قورمے کی بحث لے آتے ہیں اور ختموں کی رونق پر بھی اس لئے دلائل قائم کئے جاتے ہیں کہ ان میں بریانی، زردہ اور قورمہ عام ہوتا ہے جو مفتی صاحب کے دل کی جان ہے

---

[1] جاء الحق صـ۲۴۳ [2] جاء الحق صـ۲۵۳ [3] جاء الحق صـ۲۵۴

یہاں مفتی صاحب نے اپنا بریلوی عقیدہ بالکل اگل دیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں جو طریق چاہیں وضع کر سکتے ہیں۔ خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو ہم پر اس کی کوئی پابندی نہیں ہے۔

قارئین کرام مطالعہ بریلویت کا یہ بڑا نازک موڑ ہے اسے نوٹ کریں اور پھر اپنے دل سے پوچھیں کہ دین کو خیر القرون سے لینے والے اہل السنۃ والجماعۃ ہیں یا خیر القرون سے جان چھڑانے والے ۔۔ اور کیا نبیوں اور ولیوں کی تعظیم و تکریم کے طریقے خود گھڑنے والے کسی طرح اہل سنت ہو سکتے ہیں ؟ فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون

اپنے طریق (جن سے خدا تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو) گھڑنے والوں کو اہل بدعت تو کہا جا سکتا ہے اہل سنت نہیں ۔۔ سنت وہی ہے جو خیر القرون سے اگلوں تک پہنچے ، نہ یہ کہ اسے مولانا احمد رضا خاں اور ان کے پیروؤں کی پسند اور ناپسند پر چھوڑ دیا جائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؕ

مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی اس کے جواب میں کہتے ہیں :۔

سنت یہی نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا ان کے صحابہ سے منقول ہو نہ اس میں خیر القرون کی شرط ہے ہم جو طریقے قائم کر جائیں وہ بھی سنت ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہر ہر امتی کو اچھے مقاصد کے لیے نئی نئی سنتیں قائم کرنے کا حق دیا ہے کیا شافع روز جزا نہیں فرما گئے ؟ من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا۔

کیا یہ حکم عام نہیں اور کیا ہم اس عام میں داخل نہیں ؟ سو ہمارے قائم کردہ طریقے گو وہ خیر القرون سے ثابت نہ ہوں سب کے سب سنت ہیں ہم اس تفصیل کی رو سے اہل سنت ہیں نہ یہ کہ ہمارا ایک ایک دینی کام سنت سے ثابت ہو[1]

---

[1] اشتہار اطیب صہ ۱۹ آپ نے تقویۃ الایمان کے رد میں جو کتاب لکھی یہ اسکا اشتہار ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم یہاں اس حدیث کی کچھ شرح کردیں جو مفتی صاحب نے پیش کی ہے۔ امام مسلمؒ نے اسے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کے بعد ہم حدیث ماراٰہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن کی بھی کچھ شرح عرض کریں گے۔

گو مفتی صاحب نے یہاں وہ پیش نہیں کی لیکن مفتی احمد یار صاحب گجراتی بار بار اس سے اپنی بدعات کے حق میں استدلال کرتے ہیں۔ اسی طرح اس حدیث کی بھی کچھ تشریح کی جائے گی کہ یہ امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی

شرح حدیث حضرت جریر بن عبداللہؓ۔ دربار سنت اسلام

حضرت جریر (۵۱ م) کہتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من سن فی الاسلام سنۃ حسنہ فلہ اجرھا واجر
من عمل بہا بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیٔ
ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا ووزر
من عمل بہا من بعدہ من غیر ان ینقص من اوزارھم شیٔ[1]

(ترجمہ) جس نے اسلام کے اندر کوئی اچھی بات قائم کی اسے اس کا بھی ثواب ملے اور جس جس نے اس پر اس کے بعد عمل کیا ان کا ثواب بھی اسے ملے گا بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو اور جس نے اسلام کے اندر کوئی بُری راہ قائم کی اس پر اس کا بھی بوجھ ہوگا اور جس جس نے اس پر اس کے بعد عمل کیا ان کا بوجھ بھی اس پر ہوگا۔ بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے بوجھ میں کوئی کمی آئے۔

اس حدیث میں دونوں جگہ فی الاسلام کے لفظ وارد ہیں، اسلام ایک کامل اور جامع دین ہے جو انسانی ضرورت کے تمام دائرں کو شامل ہے اس میں کسی نئی چیز کے داخل کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے کسی مسئلے کو انسانی سوسائٹی سے نکالا جاسکتا ہے نہ اس میں کسی اضافے کی گنجائش ہے نہ اس میں آگے کوئی نسخ وارد ہے نہ کوئی نبوت

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ جلد ۲ صفحہ ۳۴۱

صادر ہے ۔ سو فی الاسلام سے دونوں جگہ مُراد یہ ہے کہ اس کا اچھا ہونا یا بُرا ہونا پہلے سے اسلام میں واضح اور ثابت ہے مثلاً نماز کا فرض ہونا یا شراب کا حرام ہونا دینِ اسلام میں پہلے سے ثابت اور واضح ہے اب اگر کوئی شخص کسی ایسے معاشرے میں رہتا ہے جہاں کے لوگ دین سے غافل ہو چکے ہیں وہ اس سوسائٹی میں نماز قائم کرتا ہے اور کچھ دوسرے لوگ بھی اسے دیکھ کر نماز پڑھنے لگتے ہیں تو اس نے اپنی نماز اور ان کی نمازوں کا ثواب بھی پالیا۔ اور اگر کوئی شخص کسی سوسائٹی میں شراب پینے کی طرح ڈالتا ہے تو اسے اپنے عمل اور اُن تمام لوگوں کے عمل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس حدیث میں فی الاسلام کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس عمل کا حسن یا سئی ہونا اچھا یا بُرا ہونا پہلے سے اسلام میں واضح اور ثابت تھا۔ یہ نہیں کہ اس حدیث میں اپنے خیال اور وجدان سے کسی اچھے یا بُرے عمل کے قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا جائے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ یہاں سَنّ سنة حسنة فی الاسلام سے مراد چھوڑی ہوئی سنتوں کو زندہ کرنا ہے کوئی نیا عمل ایجاد کرنا نہیں اور سنة سیئة سے مراد کسی ناپید برائی کو نئے سرے سے معاشرے میں لانا ہے۔

ایک جگہ مسجد بنانے کا مشورہ چل رہا ہے بے نماز لوگ اس کی اہمیت نہیں سمجھتے ایک شخص بڑھ کر کہتا ہے کہ مسجدوں کی کیا ضرورت ہے کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں اب یہ شخص ہے جس نے اس موقع پر سب سے پہلے (ہونے والی نیکی کو) روکا وہ اپنا اور سب کا گناہ ساتھ لے گیا۔ ایک شخص نے وہیں نیکی کی اپیل کر دی اور ایک بڑی رقم سامنے رکھ دی پھر اور لوگ بھی دینے لگ پڑے وہ وہ اپنا اور دوسرے سب معاونین کا ثواب بھی ساتھ لے گیا۔ بغیر اس کے کہ ان کے اپنے اجر و ثواب میں کمی واقع ہو۔

جو لوگ اس حدیث سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں دین اسلام میں نئے نئے اعمال کو داخل کرنے کی گنجائش نکلتی ہے اور اس بنا پر صحابہ اور آئمہ نے دینِ اسلام میں بڑے بڑے اضافے کئے وہ غلطی پر ہیں۔ دین کامل اور مکمل ہے اس میں کسی نئے

اضافے کی گنجائش نہیں ہاں چھوڑی ہوئی سنتوں کو زندہ کرنا اور اسلام کے کاموں کو نئے سرے سے قائم کرنا جیں ملک یا معاشرے میں عورتیں پردہ نہ کرتی ہوں وہاں اسلامی پردے کو قائم کرنا یہ مَن سَنَّ سنۃ حسنۃ فی الاسلام کا مصداق بنتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حدیث ارشاد فرمائی تو اس کا کچھ سیاق وسباق بھی تھا اسے سامنے رکھنے سے مراد حدیث بہت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے، اسے ہم صحیح مسلم سے ہدیۂ قارئین کرتے ہیں :۔

حضرت جریر کہتے ہیں دن کے پہلے حصہ میں ہم حضورؐ کے پاس موجود تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن چیتوں کی کھالیں اوڑھے گردنوں میں تلواریں لٹکائے آئے یہ قبیلہ مضر کے تھے حضورؐ کا چہرہ ان کے اس فاقہ کی حال کے لیے پریشان ہو گیا آپ گھر گئے اور پھر چلے آئے۔ نماز کا وقت ہوا اور بلال نے اذان دے دی۔

(نوٹ) حدیث میں فامر بلالاً فاذن کے الفاظ وارد ہیں آپؐ نے حضرت بلال کو حکم دیا سو آپ نے اذان کہی فار تعقیب کے لیے ہے سو اس حکم میں اور اذان بلال میں کوئی اور عمل داخل نہیں اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنا اگر معمول ہوتا تو یہاں اس کا ذکر ہوتا۔ مقام ذکر میں عدم ذکر، ذکر عدم کا فائدہ دیتا ہے۔

بلال نے اذان دی اور اقامت کہی نماز ہوئی اور حضورؐ نے نماز کے بعد خطبہ دیا اور قرآن کریم کی دو آیتیں پڑھیں، سورہ نسار کی پہلی آیت اور سورہ حشر کی اٹھارویں آیت پڑھی اور لوگوں کو ان مساکین پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ پہلی آیت کا ترجمہ ہے :۔

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اس میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دو سے اس نے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پھیلا دیں۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے نام

پر مانگتے ہو، اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں ہر وقت
دیکھ رہے ہیں (پ۴ سورہ النسار پہلی آیت)

دوسری آیت کا ترجمہ ہے :-
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل کے
لیے کیا آگے بھیجا ہے (پ۲۸ الحشر ع ۳)

پہلی آیت میں ایک خونی رشتے کی طرف توجہ دلائی کہ تم سب ابتدا میں ایک ماں اور باپ کی اولاد تھے اور دوسری آیت میں اس جہاں کو اگلے جہاں سے متصل بتایا اور فرمایا کہ اس جہاں کے لیے کوئی زاد یہیں سے لے کر جاؤ پھر آپؐ نے فرمایا۔

تصدق رجل من دیناره، من درهمه، من ثوبه، من صاع بره
من صاع تمرة ولو بشق تمرة۔

ترجمہ: صدقہ کرے آدمی اپنا دینار، اپنا درہم، اپنے کپڑے، گندم کے صاع
اور کھجور کے صاع (پیمانے) خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی سہی۔

آپؐ کی اس اپیل پر ایک انصاری ایک بڑی تھیلی جو اس سے اٹھائی نہ جاتی تھی لے آیا پھر لوگ لگاتار صدقات لانے لگے۔ یہاں تک کہ اناج اور کپڑوں کے دو ڈھیر لگ گئے اور حضورؐ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک اٹھا کہ جیسے اس پر سونے کا پانی چڑھا ہو۔ پھر آپؐ نے فرمایا :-

مَن سن فی الاسلام سنة حسنة فلہ اجرها و
اجر من عمل بها [1]

ترجمہ: جس نے اسلام کی کوئی بات کہیں قائم کی اسے اس کا اجر ملے گا اور ان تمام
لوگوں کا جو اس پر عمل کے لیے اٹھیں گے

اب آپ ہی بتائیں کہ یہ حدیث کسی سنتِ اسلام کو نئے سرے سے زندہ کرنے کے بارے میں ہے یا اسلام میں کسی نئے عمل (بدعت) کو داخل کرنے کے لیے۔ یہ سنت

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۲۷

حسنہ اَب نئے سرے سے قائم ہوگی یا پہلی سنت پر نئے سرے سے کھڑا ہونا ہے جیسے کہ وہ انصاری اس موقع پر پہل کر گیا۔

مُرادِ حدیث اَب آپ کے سامنے واضح ہوگئی، افسوس کہ بریلوی حضرات نے اس راہ سے اسلام کے کامل قلعہ میں نقب لگانی شروع کی اور اپنے وضع کردہ نئے نئے اعمال وقتوں اور تاریخوں کی اپنی تعینات اور تخصیصات سے اسلام میں داخل کردیئے یہ حدیث مذکور کا ہرگز محمل نہ تھا۔ ایسے مسائل بنانا تو نئے سرے سے کسی کو مسندِ نبوت پر بٹھانا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حدیثِ مذکور پر بریلوی علماء کے بیانات بھی آپ دیکھیں اور پڑھیں اور پھر فیصلہ کریں کہ فہم حدیث سے ان کا ذہن اور دل اللہ کے خوف سے کہاں تک خالی ہے :

ان کنت لاتدری فتلك مصیبة   وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

حضرت ابوہریرہؓ نے یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان لفظوں سے بھی روایت کیا ہے :-

من دعا الی ھدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعه لاینقص ذالك من اجورھم شیاء و من دعا الی ضلالة کان علیه من الاثم مثل آثام من تبعه لاینقص ذالك من آثامھم شیاء [۱]

ترجمہ : جس نے کسی کو ہدایت پر آنے کی دعوت دی اسے ان تمام لوگوں کے برابر جنہوں نے اس پر عمل کیا اجر ملے گا۔ بغیر اس کے کہ ان کے اپنے اجروں میں کوئی کمی آئے اور جس نے کسی گمراہی کی دعوت دی اس پر ان تمام لوگوں کا گناہ بھی آئے گا، جنہوں نے اس پر عمل کیا بغیر اس کے کہ ان کے اپنے گناہوں میں کوئی کمی آئے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ من سن سنة حسنةً کے معنی من دعا

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۱

الحق هدی کے ہیں کہ جو اچھی بات پہلے سے معلوم ہے یہ اس کی طرف لوگوں کو بلانا ہے اور جو معاشرہ سنتِ اسلام کو بھول چکا ہے ان میں اس سنت کو نئے سرے سے زندہ کرنا اس کے ذیل میں آتا ہے۔ شریعت میں کسی نئے عمل کی ایجاد کی جائے اسلام میں اس کی ہرگز کوئی اجازت نہیں ہے۔ امام مسلم نے ان دونوں روایتوں کو اکٹھا روایت کیا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں اس حدیث کے الفاظ دیکھئے :۔

من احی سنة من سنتی فعمل بها الناس کان له
مثل اجر من عمل بها لا ینقص من اجورهم
شیاء ومن ابتدع بدعة فعمل بها کان علیه وزر من
عمل بها لا ینقص من اوزار من عمل بها شیاء [1]

ترجمہ:۔ جس نے میری کسی سنت کو زندہ کیا کہ لوگ اس پر عمل کرنے لگے تو اسے بھی ان تمام لوگوں کے عمل کا ثواب ملے گا لیکن ان لوگوں کے اپنے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ جس نے کوئی بدعت قائم کی اس پر عمل کیا تو اس پر ان تمام لوگوں کے عمل کا بھی بار ہوگا جنہوں نے اس پر عمل کیا بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اپنے گناہوں میں کمی ہو

یہاں من سنة حسنة کو احیائے سنت سے تعبیر کیا گیا ہے اور سنت سیئہ کو بدعت کہا گیا ہے بدعت سیئہ نہیں کہا گیا معلوم ہوا کہ اس کے مقابل سنت حسنہ ہے بدعت حسنہ نہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

بدعت مرضیٔ شیطان است و مرضی شیطان را بحسنہ چہ کار [2]

حدیث جب روایت بالمعنی ہو تو اس کے جملہ طرق سامنے رکھ کر مفہوم حدیث اخذ کیا جانا چاہیئے۔ حدیث جریر کا موضوع آپ کے سامنے کھل کر آگیا ہے اور واضح ہوگیا ہے کہ اس میں ایجاد بدعت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ماراہ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن پر بھی غور کریں اور مراد حدیث کا جائزہ لیں۔

---

[1] سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۹ [2] مکتوبات حضرت امام ربانی دفتر دوم ص مکتوب ۵۴

شرح حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

سنتہ حسنہ اور سنتہ سیئہ کا یہ تقابل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں بھی ملتا ہے۔ حضرت امام احمدؒ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا :-

ان الله نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمد صلی الله علیه وسلم خیر قلوب العباد فاصطفاه لنفسه فابتعثه برسالته ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد صلی الله علیه وسلم فوجد قلوب اصحابه خیر قلوب العباد فجعلهم وزراء نبیه یقاتلون علی دینه فما رای المومنون حسنا فهو عند الله حسن وما راوا سیئا فهو عند الله سیئ[1]

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سب انسانوں کے دلوں سے بہتر پایا سو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے لیے چن لیا اور اپنی پیغام رسانی کے لیے آپکو مبعوث ٹھہرایا پھر آپؐ کے دل کے بعد (آپکے دور کے) بندوں کے دلوں پر نظر کی تو آپؐ کے صحابہؓ کے دلوں کو خیر القلوب پایا سو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کا وزیر بنایا جو آپؐ کے دین کے لیے صف بندی کریں گے سو یہ مسلمان جس چیز کو حسن (اچھا) جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی حسن ہے اور جسے یہ حضرات سیّ (بُرا) جانیں وہ اللہ کے ہاں بھی بُرا ہے۔

جس طرح حدیث جریرؓ میں سنت کے ساتھ حسنہ اور سیئہ کے الفاظ وارد ہیں اسی نہج پر یہاں حسن اور سیئ کے الفاظ وارد ہیں کہ اچھے عمل اور بُرے عمل میں تقابل یہی ہے۔ بغوی (۵۱۶ھ) کی روایت میں یہ الفاظ ہیں :- فما راه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما راه المسلمون قبیحاً فهو عند الله قبیح[2]

---

[1] رواہ احمد والبزار والطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون۔ مجمع الزوائد جلد ۱ صہ ۱۷۸

[2] شرح السنۃ جلد ۱ صہ ۲۱۵

اس حدیث میں فاء تفریع (فمارآہ المسلمون) صحابہؓ کے خیر قلوب العباد ہونے پر وارد ہوئی ہے۔ سو یہ بات واضح ہے کہ یہاں عام مسلمان مراد نہیں اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مراد ہیں۔ صحابہ جس بات کو اختیار کریں اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی وہی پسندیدہ ہے اور صحابہؓ جسے ناپسند کریں اللہ تعالیٰ بھی اس طریقے سے ناخوش ہیں۔ سو ان کی صوابدید اور نظر بجائے خود ایک معیار ہے۔

اس حدیث کا پیرایہ بیان بتلاتا ہے کہ یہاں صحابہؓ کو غیر کا معیار بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ ان کی پسند اللہ کی پسند اور ان کی ناپسند اللہ کی ناپسند بتلائی گئی ہے۔ سو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی اور طبقہ بھی ہے جن کے لیے یہ حضرات خیر کا نشان بنائے گئے ہیں اور جنہوں نے ان کے نقش پا سے حسن اور سیئ کے فیصلے کرنے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ عام مسلمان اور یہ (المسلمون) کون ہیں؟ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ معلوم ہوا جس طرح صحابہؓ کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین خداوندی کے گواہ ہیں۔ عام مسلمانوں کے لیے صحابہؓ دین خداوندی کے گواہ ہیں اور یہ معنی اور مفہوم ہمیں قرآن کریم میں بھی ملتا ہے۔

وَکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس
ویکون الرسول علیکم شہیداً ۔ پ۲ البقرہ ع ۱۷ آیت ۱۴۲

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے کیا تمہیں بہترین اُمت تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ رہو اور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے یہ رسول گواہ ہوں۔

سو اگر یہاں المسلمون سے مراد صحابہؓ نہ لیے جائیں عام مسلمانوں کو یہ مرتبہ دیا جائے کہ ان کی پسند اللہ کی پسند ہے اور ان کی ناپسند اللہ کی ناپسند ہو تو سوال ابھرتا ہے کہ پھر وہ نمونہ کن لوگوں کے لیے ہوں گے۔ آخر کوئی ایسا طبقہ بھی تو ہونا چاہیئے جن کے لیے ان مسلمون کو نمونہ ٹھہرایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دوسرا طبقہ عام مسلمان ہیں جن کے لیے صحابہ کرام خدا کی پسند اور ناپسند کے نشان ٹھہرائے گئے ہیں۔

المسلمون کو جاننے کے لیے کہ اس میں کون لوگ مراد ہیں یہ پیش نظر رہے کہ یہ بات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرما رہے ہیں اور یہ آپ کا تمام اسلوب نصیحت تھا کہ اپنے زمانہ کے عام مسلمانوں کو (جو صحابہ نہ ہوتے تھے) آپ ہمیشہ اصحاب رسولؐ کی پیروی کی تلقین فرمانے

اور ظاہر ہے کہ یہ روایت بھی آپ کا اسلوب نصیحت ہی ہے۔ آپ نے کچھ مسلمانوں کو ایک مسجد میں حلقہ باندھے بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کہتے دیکھا وہ درود شریف بھی پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کتنی جلدی ہلاکت میں پڑ گئے۔ ابھی تک تو صحابہ کرام تم میں بکثرت موجود ہیں اور ابھی تو حضور کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے اور آپ کے برتن بھی نہیں ٹوٹے ..... اور تم نے بدعت اور گمراہی شروع کر دی ہے[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ عام مسلمانوں کی پسند اور ناپسند کو ہرگز اللہ کی پسند اور ناپسند قرار نہ دیتے تھے۔ آپ کے عقیدہ میں یہ مقام صرف اصحاب رسول کا ہے کہ انہیں رضائے الٰہی کا نشان سمجھ کر اپنے لیے نمونہ عمل مانا جائے ـــــ آپ ایک اور موقعہ پر ارشاد فرماتے ہیں:

میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں خدائے وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے یہ نہایت تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے یا کیا تم علم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ سے بھی بڑھ گئے ہو[2]

اگر آپ کا یہی نظریہ ہوتا کہ عام مسلمان جو بھی کرنے لگیں وہ اللہ کو پسند ہے تو آپ یہ نہ فرماتے:

اتبعوا ولا تبتدعوا فقد کفیتم[3]

ترجمہ تم پہلوں کی اتباع کرو نئی باتیں ایجاد نہ کرو پہلی سیدھی راہ کافی ہے[3] ـــــ اور فرمایا:

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: تم میں سے جس نے کسی کی پیروی کرنی ہو تو چاہیئے کہ مرحومین کی کرے کیوں کہ زندہ لوگ فتنے سے محفوظ نہیں محفوظ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ تھے

محدثین اور فقہاء کے نزدیک المسلمون سے یہاں مراد صحابہ کرامؓ ہی ہیں۔ امام ابو عبداللہ الحاکمؒ (۴۰۵ھ) اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے اس کا مصداق صحابہؓ کو ہی قرار دیتے ہیں:

ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وماراہ المسلمون سیئا فھو

---

[1] رواہ الدارمی [2] مجالس الابرار ص۱۲۱ [3] شرح السنۃ جلد ۱ ص۲۱۳ [4] مشکوٰۃ ص۳۲

عند اللہ سیئ وقد رای الصحابة جمیعا ان یستخلفوا ابابکرؓ۔ [1]

ترجمہ جس کو یہ مسلمان اچھا سمجھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جسے برا سمجھیں وہ اللہ کو بھی ناپسند ہے اور بے شک سب صحابہؓ نے اسے بہتر جانا کہ حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنائیں۔

سو یہ خلافت برحق سمجھی جائے گی اور صحابہؓ کی پسند دوسرے سب مسلمانوں کے لیے سند ہوگی۔ اب حنفی فقہ کی مستند کتاب ردالمحتار لابن عابدین شامیؒ میں بھی اس روایت کو دیکھ لیجئے۔

لا شك ان فعل الصحابة حجة وماراه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن۔ [2]

ترجمہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہؓ کا عمل دوسروں کے لیے سند ہے سو جس چیز کو یہ مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہوگی۔

صحابہؓ کے علاوہ کسی پر اگر یہ لفظ تبعاً بھی صادق آسکتا ہے تو بھی اس سے مراد عامۃ الناس نہیں صرف اہل علم ہوں گے۔ جن کے صوابدید دوسروں کے لیے لائق تقلید ہے۔

المراد بالمسلمين زبدتهم وعمدتهم وهم العلماء بالكتاب والسنة الاتقياء عن الحرام [3]

ترجمہ۔ مسلمانوں سے مراد ان کا اعلیٰ طبقہ ہے اور وہ کتاب وسنت کے علماء ہیں جو حرام سے بچنے والے ہوں۔

سوال : اگر عام مسلمانوں کی صوابدید لائق تقلید نہیں۔ صرف صحابہؓ اور علماء مجتہدین ہی لائق تقلید ہیں تو پھر بتائیں کہ بدعت حسنہ کہاں سے نکل آئی اور اس سے کیا مراد ہے ؟

جواب : ہر بدعت بری ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ كل بدعة ضلالة۔ اب اس کے مقابلہ میں کسی بدعت کو حسنہ کہنے کی کس کو جرأت ہو سکتی ہے ——— بدعت کیا اور حسن کیا ——— بدعت بدعت ہے اگرچہ کسی رنگ میں ہو ——— بدعت حسنہ اسے نہیں کہتے جو اچھی چیز ایجاد کی گئی ہو۔ بلکہ اس سے مراد وہ بدعت ہے جو کسی منکر شرعی کے قائم مقام اختیار کی گئی ہو اور یہ اپنی اصل میں منکر نہ ہو۔ اسے محض اس لیے قبول کر لیا جائے کہ یہ فلاں منکر شرعی کے ازالہ کا سبب بنی ہے۔ نئے سرے سے کسی چیز کا اختیار

---

[1] المستدرک للحاکم جلد ۳ صفحہ ۷۸ [2] شامی جلد ۳ صفحہ ۳۷ [3] مرقات جلد ۳ صفحہ ۱۵۲

کرنا اور بات ہے اور کسی قائم شدہ برائی کی جگہ کوئی جائز بات لے آنا یہ بدعت حسنہ ہوگی جو مجبوراً اختیار کی گئی جب حالات میں اطمینان ہو جائے اسے ختم کر دیا جائے۔

مصر میں اذان میں اسماعیلی فرقے کے لوگ اپنے امام پر سلام کہتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے ختم کر کے حضورؐ پر سلام کہنے کا حکم دیا۔ پہلی بدعت سیئہ تھی دوسری بدعت حسنہ۔ بعض اُموی حکمران برسرِ ممبر اولادِ علی کو برا بھلا کہتے۔ یہ بدعت سیئہ تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ختم کر کے ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان پڑھنے کا حکم دیا۔ خطبہ کے الفاظ توقیفی نہیں۔ اس لیے یہ اب تک جاری ہے۔ اذان کے الفاظ توقیفی ہیں۔ اس لیے اذان میں صلوٰۃ وسلام زیادہ دیر جاری نہ رکھا گیا۔ سو بدعت حسنہ سے وقتی مصلحت مراد ہے۔

شرح حدیث لا یجمع اللہ امتی علی ضلالۃ

مسلمان جو عمل بھی کریں وہ جائز ہوتا جائے۔ اس پر بریلوی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گمراہی پر جمع ہونے سے بچانے کی ضمانت دی ہے۔ سو یہ جس چیز کو درست سمجھیں وہ درست ہو جاتی ہے۔

ابو عبداللہ الحاکم حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

لا یجمع اللہ امتی علی ضلالۃ ابدا ید اللہ علی الجماعۃ [1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی کسی گمراہی پر جمع نہ ہونے دیں گے اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

الجماعۃ سے کیا مراد ہے؟

الجماعۃ سے مراد کون لوگ ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے یہی سوال پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا اس سے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ مراد ہیں کہ جس بات پر یہ جمع ہیں وہ گمراہی نہیں ہو سکتی۔ اس میں دوسرے صحابہؓ کے متفق ہونے کی نفی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے عوام نہیں اہل علم مراد ہیں۔ ہر باب میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اہل علم اس باب میں کیا کہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دین لائحہ عمل سب لوگوں کے لیے ہے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسے صحیح طور پر عالموں کے سوا اور کوئی سمجھ نہیں پاتا۔ وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون۔ (پ ۲۰، العنکبوت)

---

[1] مستدرک جلد ۱ ص ۱۱۶ ورواہ الترمذی عن عبداللہ بن عمرؓ۔ ترمذی جلد ۲ ص

ترجمہ۔ اور وہ امثال ہیں جو بیان کرتے ہیں انہیں تمام لوگوں کے لیے اور ان کو نہیں سمجھ پاتے مگر عالم ہی۔

امام بغویؒ (۵۱۶ھ) کی شرح السنہ کے حاشیہ میں ہے۔

وتفسیر الجماعة منه اھل العلم ھم اھل الفقه والعلم۔ شرح السنہ جلد اصـ۲۱۲

ترجمہ۔ یہاں جماعت سے مراد اہل علم کا گروہ ہے عوامی گنتی نہیں اور اہل علم وہی ہیں جو دین کا علم اور سمجھ رکھتے ہیں۔

دسویں صدی کے مجدد محدث شہیر حضرت ملاعلی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں۔

الحدیث یدل علی ان اجماع المسلمین حق والمراد اجماع العلماء ولاعبرة باجماع العوام لانه لا یکون عن علم۔ مرقات جلد ۱ صـ۲۴۹

ترجمہ۔ یہ حدیث بتلاتی ہے کہ مسلمانوں کا اجماع برحق ہے۔ اس سے مراد علماء کا اجماع ہے عوام کا اجماع نہیں۔ کیونکہ کسی مسئلے پر اتفاق علم سے ہی ہو سکتا ہے اسکے بغیر نہیں۔

پہلی دس صدیوں کا حاصل مطالعہ

اسلام کی پہلی دس صدیوں میں کسی بات کے اسلام ہونے یا نہ ہونے کا پیمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا عمل ہی رہا ہے اور پوری امت میں یہی حق کا معیار ہیں نہ کہ ایک ایک امتی لسان شریعت خود فرما گئے ہیں ما انا علیه واصحابی۔ اسی کی وضاحت اس حدیث میں ہے کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں۔ جس طرح ستاروں کی روشنی اپنی نہیں سب فیض آفتاب ہے صحابہ کرامؓ میں بھی آفتاب رسالت کی ہی روشنی اُتری ہے۔ ان کی اپنی خانہ زاد نہیں —— عام افراد امت کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ جس عمل پر کتاب وسنت کی منع وارد نہ ہو اسے شعار اسلام بنا کر حق اور باطل کے فاصلے اس سے طے کریں۔

اسلام کے اس اصول پر اگلی صدیوں کے بزرگ کیسے چلے آئے۔ اس باب میں سب سے پہلے ہمیں گیارہویں صدی کے مجدد جن سے اسلام کا دوسرا ہزار شروع ہوتا ہے۔ یعنی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے موقف پر گہری نظر کرنی چاہیئے ——

اب آیئے گیارھویں صدی میں چلیں اور دیکھیں کہ اس وقت کے بزرگوں نے کیا اس صدی کے نام سے کبھی گیارھویں کی مجلس سجائی تھی۔

اس صدی کے بزرگوں میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سرفہرست ہیں آپ نے بدعت کے خلاف جس شدومد سے کام کیا ہے اس کی بناء پر مولانا احمد رضا خاں ان سے خاصے تنگ ہیں انہیں آپ اپنے بزرگوں میں سے ہی نہیں سمجھتے لیکن ہم انہیں کسی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتے آپ اسلام کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک ہیں۔ آپ نے نورجہاں کے بڑھتے ہوئے اثرات کے پیش نظر شیعیت پر کڑی تنقید کی ہے اور اس پر ایک کتاب بھی لکھی ہے لیکن آپ نے زیادہ توجہ ان بدعات پر کی ہے جو اہل سنت کے حلقوں میں تصوف یا صوفیہ کے نام سے راہ پا رہی تھیں اور اس وقت کے خام صوفی انہیں دین سمجھنے لگ گئے تھے۔ بدعت کے اندھیروں میں نور سنت لانے کے لئے آپ نے جو محنت کی وہ آپ کا ہی حصہ ہے بدعت کی اندھیریوں میں آپ حق کا نشان بن کر اُٹھے آپ دیکھیں کہ گیارہویں صدی میں بدعت کے اندھیرے کہاں تک امڈ چکے تھے آپ لکھتے ہیں:۔

ہندوستان میں بدعت کی اندھیریاں

علمائے وقت را حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ توفیق دہاد کہ بحسن ہیچ بدعت لب نکشائند و باتیان ہیچ بدعت فتویٰ ندہند........ در ازمنہ ماضیہ چوں اسلام قوت داشت ناچار تحمل ظلمات بدع مے نمود وشاید کہ بعضے ازآں ظلمات دوشعشان نور اسلام نورانی متخیل مے شد و باعث حکم بحسن آں مے گشت اگرچہ فی الحقیقت ہیچ حسن و نورانیت نداشت بخلاف ایں وقت کہ وقت ضعف سلام است تحمل ظلمات بدع صورت ندارد دریں جا فتوے متقدمین و متاخرین متمشی نباید ساخت چہ ہر وقت را احکام علیحدہ است دریں وقت عالم بواسطہ کثرت ظہور بدعت در رنگ دریائے ظلمات بنظر مے در آمد و نور سنت باغربت و ندرت دراں دریائے ظلمانی در رنگ کرمکہائے

شب افروز محسوس مے گردد وعمل بدعت از دیاد آں ظلمت مے نماید
........صوفیہ وقت نیز اگر بر سر انصاف بیائند ضعف اسلام وافشائے
کذب را ملاحظہ کنند باید کہ درماورا سنت تقلید پیران خود نکنند وامور مخترعہ
را بہ بہانہ عمل مشائخ در بدن خونگیرند اتباع سنت البتہ منجی است ومثمر
خیرات وبرکات [1]

(ترجمہ) حق سبحانہ وتعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دیں کہ وہ کسی بدعت کو حسنہ نہ کہیں (کسی بدعت کے حق میں زبان نہ کھولیں) اور کسی بدعت کے کر لینے کا فتوے نہ دیں............ پہلے ادوار میں اسلام میں قوت تھی اس لئے چار وناچار بدعت کے اندھیرے برداشت ہو جاتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بدعات کے بعض اندھیرے نور اسلام کی شعاعوں میں نورانی نظر آئیں اور ان کے بدعت حسنہ ہونے کا باعث بنیں اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں کوئی حسن اور نورانیت نہیں لیکن اس وقت جو کہ ضعف اسلام کا وقت ہے اب اسلام میں بدعات کے اندھیروں کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں سو اس جگہ متقدمین اور متاخرین کے فتووں کو (کہ بعض بدعتیں بدعت حسنہ ہی ہوتی ہیں) چلنے نہ دینا چاہیئے کیونکہ فقہ میں ہر دور کے احکام اپنے ہوتے ہیں اور بحر ظلمات کی ندرت میں محض ایک جگنو کی طرح کہیں کہیں چمکتا ہے بدعت کے اعمال ان اندھیروں کو بڑھا رہے ہیں........ اس دور کے صوفی بھی اگر انصاف پر آئیں اور اس وقت کے ضعف اسلام اور جھوٹ پھیلنے کو ملاحظہ کریں تو انہیں چاہیئے کہ سُنت چھوڑ کر اپنے پیروں کے پیچھے نہ چلیں اور اپنی من گھڑت راہوں کو عمل مشائخ کے عنوان سے ہرگز نہ اپنائیں سُنت ہی نجات دینے والی ہے اور اسی میں خیرات وبرکات کے ثمرات ہیں.

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اجتناب از اسم ورسم بدعت، تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ احتراز
نہ نماند بوی ازیں دولت بمشام جان او نرسد وایں معنی امروز متعسر است
کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است وبظلمات بدعت آرام

---

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۲۳

گرفتہ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند و حیائے سنت لب کشائد۔
اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سُنّت
بدعتہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آن
فتوے مے دہند و مردم را بہ بدعت دلالت مے نمائند چہ مے گویند
اگر ضلالت شیوع پیدا کند و باطل متعارف شود تعامل گردد مگر مے دانند
کہ تعامل دلیل استحسان بنسبت تعامل کہ معتبر است ہماں است کہ از
صدر اول آمدہ است یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ [1]

(ترجمہ) بدعت کی راہ اور اس کے نام سے بھی بچو جب تک بدعت حسنہ سے بھی اسی طرح نہ بچے جس طرح بدعت سیئہ سے احتراز کیا جاتا ہے اس روحانی دولت کی خوشبو تک اس دماغ میں نہ پہنچے گی اور آج یہ بات (ہر قسم کی بدعات سے بچنا) بہت مشکل ہے جہاں کا جہاں دریائے بدعت میں ڈوبا ہوا ہے اور بدعت کے اندھیروں میں سو رہا ہے آج کس کی مجال ہے کہ بدعتوں کو ختم کرنے کا دم مارے اور سُنتوں کو زندہ کرنے کے لئے زبان کھولے .... اس وقت کے اکثر علماء بدعات کو رواج دینے والے ہیں اور سُنتوں کو مٹانے کے درپے ہیں پھیلی ہوئی بدعات کو مجبوری کا عمل ٹھہرائے اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتوٰے دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعات کی طرف لے جاتے ہیں ــــــ کیا کہتے ہیں اگر گمراہی پھیل جائے اور باطل پھیل جائے تو کیا اسے مسلمانوں کا تعامل قرار دے دیا جائے؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ تعامل دلیل استحسان نہیں تعامل صرف وہی معتبر ہے جو صدر اول (صحابہ کرامؓ) سے آیا ہو یا تمام لوگوں کے اتفاق سے اجماع کا درجہ پائے۔

آپ کا یہ روئے سخن معتزلہ و مرجئہ یا روافض و خوارج کی طرف نہیں یہاں وہ اہلِ بدعت زیرِ تنقید ہیں جو بدعت فی الاعمال کے مرتکب تھے اور با اہلِ سُنّت کی صفوں میں قبر پرستی لا رہے تھے عورتیں ان اوہام میں کچھی چلی آرہی تھیں اور بدعات کی بادِ صرصر خانقاہوں میں تیزی سے گردش کر رہی تھی آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

---

[1] مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵۴

حیوانات راکہ نذر مشائخ مے کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں
حیوانات را ذبح نمائند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک
ساختہ اند........ وازیں عالم است کہ صیام نساء کہ بہ نسبت پیراں و
بیبیاں نگاہ دارند و اکثر نامہائے ایشاں را از خود تراشیدہ روزہائے
خود را بنام آنہا نیت کنند........ و بتوسل ایں روزہ ازیں ہا حوائج
مے خواہند و روائی حاجت خود را از آنہا مے دانند ایں شرک در عبادت است[1]

(ترجمہ) یہ جو بکروں کو نذر مشائخ کے طور پر لے جاتے ہیں اور ان کی قبروں پر پہنچ کر حیوانات کو ذبح کرتے ہیں فقہ میں اس عمل کو بھی شرک میں داخل بتایا گیا ہے اور اسی طرح وہ روزے ہیں جو عورتیں اپنے پیروں اور بیبیوں کی نسبت سے رکھتی ہیں اور اکثر ان کے نام اپنی طرف سے تجویز کر لیتی ہیں اور پھر اپنے روزے ان ناموں سے رکھتی ہیں............ اور پھر ان روزوں کے وسیلہ سے ان (مزاروں اور بیبیوں) سے اپنی حاجتیں مانگتی ہیں اور مراد مل جائے تو اسے اپنی کی طرف سے سمجھتی ہیں یہ شرک فی العبادت ہے بندے کا یہ تعلق تو صرف خدا سے ہونا چاہیئے اسی کی ہم عبادت کریں اور اسی سے مدد چاہیں۔

بدعت و شرک کا یہ پیرایہ ظاہر ہے کہ شیعوں سے متعلق نہیں یہ وہ بدعات اور وہمات ہیں جو اہل سنت کی صفوں میں آرہے تھے یہ کیا تھا مسلمانوں میں بندداز م کی نشأۃ جدید ہو رہی تھی اہل بدعت حضرت امام ربانی الف ثانیؒ سے سخت کبیدہ خاطر ہیں آپ ان کی بجائے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) سے انتساب چاہتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ حضرت شیخ نے بھی ان جہلاء کو اسی آئینہ میں اتارا ہے آپ ان قبر پرستوں کے بارے میں لکھتے ہیں :

نعم اگر زائراں اعتقاد کنند کہ اہل قبور متصرف و مستبد و قادر اند بے توجہ بحضرت حق والتجا بجانب وے تعالیٰ چنانکہ عوام و جاہلاں و غافلاں اعتقاد دارند و چنانکہ مے کنند آنچہ حرام و منہی عنہ است در دین از تقبیل قبر و سجدہ

---

[1] مکتوبات ۳ ص۴۱ نمبر۴۱

مر آنرا و نماز بسوئے وے وجز آں کہ ازاں نہی و تحذیر واقع شدہ است
ایں اعتقاد و ایں افعال ممنوع و حرام خواہد بود اشعۃ اللمعات ج ص

(ترجمہ) ہاں اگر زائر اعتقاد کریں کہ قبروں والے صاحب اختیار اور صاحب قدرت ہیں اللہ کی طرف توجہ کئے بغیر اور اس سے مانگے بغیر۔ جیسا کہ عوام جہلا اور غافل لوگ ان دنوں اعتقاد کئے بیٹھے ہیں اور وہ اس طرح عمل بھی کرتے ہیں تو یہ اسلام میں بالکل حرام اور منھی عنہ ہے قبروں کو بوسہ دینا اور اسطرف سجدہ کرنا اور اس طرف رُخ کرکے نماز پڑھنا ممنوع ہے اور سوائے اس کے کہ ان کاموں سے لوگوں کو روکا جائے اور ڈرایا جائے یہ اعتقادات اور اعمال سب حرام قرار پائیں گے۔

حضرت شیخ نے اس عبارت میں بتلا دیا ہے کہ ان کے زمانہ میں ایسے بدعتی موجود تھے جو عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ مزارات والے بزرگ خدا سے یہ قدرت پاچکے ہوئے ہیں کہ اب خدا کی طرف مزید توجہ کئے بغیر وہ اس کی عطا کردہ مستقل قوت اور قدرت سے اپنے سائلوں کی حاجت روائی کریں گے انہیں اب ایک ایک فریاد پر خدا سے مانگنے کی ضرورت نہیں رہتی وہ مستقل طور پر یہ قدرت پائے ہوئے ہیں کہ اپنے مانگنے والوں کی جس طرح چاہیں حاجت روائی اور مشکل کشائی کرسکیں۔ قبروں کو چومنا اس پر شریعت میں کوئی منع وارد نہیں مگر حضرت شیخؒ نے اسے ممنوع اور حرام کہا ہے اگر اس وقت کوئی مولانا احمد رضا خاں ہوتے تو کہتے منع تو نہیں کیا تم منع کی دلیل لاؤ اور اس طرح دلیل کا سارا بوجھ اعتراض کرنے والوں پر ڈال دیا جاتا اور حضرت شیخ کو کہا جاتا۔ جب بعطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی الامن والعلاء ص۱۸

یہ گیارہویں صدی کے بزرگ ہیں جنہوں نے جاہل بدعتیوں کے اندر کی بات کھول کر سامنے رکھ دی ہے۔

ہم اہل بدعت کی اس بات سے اتفاق نہیں کرسکتے کہ جو اختلافات آج کل دیوبندیوں اور بریلویوں کے مابین ہیں، یہی اختلافات اس وقت حضرت امام ربانیؒ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مابین تھے۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے نظریات علماء دیوبند کے سے تھے اور اہل بدعت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے معتقد تھے ایسا ہرگز نہیں آپ نے شرک کے باب میں کہیں کسی نرمی کو برداشت نہیں کیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف علماء سوء کی واردات

سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہوتا ہے۔ ان کے خلاف دشمنوں کی ایک جماعت کھڑی کر دی جاتی ہے ان کی مخالفتوں سے حق اور نکھرتا ہے اور انبیاء کا اجر بڑھتا ہے۔

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین۔ (پ۱۹ الفرقان ع ۳ آیت ۳۰)

ترجمہ۔ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے دشمن کھڑے کر دیئے۔

ملی کسی نہ کسی نبی کے زیر قدم ہوتا ہے اور اونچے درجے کے اولیاء کے لیے بھی مجرمین کی صف کھڑی کر دی جاتی ہیں جن کا موضوع زندگی ہی ان اہل حق کی مخالفت ہوتا ہے۔ یہ لوگ ان کے خلاف طرح طرح کی شکایتیں گھڑتے ہیں اور انہیں بدنام کرتے ہیں ـــ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۵ھ) کے خلاف بھی کچھ لوگ کھڑے ہوئے۔ کچھ دوسروں کی باتوں میں آکر بایں طور کہ وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اونچے مقام کو سمجھ نہ پائے تھے اور کچھ بدنیتی سے ـــ یہ وہ لوگ تھے جن کے لیے حضرت امام ربانی کا چشمۂ فیض سوہان روح بنا ہوا تھا اور اس کی برداشت ان لوگوں کے لیے بہت مشکل تھی، یہ اپنے وقت کے بریلوی تھے جو حضرت امام ربانی کو اپنے پیشواؤں میں جگہ دینے کے لیے بالکل آمادہ نہ تھے۔

اہل حق کی مخالفت کے شیطانی حربے

شیطان کی ایک چال لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرنا ہے۔ قرآن کریم نے یوسوس فی صدور الناس سے اس کی نشاندہی کی ہے۔

① یہ شیاطین اہل حق کی طرف کچھ ایسے عقیدے منسوب کرتے ہیں جو ان کے نہیں ہوتے۔

② اپنے الزامات ثابت کرنے کے لیے یہ لوگ ان حضرات کی کچھ عبارتیں پکڑتے ہیں اور ان میں اپنے معنی ڈالتے ہیں۔

③ پھر ان عبارات پر وہ ان علمائے (حرمین) سے فتوے حاصل کرتے ہیں جو ان کی زبان نہ جانتے ہوں اور جس طرح یہ ترجمہ کر کے عبارت ان کے سامنے رکھیں وہ فتوے دے دیں۔

④ ان کا فتوے مسئلے کی تفصیل کے لیے نہیں ہوتا۔ ان اکابر کی تکفیر ان کا مقصد و منتہا ہوتا ہے۔

⑤ قصور قطب البلاد لاہور کا وہ علاقہ ہے جو صدیوں سے بزرگوں کی آماجگاہ چلا رہا ہے۔ وہاں سے یہ لوگ کسی نہ کسی بزرگ کی تائید حاصل کر لیتے ہیں۔

⑥ اپنے مورچہ کی کامیابی کے لیے یہ کسی خان کو اپنا رہنما بناتے ہیں جو اپنی بات پر ایسا اڑنے کہ پھر اس کے پیچھے رہنے کا کوئی احتمال نہ رہے۔

حضرت امام ربانی کے مخالفین نے بھی چھ مورچوں پر اتنی محنت کی کہ کئی لوگ ان کی باتوں میں آگئے۔ پھر جب صورت حال واضح ہوئی تو بہت سے لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت حق کی توفیق دی تھی حق پر آگئے اور ان بریلویوں کا مکر کچھ آگے نہ بڑھ سکا۔ ویمکرون ویمکر الله والله خیر الماکرین۔

پہلا الزام یہ لگا کہ آپ (گیارہویں شریف والے پیر صاحب) حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی کو نہیں مانتے۔ اپنے آپ کو ان سے آگے سمجھتے ہیں۔ حضرت کا مکتوب گرامی جو آپ نے لکھا وہ اس الزام کی صریح تردید ہے:

> نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رسید قدس سرہ و چوں نوبت بایں بزرگوار رشد منصب مذکور باو قدس سرہ مفوض گشت و مابین ائمہ مذکورین و حضرت شیخ ہیچ کس بریں مرکز مشہود نمی گردد[1]
>
> ترجمہ۔ اس مقام کے لیے ائمہ بیت کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی باری آئی جب آپ کی باری آئی تو یہ روحانی منصب آپ کے ہی سپرد ہو گیا —— ائمہ اہل بیت اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی شخص اس مرکز پر دکھائی نہیں دیتا۔
>
> مجدد الف ثانیؒ دریں مقام نائب مناب حضرت شیخ است و بہ نیابت حضرت شیخ ایں معاملہ باو مربوط است چنانکہ گفتہ اند نور القمر مستفاد من نور الشمس[2]
>
> ترجمہ۔ الف ثانی کا مجدد بھی اس مقام پر حضرت شیخ کا ہی نائب مناب ہے اور حضرت شیخ کی نیابت سے ہی اسے یہ مرتبہ حاصل ہے جیسے کہتے ہیں چاند کی روشنی نور آفتاب کا ہی فیض ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) کا وہ خط جو آپ نے خواجہ حسام الدین احمد دہلویؒ کو لکھا وہ بھی اس پر شاہد ہے۔ حضرت شاہ نعیم اللہ شاہ نے بشارات مظہریہ میں اور مولانا سید ابوالحسن ندویؒ نے تاریخ دعوت وعزیمت میں اس کا ذکر کیا ہے۔[3]

---

[1] مکتوب دفتر سوم مکتوب ۱۲۳ [2] ایضاً ص [3] تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۴ ص ۲۲۹

دوسرا الزام

یہ تھا کہ آپ مکہ مکرمہ کی اس خاص عمارت کو (جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنا کردہ ہے) کعبہ نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ کعبہ کی حقیقت کچھ اور ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کے استاذِ حدیث شیخ ابوطاہر کردیؒ کے والد ملا ابراہیم کردی مدنی اور ایک استاد شیخ حسن مکیؒ اس الزام میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ شیخ حسن مکی کے پاس ۱۰۹۲ھ میں ایک سوال آیا جس میں حضرت امام ربانی کی طرف کچھ غیر مناسب باتیں منسوب تھیں۔ شیخ حسن نے اس کے خلاف فتوے دیا اور اس پر ایک مستقل کتاب الصارم الہندی فی جواب سوال عن کلمات السرہندی کے نام سے لکھی

یہ الزام حضرت امام ربانی کی ایک عبارت کی بنا پر تھا۔ حضرت کی مراد ہرگز وہ نہ تھی جو مجیب نے سمجھی۔ شیخ حسن مکی لکھتے ہیں:۔

ومنها انکاره ما تواتر ان الکعبة هی البنیة المعروف وذلك كفره۔

ترجمہ۔ اور ان کفریات میں ایک آپ کا اس کعبہ سے انکار ہے (کہ یہ عمارت کعبہ نہیں)
جس کا کعبہ ہونا اس امت میں تواتر سے چلا رہا ہے اور یہ کفر ہے۔

اب آیئے ذرا اصل بات کو دیکھیں جو حضرت نے کہی تھی۔ حضرت نے جو مکتوب شیخ تاج الدین سنبھلی کو لکھا ہے۔ اس میں ہے:۔

نزد فقیر چنانچہ صورت کعبہ ربانی مسجود الیہا است مر صور خلائق را چہ بشر و چہ ملک حقیقت آں نیز مسجود الیہا است مر خلائق آں صور را لاجرم آں حقیقت فوق جمیع حقائق آمدہ است۔ مکتوب شریف دفتر اول نمبر ۲۶۲ ص

ترجمہ۔ فقیر کے نزدیک جس طرح صورتِ کعبہ ربانی مخلوقات کی صورتوں اور اجسام کے لیے قبلہ ہے۔ اس کی حقیقت (حقیقتِ کعبہ) ان صورتوں اور جسموں کی حقیقت کے لیے مسجود الیہا (قبلہ) ہے۔ یہ حقیقت اس طرح تمام حقائق سے بالا ہے اور اس سے جو کمالات متعلق ہیں اور ان تمام کمالات پر جو دوسرے حقائق سے متعلق ہیں فوقیت رکھتی ہے گویا یہ حقیقت حقائق کونیہ اور حقائق الٰہیہ کے درمیان ایک برزخ ہے۔

بتائیے اس میں کہاں کفر ہے اور کہاں عمارت کعبہ کا انکار ہے کہاں اس کے قبلہ ہونے سے انکار ہے۔ یہ کعبہ کے ظاہر پر ایک اور حقیقت کا اثبات ہے ـــ یہ ایک ترقی ہے یا پیچھے کے ایک درجے سے پیچھے ہٹنا ہے۔ کچھ انصاف کیجئے۔ آپ ایک دوسرے مقام پر حقیقت کعبہ کی تفصیل بیان

حقیقت کعبہ عبارت از ذات بے چون واجب الوجود ست کہ گرد ے از ظہور و
طلب و ے راہ نیافتہ و شان مسجودیت و معبودیت است ایں حقیقت را بلہ
ترجمہ حقیقت کعبہ بے مثال ذات واجب الوجود ہی ہے ظہور و طلب کی گرد
بھی یہاں نہیں پہنچی ـــ سجدہ و عبادت کے شایانِ شان یہی حقیقت ہے۔

حضرت امام ربانی کے دفتر دوم کے مکتوب ۲[1] کو جس پر معترض نے الحاد کی بنا رکھی ہے اگر اس مکتوب کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اس پر کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ البتہ اکابر کی عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے والے علماء سوء کا کوئی علاج نہیں۔ فتنے انہی کی طرف سے اٹھتے ہیں اور انہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

یہ فتوے لگانے والے فارسی نہ جانتے تھے اور اگر کوئی ترجمہ غلط کر کے اپنی غرض کا جواب چاہے تو بیرون ملک سے ایسا فتوے لینا کوئی مشکل کام نہیں۔ ایک اور ترجمہ دیکھئے اور اس وقت کے بریلویوں کی اس تحریف کی داد دیجئے۔

ہم پہلے حضرت امام ربانی کی اصل عبارت مع اردو ترجمہ لکھتے ہیں پھر اس کا وہ محرف عربی ترجمہ پیش کریں گے جو بدنیت مستفتی نے لکھا اور اپنے مطلب کے مطابق علمائے حرمین سے فتوے حاصل کیا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:۔

بعد از ہزار و چند سال از زمان رحلت آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتحیات زمانے می آید کہ حقیقت محمدی از مقام خود عروج فرماید و بمقام حقیقت کعبہ متحد گردد و ایں زماں حقیقت محمدی حقیقت احمدی نام یابد و مظہر ذات احد جل سلطانہ گردد و ہر دو اسم مبارک مسمیٰ متحقق شود و مقام سابق از حقیقت محمدی خالی ماند تا زمانیکہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوات والسلام نزول نماید و عمل بہ شریعت محمدی نماید علیہما الصلوات و

---

[1] مکتوب دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۴ ۱۲

التسلیمات والتحیات و دراں وقت حقیقت عیسوی از مقام خود عروج فرمودہ بمقام حقیقت محمدی کہ خالی ماندہ استقرار کند[1]

ترجمہ: اس سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے ایک ہزار اور چند سال بعد ایسا زمانہ ہے کہ حقیقت محمدی اپنے مقام سے پھر عروج پر آئے گی یہاں اس کا حقیقت کعبہ سے اتحاد ہوگا۔ اب حقیقت محمدی حقیقت احمدی کا نام پالے گی اور اللہ رب العزت کا مظہر ہوگی۔ محمد اور احمد دونوں نام آپ کی ذاتِ گرامی میں حقیقت ہوں گے اور پچھلا مقام آپ سے خالی رہ جائے گا تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں اور آپ شریعت محمدی پر عمل فرمائیں۔ اس وقت حقیقت عیسوی عروج کر کے حقیقت محمدی کے مقام پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج سے خالی ہوا تھا استقرار پائے۔

یہاں بات جسم محمدی کی نہیں حقیقت محمدی کی ہے اور حقیقت محمدی کا ذکر کرنے والے حضرت امام ربانی پہلے شخص نہیں۔ آپ سے پہلے بھی کئی عارفوں نے آپ کے اس مقام کی خبر دی ہے۔ حقیقت کعبہ بھی اس عمارت کعبہ سے ورار ایک درجہ ہے جو ہر وقت کعبہ کی عمارت پر سایہ فگن ہے۔ آنکھوں والے اسی کو قبلہ بنا کر اللہ رب العزت کو سجدہ کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور درجات، علم عالی اور عبادات کسی مقام پر رکے نہیں ان میں ہر لحظہ و لمحہ ارتقاء جاری ہے۔

اب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے ہزار سال بعد حقیقت محمدی یہ عروج پائے کہ حقیقت کعبہ کے ساتھ جامع ہو تو اس میں جسم محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہاں سے زیر بحث آگیا اور کس بات سے اس کا انکار لازم آیا۔ (استغفر اللہ العظیم) اسی طرح حقیقت عیسوی کو اگر عروج ملے اور وہ اور محمدی میں آکر حقیقت محمدی کا کو آپ نے خالی کیا اسے لے لے تو اس میں کس ضروری دین کا انکار ہوا۔ یہ مقامات عارفوں کے مشاہدات ہیں اور ان میں نصوص کتاب و سنت میں سے کسی کا انکار نہیں۔

اب ان الفاظ کو دیکھئے جو اس بات کے ترجمہ میں مستفتی نے عربی میں لکھے ہیں اور بات کیا سے کیا بنالی ہے:-

---

[1] مکتوبات دفتر اول نمبر ۲۰۹ بہ توضیح رسالہ مبدء و معاد ص

احمد اسمه للروح یتعلق به نبوة الملئکة ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم اسم للجسم یتعلق به نبوة الانسان ثم صار ذلك الجسم بعد الف سنة روحا فالمقام المحمدیہ خال الی ان ینزل عیسیٰ علیه السلام ویخرج عن العیسویة ویدخل المحمدیة۔ دیکھئے معارج الولایت ص تالیف عبدی عبداللہ خویشگی قصوری

ترجمہ: حضورؐ کا نام احمد روح کے لیے ہے اس سے فرشتوں کی نبوت وابستہ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جسم کا نام ہے جس سے آپ انسانوں کے لیے نبی ہیں یہ جسم ہزار سال کے بعد روح کے مقام میں آجائے گا اور مقام محمدی (روضہ اطہر جہاں آپ بجسدہ الشریف تشریف فرما ہیں) خالی ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں اور وہ مقام عیسوی سے خروج کر کے مقام محمدی میں داخل ہوں (آپ کے روضہ مبارکہ میں جگہ پالیں)۔

حضرت امام ربانی کے کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روح وبدن کی یہ تقسیم نہ تھی۔ حقیقت محمدی، حقیقت کعبہ اور حقیقت عیسوی کی بابت ہو رہی تھی۔ اب یہ دعوے کہ احمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں۔ یہ صرف آپ کی روح کا نام ہے اور اسم مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف جسم کا نام ہے روح کو شامل نہیں کیا یہ کھلا الحاد نہیں؟ مستفتی کی اس عبارت پر علمائے حرمین سے جواب وہی آنا تھا۔ جو آیا لیکن اس میں حضرت امام ربانی کا کوئی قصور نہیں۔ نہ انہوں نے یہ بات کہی ہے۔ نہ وہ اس فتوے کی زد میں آتے ہیں۔

اس مستفتی نے آپ پر یہ الزام بھی لگایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول نبی نہ رہیں گے۔ نبوت سے دستبردار ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہ بات آپ نے کہیں نہیں کہی۔ اگر آپ بعد نزول شریعت محمدی کے مطابق عمل کریں گے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس دور محمدی میں آپ کی نبوت نافذ نہ ہوگی۔ یہ ہرگز نہیں کہ آپ نبی بھی نہ رہیں گے۔ نبوت وہ مقام عزت ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کو دے کر اس سے واپس نہیں لیتے۔ یہ صرف دنیا کے شیوخ ہیں جو بعض اوقات اپنے خلفاء کو خلافت دے کر پھر ان سے خلافت واپس لے لیتے ہیں۔ اللہ رب العزت کسی کو یہ عزت دیں اور پھر اس سے لے لیں یہ ہرگز نہیں۔ اللہ رب العزت ذات کریم ہے اس سے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا عقائد میں اس کی تصریح موجود ہے۔

عقائد کی مشہور کتاب شرح مواقف میں ہے:

لا یتصور عزله عنه کونه موسوا۔ شرح مواقف ص۲۱۲ مطبوعہ لکھنؤ

ترجمہ۔ حضرت عیسیٰ کے اپنی رسالت سے معزول ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

یہ مستفتی کون تھا؟ یہ اپنے وقت کے مولانا احمد رضا خاں ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے حسام الحرمین میں جس طرح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحذیر الناس کی تین عبارتیں مختلف مقامات سے لے کر ان کی ایک عبارت بنائی اور اسے اپنے ترجمہ کے ساتھ علمائے حرمین کے سامنے پیش کیا، یہ کوئی نئی راہ نہیں جو خانصاحب نے قائم کی، بلکہ یہ ایک مسلسل کارروائی ہے جو علمائے حق کے خلاف ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ یہ اس وقت کی وہ بریلویت ہے جو حضرت امام ربانی کے خلاف بڑی تیزی سے اُٹھی۔ اور پھر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی فاما الزبد فیذھب جفاءً واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کذٰلک یضرب اللہ الامثال۔ (پ ۱۳ الرعد)

ہندوستان میں آئندہ علم و عرفان کے جو چراغ روشن ہوئے وہ محدثین دہلی ہوں یا اکابر دیوبند سب بالواسطہ یا بلا واسطہ حضرت امام ربانی کا فیض پائے ہوئے ہیں اور انہیں (اس وقت کے بریلویوں کو) آج شاید ہی کوئی جانتا ہو جنہوں نے حضرت امام ربانی پر انبیاء و اولیاء کی بے ادبی کے جھوٹے الزامات لگائے اور کہا یہ گستاخِ رسول ہیں اور نبیوں اور ولیوں کو نہیں مانتے۔ (العیاذ باللہ)

یہ مستفتی کون تھا؟ عبدالوہاب مریدشاہ جیلاں۔ یہ اپنے آپ کو قادری اور مرید شاہ جیلاں کہہ کر لوگوں میں اپنی پوزیشن بنانے کے درپے تھا اور نہ چاہتا تھا کہ یہاں نقشبندی نسبت بھی کچھ فروغ پائے۔ بزرگوں کا آپس میں مقابلہ کرنا اہلِ حق کو زیبا نہیں دیتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا پورا خاندان نقشبندی نسبت کا حامل تھا۔ دیوبند میں حضرت شاہ رفیع الدین مفتی عزیز الرحمٰن نقشبندی نسبت کے حامل تھے۔ شرقپور (پنجاب) میں حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ کی مسجد کو لوگ اسی نسبت کی وجہ وہابیوں کی مسجد کہتے تھے۔ عبدالوہاب مرید شاہ جیلاں نقشبندی حضرات کے خلاف سیر و سلوک کے مسافروں کے لیے ایک بڑی آفت تھے۔

ایسے لوگوں کی بزرگوں میں مقابلہ کرانے کی یہ مشق جاری رہی یہاں تک کہ مولانا احمد رضا خاں کا دور آیا۔ آپ بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ پر طنز کرتے ہوئے ایک مقام پر کہتے ہیں:۔

> کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ جانے۔ ہم تو ایسے شیخ کے غلام ہیں جس نے جو بتایا صحو سے بتایا خدا کے فرمانے سے کہا۔ تمام جہان کے شیوخ نے جو زبانی دعوے کئے ظاہر کر دیا کہ ہمارا سکر ہے اور ایسی غلطیاں دور تہور،

سے بھرتی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ [۱]

قارئین کرام دیکھیں یہ شخص کس جرأت اور گستاخی سے تمام جہان کے شیوخ کی غلطیاں نکال رہا ہے کیا تمام جہان کے شیوخ میں حضرت سرکار اجمیر نہیں آئے ۔ حضرت علی ہجویریؒ نہیں آئے ، حضرت صابر کلیریؒ نہیں آئے ۔ کیا اس شخص نے ان سب کی توہین نہیں کی ؟ ان حضرات کی غلطیاں نکالنا مجددیؒ بزرگوں کو اپنے سے اس پیرایہ نفرت میں کاٹنا کسی دیندار شخص کا کام نہیں ـــــ کیا ان مجددیوں کی صف میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ نہیں آتے ۔ پیر جماعت علی شاہ علی پوری نہیں آئے ۔ افسوس اعلیحضرت بن کر اس شخص نے اپنے مقابل کسی کو بھی حضرت نہ رہنے دیا ۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

یہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے خلاف مولوی عبدالوہاب مرید شاہ جیلان کی ہی کارروائی ہے ۔ اس کے پس پشت ایک پٹھان حسن خاں بڑی مستعدی سے کام کر رہا تھا ۔ اس نے اپنے حمایت میں قصور کے ایک عالم عبداللہ خویشگی کا سہارا بھی لیا اور اسے ہمنوا بنا کر حضرت امام ربانیؒ کے خلاف لا کھڑا کیا ۔ مولانا عبداللہ خویشگی قصوری شاہجہانی اور عالمگیری عہد کے ایک عالم اور صوفی تھے [۲] جنہوں نے معارج الولایت میں حضرت امام ربانی کے خلاف بہت زہر اگلا اور مختلف پیرایوں میں آپ کی ذات گرامی کو مجروح کیا ۔

حسن خاں کو جس طرح اس قصوری عالم سے تقویت ملی ، احمد رضا خاں سے غلام دستگیر قصوری سے اپنے مشن کی تائید پائی ۔ دونوں خان اپنے اپنے وقت میں علماء حق کے خلاف تیزی سے کام کرتے رہے اور جب بھی اہل حق کسی تعمیری پلیٹ فارم پہ لوگوں کے سامنے آئے ۔ بریلوی ان کے آگے آ کھڑے ہوئے ۔ تا اس انگریزی دور میں تعمیر ملت کی کوئی مہم یا تحریک کامیاب نہ ہو سکے ۔

---

۱ ملفوظات حصہ سوم ص۴۶

۲ جناب محمد اقبال مجددی نے عبداللہ خویشگی قصوری کے احوال و آثار پہ ایک مفصل کتاب اسی نام سے لکھی ہے جسے دار المؤرخین لاہور نے چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا ہے ۔

پڑھا لکھا طبقہ حضرت مجدد کے ساتھ رہا یا خان صاحب کے ساتھ

سلطان اورنگ زیب عالمگیر ایک بڑی نیک اور علمی شخصیت تھی۔ آپ حضرت امام ربانی کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت تھے۔ اہل بدعت پر اس سے اوس پڑگئی۔ اب ان بدقسمتوں نے اورنگ زیب کی طرف سے حضرت کے بعض مکتوبات کے خلاف ایک وضعی خط بنایا اور اُسے اطراف میں خوب شہرت دی جناب محمد اقبال مجددی نے احوال و آثار عبداللہ خویشگی کے پانچویں باب میں اس جعلی خط کا تفصیلی جائزہ لیا ہے یہ اسی طرح کی ایک کارروائی ہے جو مولانا احمد رضا خاں نے حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلاف کی کہ ان کے نام سے ایک جعلی فتوے تیار کیا کہ معاذ اللہ آپ خدا کے بالفعل جھوٹ بولنے کے قائل تھے اور پھر خود اس فتوے کا خوب رد کیا۔ جب خانصاحب سے پوچھا گیا وہ فتوے کہاں ہے؟ تو کہا اصل ہمارے پاس نہیں صرف اس کا فوٹو دیکھا تھا۔ جب پُوچھا گیا وہ فوٹو کہاں ہے؟ تو بڑے اطمینان سے فرمایا، وہ عرب میں کہیں رہ گیا ہے میں ساتھ نہیں لا سکا۔ یہ کہا اور پھر لمبا ذکار لیا اور خاموش ہو گئے۔

بریلویوں کو جب فتاوے رشیدیہ سے یہ عبارت دکھائی گئی تو وہ بھی مولانا احمد رضا خاں کی اس کارکردگی پر حیران رہ گئے اور خانصاحب نے حسن خاں کی یاد تازہ کر دی جس نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے خلاف انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی توہین کے جھوٹے الزامات لگا دیئے تھے اور اورنگ زیب کے نام سے ایک جعلی خط بنایا تھا۔ فتاوے رشیدیہ کی عبارت یہ ہے۔۔

> ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہٗ کی پاک اور منزہ ہے۔ اس سے کہ متصف بہ کذب کیا جائے۔ معاذ اللہ تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں۔ قال اللہ تعالےٰ و من اصدق من اللہ قیلا (پ ۵) جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے اور مخالف قرآن و حدیث اور اجماع کا۔ وہ ہرگز مومن نہیں[1]

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادگان جب کبھی سرہند سے نکلتے تو علماء سو ان کا تعاقب کرتے بارہا مناظرے تک نوبت آتی۔ فتاوے عالمگیری کے مرتبین میں سے کوئی عالم ان اہل بدعت کے ساتھ نہ تھا۔

[1] فتاوے رشیدیہ صہ ۲۸۹

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جنہوں نے پہلے آپ کے بعض ظاہر الفاظ پر تنقید کی تھی حقیقت حال کھلنے پر انہوں نے بھی معذرت کرلی۔ شیخ فتح محمد چشتی فتحپوری اپنی کتاب مناقب العارفین میں لکھتے ہیں :۔

شیخ عبدالحق کے صاحبزادے مولانا نورالحق سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے آپ کے مکتوبات کے رد میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ جب ان کو حسن خیال کی تحریف کا واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے معذرت کا مکتوب لکھا۔[1]

حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے جملہ اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے اور یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت محدث دہلویؒ نے ان اعتراضات سے رجوع فرمالیا تھا۔ حضرت کا وہ خط خواجہ حسام الدین کے نام ہے جس میں یہ رجوع بایں الفاظ موجود ہے :۔

غبارے کہ فقیر را بخدمت اقدس حضرت شیخ احمد بود رفع شدہ غشاوۂ بشریت نماند۔[2]

ترجمہ۔ وہ غبار جو فقیر کے دل میں حضرت شیخ احمد کے بارے میں دل میں تھا اٹھ گیا ہے اب وہ بشری حجاب نہیں رہا۔

جناب خلیق احمد نظامی استاد شعبہ تاریخ علی گڑھ نے حیات شیخ عبدالحق کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ اس کے ص۱۰۱ سے ص۱۳۳ تک وہ طویل مکتوب جو حضرت شیخ محدث نے حضرت شیخ مجدد کی ان کی بعض آراء سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا تھا۔ نظامی صاحب نے اسے معارج الولایت سے نقل کیا ہے ——
معارج الولایت (۱۰۹۴ھ) کی تالیف ہے۔ نظامی صاحب نے جس قلمی نسخے سے نقل کیا ہے ۱۲۸۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں بھی آپ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سے جس محبت کا اظہار کیا ہے وہ ان الفاظ میں دیکھا جا سکتا ہے :۔

ایں مقدار کہ مرا بشما نسبت محبت و اتحاد است کم کسے را خواہد بود۔[3]

ترجمہ۔ نسبت محبت و اتحاد مجھے جس مقدار میں آپ سے ہے کسی دوسرے کو شاید ہی کبھی حاصل ہوئی ہو۔

معارج الولایت کے مذکورہ بالا نسخے میں بعض ایسی عبارات ہیں جن کے بارے میں دوسرے نسخوں میں کمی بیشی معلوم ہوتی ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عبداللہ خویشگی قصوری المعروف بہ عبدی نے

۱؎ سیرت امام ربانی ص۱۹۹ مطبوعہ امرتسر ۱۹۲۸ء ۲؎ رسائل سبعہ ص۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی ۳؎ معارج الولایۃ ص

حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانیؒ کے بارے میں اخلاصِ نیت سے کام نہیں کیا اور حضرت شیخ محدثؒ نے حضرت شیخ مجددؒ سے جو اختلاف کیا تھا حقیقت کھلنے پر اخلاصِ نیت کا پانی اسے پوری طرح سے بہالے گیا۔ تاہم افسوس کہ عبداللہ خویشگی قصوری اپنی اسی بات پر ڈٹے رہے اور انہوں نے اپنے ہاں حضرت امام ربانی کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا نہ کیا۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح مولانا احمد رضا خاں علماءِ دیوبند کے خلاف ان کی عبارات میں اپنے معنی ڈالنے پر آخر دم تک ڈٹے رہے اور لاکھ وضاحتوں کے باوجود انہوں نے اپنے دل میں ان جہابذہ علم کے بارے میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہ کیا اور المہند میں پوری وضاحت پالینے کے باوجود حسام الحرمین سے رجوع نہ کیا۔

اس اختلاف کی وجہ کوئی علمی یا فقہی اختلافِ رائے نہ تھا۔ ضد اور الزام کے سوا ہمیں اس میں کچھ نہیں ملتا۔ صرف یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان دونوں اپنے اپنے سلاسل مشائخ میں بہت غلو کار فرما تھا۔ عبداللہ خویشگی کے اسلاف حضرت شیخ محمود چشتی کے مرید تھے اور انہیں ہندوستان میں نقشبندی سلسلے کا یہ فروغ جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ذریعہ ہو رہا تھا لائقِ برداشت نہ تھا۔ مولانا احمد رضا خاں بھی جن الفاظ سے حضرت کا ذکر کرتے ہیں ان میں قادری اور نقشبندی سلسلے کا یہی بوجھ دکھائی دیتا ہے۔

ہم گیارہویں صدی میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ذکر سے گزر رہے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ مصلحین قوم کو ہمیشہ ایسے حالات سے گزرنا پڑتا ہے جن سے علماء دیوبند گزرے ہیں۔ ان سے پہلے محدثین دہلی کو اور ان سے پہلے حضرات مشائخ سرہند کو واقعی ایسے حالات پیش آئے۔ انہیں انتہائی کٹھن مرحلوں اور وحشی الزامات سے گزرنا پڑا ــــ مگر تاریخ شہادت دیتی ہے کہ ایسے معارک میں فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے اور کلڑی کی ہنڈیا ایک ہی دفعہ چولہے پر چڑھتی ہے ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد　　　اگر کس تف زند ریشش بسوزد

مبارک ہیں وہ جوان جو اہلِ حق کے دفاع میں اٹھتے ہیں اور سعادت ان جن کی مساعی سے اہلِ بدعت کے سیاہ بادل چھٹتے ہیں۔

فضلِ خداوندی بر شیخ سرہندیؒ

حضرت امام ربانی کے سلسلہ کے ایک عالم دین محمد بیگ ازبکی جو فارسی زبان جانتے تھے اور حضرت

مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریفہ سے واقف تھے۔ حجاز آئے۔ انہوں نے علماء حجاز کو حضرت امام ربانی رح کی اصل عبارات دکھائیں اور بتایا کہ حضرت کے خلاف علمائے حرمین کا فتوے ان عبارات کے غلط ترجموں اور بعض عبارات کے حک و اضافہ پر مبنی ہے تو علمائے حرمین کو ان پہ پورا اطمینان ہوا۔ حضرت البرزنجی رح نے پھر اس پہ ایک مستقل کتاب عطیۃ الوہاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب لکھی علمی حلقوں میں اس کتاب کا بڑا اثر ہوا۔ پھر دیگر اہل علم بھی اس میدان میں آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ اہل حق کا ایک بہت بڑا حلقہ قائم ہو گیا۔

ٹیونس کے علامہ حسن بن محمد نے السحرف الندی فی نصرۃ الشیخ احمد السرہندی لکھی۔ پھر مصر کے شافعی المذہب عالم شیخ احمد الشیشی نے صاف کہا کہ حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف فتنے ان کی اصطلاحات اور نظریات کو نہ سمجھنے کے باعث عمل میں آتے ہیں — ہمیں یہ شکوہ نہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ ہمیں افسوس اس بات کا ہے کہ حق کا چہرہ کھلنے پر معاندین نے پھر بھی اپنی ضد نہ چھوڑی۔

وقت گزر گیا اور معاندین حضرت امام ربانی کے خلاف قوم کو کوئی روشنی نہیں دے سکے تاہم انہوں نے الحاد الزام تراشی اور حمایت تلاشی کی وہ راہیں ضرور بنالیں جن پہ بعد میں مولانا احمد رضا خاں چلے اور ان کے ذریعہ برصغیر پاک و ہند میں اہل السنۃ والجماعت کے دو ایسے ٹکڑے ہوئے کہ اب ان کا ایک ہونا تا قیامت سمجھ میں نہیں آرہا— الحاد کی یہ وہ تاریک راہ کیا ہے جس میں خانصاحب داخل ہوئے اور پھر نہ نکلے — اس کے مختلف زینے یہ ہیں جو خانصاحب نے بڑی پامردی سے عبور کئے۔

1. دوسروں کی عبارات کو اپنی ترتیب سے جوڑنا۔
2. ان عبارات میں اپنے مطالب ڈالنا اور انہیں اصحاب عبارات کی طرف منسوب کرنا۔
3. ان کا ترجمہ اپنی مصلحت کے مطابق کرنا۔
4. ان پہ فتوے ان علماء سے لینا جو ان عبارات کو ان کی اصل زبان سے نہ سمجھ سکیں۔
5. حرمین کے تقدس سے ان فتووں میں وزن پیدا کرنا۔
6. کفر کے الزامات سے دوسروں کو ملت سے باہر کرنا۔

مولانا احمد رضا خاں کی حسام الحرمین گواہ ہے کہ وہ کس طرح ان چھ زینوں سے گزرے ہیں اور اس کے جواب میں حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رح کی المہند علی المفند گواہ ہے کہ اس نے کس طرح دیکھتے دیکھتے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا — اور یہ کہ اب تک بریلوی علمی دنیا میں علماء دیوبند کے پاسنگ نہیں

بیٹھ سکے۔ حسن خاں کو مولانا عبداللہ خویشگی قصوری کی حمایت اور مولانا احمد رضا خاں کو مولانا غلام دستگیر قصوری کی حمایت بھی کچھ فائدہ نہ دے سکی۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی نماز جنازہ پر سنت نبویؐ کا اثر

حضرت قیوم اوّل مجدد الف ثانیؒ کی نماز جنازہ، حضرت مولانا خازن الرحمۃ نے پڑھائی، آپ اپنی زندگی میں بھی زیادہ تر انہی کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

دیکھیے کہ حضرت امام ربانی کے جنازہ پر سنتِ نبویؐ کا نور کس تیزی سے چمکا کہ نماز ہوتے ہی جنازہ کو اٹھا لیا گیا اور دعا بعد جنازہ کی بدعت قریب نہ بھٹک سکی۔

خانوادۂ مجددیہ کی ایک تاریخی دستاویز روضۃ القیومیہ کے نام سے ابھی چھپی ہے۔ اس میں حضرت امام ربانی کے احوال و مقامات کا تذکرہ ہے۔ یہ خواجہ محمد احسان سرہندی مجددی کی تالیف ہے اور پیرزادہ اقبال احمد فاروقی کی ترتیب ہے۔ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور نے اسے چار حصوں میں شائع کیا ہے۔ اس میں حضرت امام ربانیؒ کی نماز جنازہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> حضرت خازن الرحمۃ نے نماز جنازہ کی امامت کی۔ کیونکہ یہی آنجناب کے منتخب کردہ امام تھے۔ نماز کے بعد دعا کے لیے توقف نہ کیا کہ سنت نبویؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقتضا نہیں کرتی۔ علاوہ ازیں معتبر کتابوں میں دیکھا ہے کہ جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرنا مکروہ ہے۔[1]

معتبر کتابوں سے فقہ حنفی کی کتابیں ہیں اور شروحِ حدیث میں سے امام ملا علی قاریؒ کی مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ص پر دعا بعد جنازہ نہ کرنے کا حکم صاف لفظوں میں لکھا گیا ہے۔

یہ گیارہویں صدی کے اہل حق کی سنت سے محبت اور بدعت سے نفرت کا ایک تاریخی نقشہ ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ کے بعد سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کا دور آتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی اسی اصول کی صدائے بازگشت ہے کہ مسائل کا ثبوت نقل و روایت سے ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اس سے منع تو نہیں کیا گیا۔

---

[1] روضۃ القیومیہ جلد اص ۲۴۹

سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کی آواز

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے بعد سلطان عالمگیر کا دور آتا ہے فتاوے عالمگیری اس وقت کا حنفی لاء ہے آپ دیکھیں کیا اس وقت کسی عمل پر منع کا وارد نہ ہونا اس کی دلیل جواز تھا یا عبارات میں اصل نقل ہے نہ یہ کہ اس پر منع وارد نہ ہو۔

فرض نمازوں کے بعد چاروں قُل پڑھنا اور پھر دُعا مانگنا کئی جگہ رائج ہے اس کے منع ہونے پر کوئی دلیل وارد نہیں مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب پر یہ جائز ہوگا۔ احناف کے ہاں التزام سے اس طرح پڑھنا یا قُل ایہا الکافرون سے اکٹھے پڑھنا صرف بایں وجہ مکروہ ہے کہ قرون اولیٰ سے ثابت نہیں فتاوے عالمگیری میں محیط سے منقول ہے:۔

قرأة الكافرون الى الآخر مع الجمع مكروهة لانها بدعة لم تنقل عن الصحابة ولا من التابعين رضى الله عنهم[1]

(ترجمہ) سورہ الکافرون سے آخر قرآن تک جماعت کے ساتھ پڑھنا حرام کے قریب ہے صحابہ اور تابعین حضرات سے یہ کہیں ثابت نہیں۔ اللہ تعالٰے ان سے راضی ہو چکے ہیں۔

قرآن مجید کے ختم کے وقت لوگوں کا مل کر دعا کرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے حالانکہ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اس پر کہیں منع منقول نہیں یہ صرف اس لئے کہ ایسا کرنا آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کہیں منقول نہیں کہاں ہیں وہ جو کہتے ہیں کہیں منع تو نہیں کیا تم منع کی دلیل لاؤ۔

يكره الدعا عند ختم القرآن بجماعة لان هذا لم يُنقَل عن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم[2]

(ترجمہ) ختم قرآن کے وقت مل کر دُعا کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے منقول نہیں۔

ماثورہ دُعائیں اس نیت سے جہراً پڑھنا کہ لوگ انہیں سیکھ لیں یہ تو جائز ہے لیکن تعلیم کی نیت کے بغیر انہیں جہراً پڑھنا فقہاء نے اس سے بھی منع کیا ہے۔ وجیز کردری میں ہے:۔

---

[1] فتاوے عالمگیری ج ۵ ص ۳۱۷ [2] ایضاً

اذا دعا بالدعاء الماثور جهراً ومعه القوم ایضاً لیتعلموا
الدعاء لا بأس به واذا تعلموا حینئذٍ یکون جهر القوم بدعۃ[1]

(ترجمہ) جب کسی نے بلند آواز سے دعائے ماثور پڑھی اور اس کے ساتھ کچھ لوگ ہیں جو اسے سیکھیں تو اس میں حرج نہیں اور جب انہوں نے یاد کر لی تو اب یہ جہر بدعت ہو جائے گا۔

اب بارھویں صدی میں آگے چلئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) بارھویں صدی کے مجدد ہیں آپ کے زمانے میں اہل بدعت بدعت فی الاعمال سے آگے بڑھ کر بدعت فی العقائد میں داخل ہو چکے تھے اور عرب کے مشرکین کے ساتھ ایک صف میں آگئے تھے گو انہوں نے اپنے لئے ابھی کوئی علیحدہ نام اختیار نہ کیا تھا اپنے آپ کو اہل سنت ہی کہتے تھے لیکن قبروں اور آستانوں پر ڈیرے لگائے وہی تصورات قائم کئے بیٹھے تھے جو مشرکین عرب اپنے بتوں کو واسطہ عون الٰہی سمجھ کر قائم کرتے تھے حضرت شاہ ولی اللہ نے ان پہلوں کو مشرکین اور دعوے اسلام کے ساتھ ان راہوں پہ چلنے والوں کو محترفین کا نام دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"اگر در تصویر حال مشرکین و اعمال ایشاں توقف داری احوال محترفان اہل زمانہ خصوصاً آنانکہ باطراف دارالاسلام سکونت دارند ملاحظہ کن کہ .... برقبور و آستانہا مے روند و انواع شرک بعمل آرند"[2]

(ترجمہ) اگر تو مشرکین اور ان کے اعمال کے بارے میں کچھ رکے تو اس زمانے کے جاہل عوام کو دیکھ لو خصوصاً ان کو جو اطراف دارالاسلام میں مقیم ہیں ان کا اولیاء کے بارے میں کیا گمان ہے اور ان کے وہمات انہیں کہاں لے جاتے ہیں حالانکہ وہ پہلے اولیاء کرام کو مانتے تھیں لیکن اس زمانے میں ولیوں کا وجود ناپید سمجھتے ہیں قبروں اور آستانوں پر جاتے ہیں اور طرح طرح کے اعمال شرک عمل میں لاتے ہیں۔

محترف بہروپئے کو کہتے ہیں دوسرے روپ میں آنے کو جنس بدلنے سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے مسلمان ہو کر اور پھر سنی مسلمان کہلا کر مشرکین کی اداؤں میں آجانا جنس بدلنا نہیں تو اور کیا ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے ان محترفین کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ

---

[1] فتاوٰی عالمگیری ج ۵ ص ۳۱۸۔ [2] الفوز الکبیر ص ۱۱ عربی ص ۲۰۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے وقت میں بریلویت (وسیع مفہوم میں) اپنے پورے پھیلاؤ سے موجود تھی فرق صرف یہ ہے کہ اس وقت ان جہلاء و مشرکین کو علماء کے کسی گروہ کی سرپرستی حاصل نہ تھی ابوالفضل اور فیضی نے اپنے کوئی جانشین نہ چھوڑے تھے جو ان کے نظام کو آگے چلاتے اور ان جاہلوں کو کچھ علمی راہیں بتاتے اور کہتے کہ ہم یہ سارا کاروبار عطائے الٰہی کی اوٹ میں کر رہے ہیں اس قسم کی باتیں بتلانے والا کوئی اعلیٰحضرت اس وقت نہ تھا یہ محنت انگریزی حکومت کے کھاتے میں جاتی ہے کہ ان کے عہد میں مولانا احمد رضا خاں نے اعلان کیا ــــــ

جب بعطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی (الامن والعلی ص۱۸)

محترفین کے وظیفے کیا تھے بزرگوں کو پکار کر شیئاً للہ کی صدائیں دینا ــــ مانگنا انہی سے اور اللہ کو وسیلہ بنانا ــــ اور لوگوں کو بتانا کہ ہم بزرگوں کو وسیلہ مانتے ہیں اور عقیدہ یہ رکھنا یہ بزرگ وسیلہ نہیں یہ تو دینے والے ہیں وسیلہ تو خدا ہے جس کے نام پر یہ دیتے ہیں سو حقیقی حاجت روا تو یہی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک شریعت کا ثبوت صرف نقل و استنباط سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے وہمیات اور جاہلی احساسات سے نہیں۔ فتوے دینا حدیث اور فقہ کے ماہرین کا کام ہے یہ مزاروں کے ملنگوں اور جاہل صوفیوں کا کام نہیں۔ شریعت اس راہ سے قائم کرنا کہ اس پر کہیں منع وارد نہ ہوئی ہو محض جہالت ہے۔ شریعت صرف نقل (روایت) اور استنباط (فقہ) سے پہچانی جاتی ہے اور اس میں اسلاف کی راہ دیکھنے سے چارہ نہیں اور یہی صراط مستقیم ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم

ترجمہ۔ اے اللہ! ہمیں صراط مستقیم پر چلا یہ راہ ہے ان لوگوں کی جن پہ تیرا انعام ہوا۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

ان الامۃ اجمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفۃ الشریعۃ فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابۃ وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین و ھکذا فی کل طبقۃ اعتمد العلماء علی من قبلھم والعقل یدل علی حسن ذلک لان الشریعۃ لا تعرف الا بالنقل والاستنباط و النقل لا

يستقيم الا بان ياخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال ولا بد في
الاستنباط ان يعرف مذاهب المتقدمين لئلا يخرج من اقوالهم
فيعرق الاجماع ويبنى عليها وليستعين في ذلك بمن سبقه. عقد الجيد ص۴۵

ترجمہ. امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کریں
تابعین نے صحابہؓ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا ہے اور اس طرح ہر
طبقہ کے علماء اپنے سے پہلوں پر اعتماد کرتے چلے آئے ہیں اور عقل بھی اس کی تحسین
کرتی ہے کیونکہ شریعت نقل اور استنباط سے ہی تو پہچانی جاتی ہے اور نقل بغیر
اس کے قائم نہیں ہوتی کہ ہر طبقہ اسے اپنے سے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا ہے
(اسناد میں کہیں انقطاع نہ ہو) اور استنباط میں بھی اپنے سے پہلوں کا علم ضروری
ہے تاکہ انسان کہیں ان کے اقوال سے باہر نہ جا نکلے اور اجماع کو نہ توڑ دے ——
اور اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے سے پہلوں پر اپنی بات مبنی کرے اور
استنباط میں ان لوگوں سے مدد لے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔

علمائے حق میں آپ کو ہر جگہ یہی آواز سنائی دے گی کہ مسائل پہلوں سے لیے جاتے ہیں
اور ان کی پیروی کی جاتی ہے اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کی راہ ہے اور اگر کوئی مسئلہ منصوص نہ
ملے تو اسے مجتہد کسی منصوص پر قیاس کرے گا اپنی طرف سے کوئی راہ تجویز نہ کرے گا —— یہ اصول
مولانا احمد رضا خاں کا ہو سکتا ہے کہ مسائل میں صرف دیکھو کہ کہیں اس پر منع تو وارد نہیں ہوئی اگر نہ ملے تو
اب جس چیز کو چاہو دین بناؤ اور مسائل جو چاہو وضع کر لو کوئی پوچھے کہ عہد صحابہؓ میں یہ بات کب تھی
تو کہہ دو کہ اس سے منع تو نہیں کیا۔ تم کون ہو منع کرنے والے؟

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے وصیت نامے کے آخر میں لکھتے ہیں۔

سوم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالینہ این ہمہ را در عرب اول وجود نبود مصلحت آنست کہ
غیر تعزیہ وارثان میت تا سہ روز و اطعام ایشان یک شبانہ روز رسمے نباشد[1]

---

[1] مجموعہ وصایا اربعہ ص۲۳

ترجمہ تیجہ چالیسواں چھ ماہی فاتحہ اور برسی یہ سب باتیں عرب میں پہلے دور میں نہ تھیں سوہیت کے وارثوں کی تین دن تعزیت کرنے اور انہیں ایک دن رات کھانا پہچانے کے سوا کوئی اور رسم نہ ہونی چاہیئے۔

تیرہویں صدی کے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) نے بھی یہی بات کہی ہے،

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وچہلم وششماہی و برسینی نہ کنند۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں:۔

انسان کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب بزرگوں کو پہنچائے لیکن اس کام کے لیے کوئی وقت دن اور مہینہ مقرر کرنا بدعت ہے . . . جس چیز کے بارے میں صاحب شریع کی جانب سے ترغیب اور تعیین وقت کی ثابت نہیں وہ عبث ہے اور خلاف سنت ہے [۱]

تیرہویں صدی تک شریعت کی اصل یہی سمجھی جاتی تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو۔ یہ نہیں کہ اس پر منع وارد نہ ہو۔ اعمال طاعت میں یہ بات آپ کو اسلام کی تیرہ صدیوں میں کہیں نہ ملے گی۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہ اصول صرف شرک و بدعت کو فروغ دینے کے لیے گھڑا ہے۔ اور یہ چودھویں صدی کا تحفہ ہے۔

اب آئیے پھر آپ کو تیرھویں صدی میں لے چلیں نقشبندی سلسلہ کے مشہور بزرگ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ سے ان کے وقت کے محترفین کا حال سن لیں آپ لکھتے ہیں:۔

آنچہ جہال مے گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ و یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للہ جائز نیست شرک وکفر است [۲]

(ترجمہ) یہ جو جاہل کہتے ہیں اے شیخ عبدالقادر مجھے کچھ خدا کے لئے دے اور اے خواجہ شمس الدین پانی پتی مجھے کچھ خدا کے لئے دے اس طرح ان سے مانگنا جائز نہیں شرک اور کفر ہے۔

ان محترفین کا یہ شرک بتوں کے گرد نہیں قبور و مزارات کے گرد گھومتا تھا کبھی یہ بہروپئے قبروں کا طواف کرنے لگتے کہیں وہاں سجدے کرتے ان پر چراغ جلاتے اور عیدوں کی طرح وہاں سالانہ اجتماع کرتے اور کہتے یہ عرس کے دن ہیں حضرت قاضیؒ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

---

[۱] فتاوے عزیزی صفحہ ۱۲۶ [۲] ارشاد الطالبین صفحہ ۲۰

لایجوز ما یفعلہ الجہال بقبور الاولیاء والشہداء من السجود والطواف حولہا واتخاذ السرج والمساجد الیہا ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونہ عرساً [۱]

(ترجمہ) یہ جو جاہل لوگ ولیوں اور شہیدوں کی قبروں پر سجدے اور طواف کرتے ہیں یہ جائز نہیں وہاں مسجدیں بنانا اور ان پر چراغ جلانا اور عیدوں کی طرح وہاں سالانہ اجتماع کرنا جس کا یہ لوگ عرس نام رکھتے ہیں جائز نہیں ہے۔

شیعہ تو تعزیئے بناتے ہی تھے اب ان نام نہاد سنیوں نے بھی تعزیئے بنانے شروع کردیئے ملتان اور میں ابھی تک بعض سنی کہلانے والے تعزیئے نکالتے ہیں اور ملنگ بنتے ہیں پھر ان ملنگوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں سبھی شیعہ نہیں ہوتے تیرھویں صدی میں جلالی اور مداری ملنگ حضرت جلال الدین اور حضرت شاہ مدار کے نام سے اپنی اپنی گروہ بندی کئے ہوئے تھے لیکن ابھی یہ امت بریلوی ٹائیٹل کے نیچے جمع نہ ہوئی تھی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جنہوں نے اپنے وقت میں اثنا عشری شیعوں کا بہت علمی اور تحقیقی نوٹس لیا ہے وہ ان مخترعین (سنی بہروپیوں) سے بے خبر نہ تھے آپ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ہمیں است حال فرقہ ہائے بسیار از مسلمین مثل تعزیہ سازاں ومجاوران قبور وجلالیاں و مداریاں [۲]

ترجمہ۔ اور مسلمانوں کے بہت سے فرقوں کا یہی حال ہے جیسے (سنی) تعزیہ ساز اور قبروں کے مجاور اور جلالی اور مداری سلسلوں کے ملنگ اور فقیر۔

تفسیر عزیزی میں بھی لکھتے ہیں:۔

بعضے پیر پرستان از زمرہ مسلمین در حق پیران خود امر اول را ثابت کنند و در وقت احتیاج بہمیں اعتقاد باآنہا استعانت مے نمائند

---

[۱] تفسیر مظہری ج ۲ ص ۶۵ [۲] فتاوے عزیزی ج ۱ ص ۱۳۴

مسلمانوں میں بعض پیر پرست اپنے پیروں کے حق میں یہ پہلی بات ثابت کرتے ہیں
اور ضرورت کے وقت اسی اعتقاد سے ان سے مدد مانگتے ہیں۔

تیرہویں صدی کے سب سے زیادہ فقہی سرمائے حضرت علامہ طحطاوی اور علامہ ابن عابدین شامی ہیں۔ دونوں حضرات نے درمختار کی جلیل القدر شرحیں لکھی ہیں۔ علامہ شامی نے کہیں کہیں طحطاوی کا ذکر بھی کیا ہے۔ درمختار میں ہے :-

ان الصحیح من مذھب اھل السنة ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحة رای المعتزلة لان العصمة من جملة الاحکام المشروعة[1]

ترجمہ۔ صحیح مذہب اہل سنت یہ ہے کہ اشیاء میں اصل توقف کرنا ہے (جب تک کہ شریعت اس کی اجازت نہ دے) اور مباح ہونے کو اصل ٹھہرانا یہ معتزلہ کی رائے ہے کیونکہ (دین کا) معصوم ہونا (کہ اس میں غلطی راہ نہ پا سکے) ان احکام کی شان ہے جنہیں شریعت نے جائز کیا ہو۔

نماز استسقاء میں خطبہ نہیں۔ درمختار کے اس قول پر ولا خطبہ علامہ طحطاوی لکھتے ہیں :-

اجماعا من اصحابنا لانه لم ینقل فیھا اثر[2]

ترجمہ۔ ہم حنفیہ کے ہاں اجماعاً اس میں خطبہ نہیں کیونکہ اس کا ثبوت صحابہ سے کہیں نہیں ملتا۔

شریعت نے خطبہ سے کہیں منع تو نہیں کیا قرآن و سنت میں اس پر کہیں منع وارد نہیں لیکن علامہ طحطاوی اسے جائز نہیں کر رہے۔ جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں کی رائے ہے۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ شریعت کا اثبات روایت سے ہوتا ہے۔ اس سے نہیں کہ اس سے روکا نہ گیا ہو۔ مباح شرعی وہ ہے جس کی اصل شریعت میں موجود ہو۔

فلا یعرف اباحة المباح الا بقوله او فعله صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

ترجمہ۔ مباح شرعی کا پتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور فعل کے بغیر کہیں سے نہیں ہو سکتا۔

---

[1] درمختار جلد ۱ صفحہ ۵۵ مع الطحطاوی [2] طحطاوی شرح درمختار جلد ۱ صفحہ ۳۵۸ [3] طحطاوی جلد ۱ صفحہ ۶۶

یہ مباح شرعی کا درجہ ہے اس پر عمل تبھی ہے کہ اسے بجا لانے والا اسے کارِ ثواب نہ سمجھے نہ اسے گناہ جانے ـــــ اب آپ دیکھیں گیارہویں دینے والے یا اذان میں صلوٰۃ وسلام کا اضافہ کرنے والے اسے کارِ ثواب سمجھتے ہیں یا نہ؟ اگر وہ اسے کارِ ثواب اور نیکی سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں، تو یہ اُن کی نیت کی رو سے ہرگز امرِ مباح نہ رہا۔ وہ اسے مستحب سمجھ کر عمل میں لا رہے ہیں اور اس کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ درمختار میں ہے :-

والمباح ما اجیز للمکلفین فعله وترکه بلا استحقاق ثواب وعقاب نعم یحاسب علیه حسابا یسیرا۔

ترجمہ۔ اور مباح وہ ہے جس کا کرنا بغیر کسی امیدِ ثواب کے اور نہ کرنا بلا کسی اندیشہ پکڑ کے مکلفین کے لیے جائز رکھا گیا ہو۔ ہاں یہ ہے کہ اس کا بھی کچھ حساب دینا پڑے گا۔

اس پر علامہ طحطاوی لکھتے ہیں :-

ھٰذا اذا لم تصرفه النیة الی العبادة او المعصیة۔[1]

ترجمہ۔ یہ مباح تب ہے کہ نیت اس کے عبادت ہونے یا گناہ ہونے کی طرف اسے نہ لے جائے۔

علامہ ابن عابدین الشامی (۱۲۵۲ھ) نے بھی کئی ان اُمور کو جن پر شریعت میں منع وارد نہیں بدعت اور ناجائز کہا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تیرہویں صدی تک علماء حق کی یہی آواز تھی کہ شریعت وہی ہے جو اثر و نقل سے ہم تک پہنچے، یہ نہیں کہ اس پر قرآن و سنت میں کہیں منع وارد نہ ہو۔ کسی امر کا منع نہ ہونا ہرگز ہرگز اس کی دلیلِ جواز نہیں ہے۔ شامی سے سات آٹھ مثالیں ملاحظہ کیجئے :-

(۱) ـــــ بعض خطیب جمعہ اور عیدین کے دوسرے خطبہ میں درود شریف پڑھتے وقت دائیں بائیں منہ پھیرتے تھے۔ قرآن و سنت میں اس پر کہیں دلیل منع وارد نہیں نہ کسی جگہ اس عمل کا ذکر ہے اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں :

ما یفعله بعض الخطباء من تحویل الوجه جهة الیمین وجهة الیسار

---

[1] طحطاوی جلد ۴ صفحہ ۱۲۹

عند الصلوٰة على النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الخطبۃ الثانیۃ لم ارمن
ذکرہ والظاھر انہ بدعۃ ینبغی ترکہ لئلا یتوھم انہ سنۃ[1]

ترجمہ بعض خطیب جو دوسرے خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خطبہ پڑھتے وقت دائیں
اور بائیں منہ پھیرتے ہیں اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا اور ظاہر ہے کہ یہ بدعت ہے
اسے چھوڑ دینا چاہیئے تاکہ کہیں اس کے سنت ہونے کا گمان نہ ہو

(۲) ــــــ بعض خطیب دوسرے خطبہ میں منبر کے نچلے درجہ پر آجاتے تھے اس پر شریعت میں
کہیں دلیل منع وارد نہیں۔ نہ حدیث میں کہیں اس عمل کا ذکر ملتا ہے اس پر بھی علامہ شامی لکھتے ہیں۔

ان ما اعتید الاٰن من النزول فی الخطبۃ الثانیۃ الی درجۃ سفلی ثم
العود بدعۃ قبیحۃ شنیعۃ۔[2]

ترجمہ۔ یہ جو عادت پڑ گئی ہے کہ خطیب دوسرے خطبہ میں نچلی سیڑھی پر آجائے۔
اور پھر اوپر جائے یہ بڑی بُری بدعت ہے۔

(۳) ــــــ اسلام میں مصافحہ کرنا سنت ہے۔ اب مصافحے کو باجماعت نمازوں سے
جوڑنا اور نمازوں کے بعد اسے باقاعدہ عمل میں لانا شریعت میں کہیں اس پر منع اور نکیر موجود نہیں
اب اگر کچھ لوگ اسے نیکی سمجھتے ہوئے اسی وقتِ خاص میں باقاعدہ بجالائیں تو یہ صحابہؓ سے منقول
نہ ہونے کے باعث مکروہ کہلائے گا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ چونکہ اسے کہیں منع نہیں کیا گیا اس لیے
ضرور جائز ہونا چاہیئے۔

(۴) ــــــ رمضان کے علاوہ وتروں کی جماعت کہیں ثابت نہیں نہ اس پر کہیں منع وارد
ہے اب کیا اسے اس لیے جائز کہا جا سکتا ہے کہ اس سے کہیں روکا تو نہیں گیا علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

ان کان علیٰ سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ لانہ خلاف المتوارث۔[3]

وتر کی جماعت اگر ہمیشہ کی جائے تو بدعت مکروہہ ہوگی کیونکہ سلف سے اس کا
کوئی ثبوت نہیں۔

(۵) ــــــ رجب کے پہلے جمعہ پر لوگ صلوٰۃ رغائب پڑھنے لگے۔ فقہاء نے اسے مکروہ

---

[1] ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ [3] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۴۸

قرار دیا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

انما بدعة وما یحتاله اهل الروم من نذرها لتخرج عن النفل و الکراهة فباطل[1]

ترجمہ۔ یہ بے شک بدعت ہے اور اہلِ روم جو یہ حیلہ کرتے ہیں کہ اس کی نذر مان لو تاکہ یہ نفل نہ رہے اور مکروہ نہ ٹھہرے تو یہ بھی غلط ہے۔

(۹) —— قرآن کریم میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم وارد ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس عمل مستحب کو اگر کسی خاص وقت اور ہیئت سے خاص کر لے جس پر شریعت میں کوئی دلیل موجود نہیں تو یہ عمل اس وقتِ خاص سے مخصوص کئے جانے کے سبب ناجائز اور مکروہ ہو جائے گا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

کسی ذکر کو کسی وقت کے ساتھ مخصوص کرنا جو شریعت میں وارد نہیں ناجائز ہے۔

(۷) —— نماز وتر میں یاد نہ رہا کہ دوسری رکعت ہے یا تیسری۔ اب وہ اسے تیسری قرار دے کر دعائے قنوت پڑھ لیتا ہے۔ آخری التحیات کے بعد ایک رکعت اور پڑھتا ہے اور اس میں بھی قنوت پڑھتا ہے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیتا ہے شریعت میں دوسری رکعت میں قنوت پڑھنے پر کہیں منع وارد نہیں۔ بایں ہمہ ایک قول میں اسے بدعت کہا گیا ہے علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

وقیل لا یقنت لان القنوت فی الثانیة بدعة۔[2]

اور کہا گیا ہے کہ قنوت نہ پڑھے دوسری رکعت میں قنوت پڑھنا بدعت ہے۔

ہاں یہاں چونکہ مجہول ہے اور معاملہ بدعت اور واجب میں دائر ہے اس لیے وہ تیسری رکعت سے پہلے بھی قنوت پڑھ لے تو جائز ہے پھر آخری میں نہ پڑھے۔ لیکن معاملہ جہاں بدعت اور مباح میں دائر ہو وہاں بدعت کو ترک کرنا چاہیئے۔

(۸) —— اسلام میں قرآن کریم کی تعلیم پر اُجرت لینا جائز ہے لیکن قرآن کریم کو بطور عبادت پڑھنے پر اجرت لینا جائز نہیں۔ قرآن کریم پڑھ کر جو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے یہ پڑھنا عبادت کی نیت سے ہو تبھی اس پر ثواب مرتب ہو گا اور اسی ثواب کا ایصال کیا جا سکے گا۔ اب اگر کوئی شخص اُجرت

---

[1] رد المحتار جلد ۲ صـ۲۱ [2] ایضاً جلد ۲ صـ۹۵

پر قرآن پڑھے یا پڑھائے اور اس کا ایصالِ ثواب کرے جیسا کہ آج کل لوگ کرتے ہیں۔ تو گو اس پر شریعت میں کوئی دلیل منع وارد نہیں۔ مگر اس لیے کہ یہ صحابہؓ کا عمل نہیں رہا۔ فقہاء نے اس سے منع کیا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

ان ما شاع فی زماننا من قرأۃ الاجزاء بالاجرۃ لا یجوز لان فیہ الامر بالقرأۃ والاعطاء الثواب الأمر والقرأۃ لاجل المال ...... والاجارۃ فی ذٰلک باطلۃ وھی بدعۃ ولم یفعلھا احد من الخلفاء[1]

ترجمہ: ہمارے زمانے میں جو اُجرت پر سیپارے پڑھنے کا رواج ہو گیا ہے یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں ایک شخص پڑھنے کا کہتا ہے اور پڑھنے والا مال لے کر ثواب اسے دے دیتا ہے یہ اجارہ باطل ہے اور یہ بدعت ہے اور خلفاء کرام میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔

علامہ شامی کی یہ تصریحات بتلاتی ہیں کہ وہ ہرگز اس بات کے قائل نہ تھے کہ کسی تعبدی امر میں (وہ کام جنہیں نیکی سمجھ کر کیا جاتا ہے) دلیلِ منع موجود نہ ہونا ہی اس کے جائز ہونے کی دلیل ہے تعبدی امور میں صحابہؓ سے نقل کی ضرورت ہے۔ جو چیز صحابہؓ سے منقول نہیں وہ مسلمان کے لیے ہرگز دین نہیں ہو سکتی۔

مباح وہ اُمور ہیں جو نیکی سمجھ کر نہیں کئے جاتے۔ ان کا زیادہ سے زیادہ درجہ یہ ہے کہ اُن پر مواخذہ نہ ہو گا۔ وہ مباح ہیں مگر انہیں کبھی تعبدی اَمر سمجھ کر نہیں کیا جاتا۔ ختم گیارہویں کی پابندی کرنے والے اسے نیکی سمجھ کر کرتے ہیں یا اسے محض مباح سمجھتے ہوتے بجالاتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ کریں گے معاف کر دیں گے ؟ وہ اسے مباح سمجھ کر کرتے ہیں یا مستحب سمجھ کر ؟

؎ اب تم ہی کہو کس کی صدا دل کی صدا ہے

تیرہویں صدی کی بدعات کے گہرے سائے آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے دور کے سوالیوں اور مداریوں میں دیکھ لیے ہیں۔ علمائے حق نے اس دور کے عرسوں اور ختموں کے مکروہ نقشوں کو واضح الفاظ میں بدعات اور جہالت قرار دیا ہے۔ علامہ شامیؒ جیسے جلیل القدر مفتی اعظم کی

---

[1] رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۵۶

تصریحات آپ نے دیکھ لیں، اب آپ کے لیے یہ سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں کہ علمائے دیوبند اسی فقہی موقف پر ہیں جو اہلِ علم کی ان تیرہ صدیوں کی علمی میراث ہے اور وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اسلام کے تعبدی امور میں (جنہیں نیکی سمجھ کر عمل میں لایا جاتا ہے) نقل کی ضرورت ہے۔ یہ بات نہیں کہ اس پر صرف دلیلِ منع تلاش کی جائے جو نہ ملے تو جھٹ اس کو دین میں شامل کر لیا جائے اور اس بات کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ متفق علیہ[1]

ترجمہ: جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز داخل کی جو اس میں سے نہیں تو وہ چیز مردود ہے۔

علامہ شامی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ہمارے بعض علما نے بلکہ کچھ دوسرے مسالک کے علماء نے بھی فرض نمازوں کے بعد مصافحہ کی عادت، کو ناجائز ٹھہرایا ہے ـــــ مصافحہ اپنی اصل میں سنت ہے لیکن اس کا اس خاص موقع پر ماثور نہ ہونا اس بات کے لیے کافی ہے کہ اسے ناجائز ٹھہرایا جائے مطلق مصافحہ ثابت ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسے کسی خاص وقت اور خاص ہیئت سے لازم ٹھہرانا یہ بھی جائز ہے ایسے خلافِ اثر التزام سے لوگ اسے سنت سمجھنا شروع کر دیں گے اور ظاہر ہے کہ پھر یہ عمل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک افترا ہوگا مفتی اعظم حضرت علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :-

وقد صرح بعض علمائنا وغیرھم بکراھۃ المصافحۃ المعتادۃ عقب الصلوۃ مع ان المصافحۃ سنۃ ماذاک لکونھا لم تؤثر فی خصوص ھذا الموضع فالمواظبۃ علیھا فیہ توھم العوام بانھا سنۃ فیہ[2]

اس عبارت میں لکونھا لم تؤثر فی خصوص ھذا الموضع کے الفاظ قابلِ غور ہیں اور یہ شریعت کی اصل اصیل ہیں۔ اس کا ترجمہ ہے "یہ اس لیے کہ مصافحہ کا اس خاص موقع پر ماثور ہونا ثابت نہیں" ـــــ معلوم ہوا دین وہی ہے جو اوپر سے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے منقول ہو ـــــ یہ نہیں کہ کہا جائے "اس خاص عمل سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا" مسئلہ کی دلیل یہی ٹھہرالی جائے کہ اس پر کہیں منع وارد نہیں ـــــ (استغفر اللہ)

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۲۷ [2] رد المحتار جلد ۱ صفحہ ۸۴۳

شریعت کا کوئی موضوع (وہ مستحب درجے کا ہی کیوں نہ ہو) اس وقت تک قائم نہیں ہوتا جب تک اس پہ کوئی نقل وارد نہ ہو مباح نیکی کے کسی درجے کا نام نہیں نیکی اور اطاعت کا کوئی درجہ ہو اس کے لیے ثبوت درکار ہے۔ مانع سے دلیل مانگنا علمی دنیا میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔

کسے معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ اور عیدین کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ غاشیہ پڑھا کرتے تھے۔ اس کی سنیت سے کسی کو انکار نہیں۔ اسے اس سے ذرا اوپر درجہ وجوب میں لے جائیں تو یہ شریعت میں ایک بے جا دخل ہو گا۔ استحباب سنیت وجوب فرضیت اور رکنیت شریعت سے ثابت ہوگی نہ کہ اس سے کہ قرآن و سنت میں اس پر کہیں منع وارد نہیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

ولکن لا یواظب علی ذالک کی لا یودی الی ھجر الباقی و لئلا یظنہ العامۃ حتماً[1]

ترجمہ۔ نماز جمعہ میں سورۃ اعلیٰ اور سورۃ غاشیہ پر ہمیشگی نہ کرے کہ دوسرا حصہ قرآن بالکل ہی چھوٹ جائے اور اس لیے بھی کہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں۔

یہ احتیاط اس چیز کے بارے میں ہے جو شرعاً ثابت تھی۔ اس سے آپ ان بدعات اور خرافات کا اندازہ لگائیں جن کا سرے سے کوئی وجود نہیں اور آج امت کے ایک طبقہ جہلاء نے اسے حق اور باطل کا معیار سمجھ رکھا ہے۔ جو نہ کرپائے اسے معلوم نہیں کن کن القابات سے نوازا جاتا ہے۔ علامہ شامی کی اس تحریر سے یہ بھی پتہ چلا کہ ایسے امور میں عوام کا لحاظ درکار ہے خواص کا نہیں جو مسئلے کو پہلے ہی سمجھے ہوتے ہیں۔

خواص (ان کے علماء) کسی چیز کو واجب نہ کہیں لیکن اگر ان کے عوام اسے اس پابندی سے بجالائیں جو فرض اور واجب میں ہوتی ہے تو اس مسئلے بارے میں فتوے دیتے ان کے عوام کو پیش نظر رکھا جائے گا ان کے خواص کو نہیں۔ علماء حق امت محمدیہ کو ان ظلمتوں سے بچانے اور بدعات سے ہٹانے کے پابند ہیں۔

---

[1] رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۱۴۲

اپنے حلوے مانڈے کی خاطر امت کو بدعات میں لگائے رکھنا علماء حق کا کام نہیں علماء سوء کا پیشہ ہے۔

بریلوی ظلمت کدوں میں چاند کی گیارہ تاریخ کو آپ کو چائے کے لیے بھی دودھ نہ ملے گا — کیوں؟ رات گیارہویں تھی اور گوالے اس ڈر سے شہر میں دودھ نہیں لا سکے کہ اگر سارا دودھ گیارہویں میں نہ دیا تو بھینسیں مر جائیں گی وہ نہیں سوچتے کہ حضرت پیر صاحب کا وہاں کام کیا بھینسیں مارنا ہی رہ گیا ہے۔

ان گوالوں میں آپ کو نماز و زکوٰۃ کے پابند تو خال خال ملیں گے لیکن گیارہویں کا تارک شاید ہی کوئی ملے فکر و عمل کے لیے موثر پر دینی ہدایت وہی ہے جو علامہ شامیؒ نے لکھی ہے کہ ایسے امور میں عوام کا لحاظ درکار ہے خواص کا نہیں۔

تیرہویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا اسماعیل شہیدؒ، مولانا عبد الحی دہلویؒ اور حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ نے بدعات کے خلاف بہت کام کیا ہے اور ہزارہا مسلمان ان حضرات کی مساعی اور قربانیوں سے نورِ سنت سے مستنیر ہوئے ہیں۔

اس دور کے بعد تیرہویں صدی میں ہی دارالعلوم دیوبند قائم ہوا۔ دہلی کی مسندِ حدیث اب گویا وہاں منتقل ہو گئی۔ اکابرِ دیوبند نے اپنے انہی اکابر (محدثین دہلی) کے نقشِ قدم پر شرک و بدعت کے خلاف توحید و سنت کی جنگ لڑی۔ تیرہویں صدی کے اسی دورِ آخر کے اقامتِ سنت کے بنیادی ستون قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور امام المحدثین حضرت مولانا محمد یعقوبؒ (دارالعلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث) گزرے ہیں۔

اب آیئے آپ کو چودھویں صدی میں لے چلیں۔ اس دور میں بھی سب اہل سنت اس اصول پر متفق تھے کہ شریعت نقل و استنباط سے پہچانی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ جس کام پر دلیل منع نہ ملے، اسے بلا کسی جھجھک کے شریعت میں داخل کر لیں۔ جب ضعیف حدیث سے سنت ثابت نہیں ہوتی تو جن کاموں کے لیے سرے سے حدیث نہ ہو۔ نہ اس کے لیے عملِ صحابہؓ کی کوئی نقل ملے تو انہیں اہل سنت کے امتیازی کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

چودھویں صدی کے عمائدِ اہلسنت میں شیخ الہندؒ حضرت مولانا محمود الحسنؒ اور حضرت مولانا

خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ سرفہرست ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں بھی اسی دور کے ہیں۔ جب تک مولانا احمد رضا خاں نے لوگوں کو اپنے دین و مذہب پہ چلنے کی دعوت نہ دی تھی، وہ خود اس بات کے قائل تھے کہ ضعیف حدیث سے کسی بات کا طریق سنت پہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اور جن امور پر عمل عہد صحابہؓ سے سند ملے وہ سب لائق ترک ہیں۔ دیکھیے آپ لکھتے ہیں:۔

ان الاستنان لایثبت بالحدیث الضعیف۔ فتاوے رضویہ جلد ۱ صہ۱۱

ترجمہ کسی بات کا طریق سنت ہونا ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

مولانا احمد رضا خاں سنن و نوافل کے بعد کی جانے والی اجتماعی دعا کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

سنن و نوافل سے فارغ ہو کر امام کا جماعت کے ساتھ دعا مانگنا کہیں منقول نہیں یہ طریقہ لائق ترک ہے۔[1]

مولانا احمد رضا خاں نے مزارات اولیاء پہ عورتوں کی حاضری کو ممنوع قرار دیا ہے:۔

عورتوں کو مزارات اولیاء و مقابر عوام دونوں پہ جانے کی ممانعت ہے[2]

ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:۔

خبردار! جب وہ (کسی قبر پہ) جانے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور جب گھر سے چلتی ہے سب طرف سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں اور جب قبر پہ آتی ہے میت کی روح اسے لعنت کرتی ہے اور جب پلٹتی ہے اللہ کی لعنت کے ساتھ پھرتی ہے۔[3]

مگر جب ہندوستان میں تحریک خلافت چلی اور حضرت شیخ الہندؒ انگریزوں کے خلاف میدان میں نکل گئے تو انگریزوں نے ضرورت محسوس کی کہ اب ہندوستان میں سواد اعظم اہلسنت کو آپس میں تقسیم کر دیا جائے۔ تاریخ کے اس سیاسی موڑ پہ مولانا احمد رضا خاں نے اپنا دین و مذہب ترتیب دیا اور اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اس پہ چلنا سب فرضوں سے بڑا فرض ہے۔ یہ تحقیقی بریلویت کی ابتداء

---

[1] تصدیق مولانا احمد رضا خاں بر رسالہ نفائس المرغوبہ فی حکم الدعا بعد المکتوبہ ص۱۳ [2] احکام شریعت جلد ۲ ص۱۵۵

[3] فتاوے افریقہ ص۲۸

بدعت اپنے آخری اسٹیشن پر

اس وصیت کے نتیجے میں مسلمانوں میں کس طرح ایک نئے مذہب نے راہ پائی. ہم اس سے اس وقت کی حکومت کو فارغ نہیں کرسکتے اہلِ بدعت کا چودہ سو سال کا نقشہ جہالت اور بدعت و شرک کے سمندروں میں انکی غوطہ زنی آپ کے سامنے ہے سُنی مسلمانوں کا ایک اچھا خاصا طبقہ جہالت کے اندھیروں گھرا شرک و بدعات میں سرگرداں ہے اور علماء حق اہل السُنّت والجماعۃ انہیں ہر دور میں ان بدعات سے روکتے اور ٹوکتے رہے ہیں لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ ابھی ان محترفین اور شرک و بدعات کے مرتکبین کو علماء کے کسی گروہ کی سرپرستی حاصل نہ ہوئی تھی چودھویں صدی کا یہ انتہائی افسوسناک اور اذیتناک پہلو ہے کہ اس میں ان جہال اہلِ بدعت کو علماء کے ایک گروہ کی سرپرستی حاصل ہوگئی ہے اور نچلی سطح پر اہل سنت دو حصوں میں بٹ گئے ہیں اور پھر یہ وقت بھی آگیا ہے کہ علماء دو حصوں میں بٹ گئے ہیں۔

اہلِ السُنّۃ والجماعت دو حصوں میں

چودھویں صدی میں اہل سُنت مستقل طور پر دو حصوں میں بٹ گئے ایک طبقہ باوقار اور پرہیزگار علماء کا تھا جو حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے تلامذہ و منتسبین کے طریقے پر تھا اور دوسرا جہلاء اہل بدعت کا جو قبر پرستی اور پیر پرستی میں گھرے مسلمانوں میں پھر سے ہندو نظریات لا رہے تھے اور جاہل مسلمانوں کی اصلاح کی بجائے انہیں ان کے شرک و بدعت پر علمی استناد مہیا کر رہے تھے تاریخ کا یہ وہ سیاہ دور ہے جس کی کوکھ سے دیوبندی بریلوی اختلافات نے جنم لیا لیکن ہنوز شرک و بدعت کی ان کاروائیوں پر بریلویت کا سہرا نہ بندھا تھا۔

کیا یہ سب اہلِ بدعت اسلام سے نکل چکے تھے

ان جہلاء اہل بدعت میں کونسی بات اسلام کی رہ گئی تھی جو انہیں مسلمان سمجھا جاسکے وہ صرف اسلام سے ایک اصولی نسبت تھی اور اسی جہت سے انہیں خدا اور اس کے رسُولؐ کا اقرار کرنے والا کہا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے تھے کہ یہ لوگ کھلم کھلا اسلام سے نکل جائیں

اور دوبارہ ہندو بن جائیں اس لئے اس نے انہیں ایسی طرف لگا دیا کہ یہ نہ علی الاعلان تبدیل ملت کریں اور نہ اکیلے خدا کو پکارنے کا شرف پائیں کیونکہ یہ دولت انہی کو ملتی ہے جو پاکیزہ باطن ہوں اور جو حرام خور اور خبیث النفس ہوں وہ ان قبروں سے ہی مانگتے رہیں توحید سے کٹ جانے والوں کی یہی سزا ہے۔

حضرت شیخ احمد بن مبارک بارھویں صدی کے مشہور بزرگ گزرے ہیں انہوں نے حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ سے ان لوگوں کی قبر پرستی کے بارے میں پوچھا ــــــــــ "لوگ بجائے اللہ کے بزرگوں کو پکارنے میں کیوں مصروف ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی کھاتا ہے تو کہتا ہے فلاں بزرگ حضرت عبدالقادر جیلانی یا حضرت یغری (ابو یغری مغربی) یا حضرت ابوالعباس سبتی (۱۸۴م) کی قسم اسی طرح اگر کسی کو قسم دلاتا ہے تو کہتا ہے فلاں بزرگ کی قسم کھاؤ اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو بھیک مانگتے ہوئے کسی بزرگ کا نام صراحۃً لیتا ہے یہ لوگ قطعی طور پر اللہ تعالیٰ سے کٹ چکے ہوتے ہیں اگر انہیں کہا جائے کہ اللہ کی رحمت کو وسیلہ بناؤ یا کہا جائے کہ اللہ کی قسم کھاؤ تو ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے"؟

حضرت شیخ عبدالعزیز بن دباغ نے جواباً ارشاد فرمایا:۔

بعض اولیاء اللہ جو اہل دفتر ہیں جب دیکھا کہ لوگوں کی ذات میں ظلمت کی کثرت ہے اور وہ لوگ کثیر ہیں جو اللہ سے منقطع ہو چکے ہیں اور ان کا وجود خبیث ہو چکا ہے تو انہوں نے ارادۃً لوگوں کو اس طرف لگا دیا ہے یہ اولیاء اہل دفتر چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو صرف وہی لوگ پکاریں جو پاکیزہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہے بشرطیکہ دعاء کے وقت وہ ہر طرف سے کٹ کر اس طرف آجائے۔

اس شخص کی دعا دو طرح سے پوری ہوتی ہے یا تو اس کی مراد اسے دے دی جاتی یا مراد پوری نہ ہونے کی صورت میں اس کا راز اسے بتا دیا جائے اللہ سے دور اور محجوب لوگوں کو یہ دولت حاصل نہیں ہو سکتی لیکن اگر کوئی اندھیروں سے بھرے ہوئے لوگ اپنے تمام جواہر اور رگوں سے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور کچھ مانگیں اور وہ انہیں ان کی مراد نہ دے اور وہ گندے لوگ اس قابل بھی نہ ہوں کہ انہیں اس مراد کے نہ دینے کا راز کھول دیا جائے تو ہو سکتا ہے

ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے متعلق شبہات پیدا ہونے لگیں اور وہ اس مراد کے پورا نہ ہونے سے بڑھ کر ایک اور مصیبت میں مبتلا ہو جائے (کہ ایمان بھی جائے) تو ان اولیاء نے جو اس نظام پر مامور ہیں مصلحت اسی میں سمجھی کہ ان جاہلوں کو اُدھر سے ہٹا کر ان بزرگوں کی طرف لگا دیا جائے کہ اگر انہیں کبھی ان کی ولایت میں شبہ ہو جائے تو انہیں اس کا کوئی زیادہ نقصان نہ ہو (یعنی ایمان تو نہ جائے) کافر تو نہ ہو جائے۔

توحید سے کٹ جانے والوں کے دلوں میں اندھیروں کا ثبوت یہ ہے کہ ایک شخص بیس روپے گھر سے لے کر نکلتا ہے اور کسی ولی کی قبر پر جاتا ہے اور بیس کے بیس وہاں قبر کے صندوق میں ڈال دیتا ہے تاکہ ان کی حاجت پوری ہو حالانکہ رستہ میں اسے کئی ایک غریب ملے ہیں جو اللہ کا مال اللہ کے نام پر مانگتے ہیں مگر وہ انہیں کچھ نہیں دیتا اور ولی کی قبر پر پہنچ کر سب کچھ اس کے قدموں میں ڈال دیتا ہے اور یہ نہایت بُری بات ہے اس لئے کہ اللہ کے نام پر اس کی خوشنودی اور اس کی عزت کے لئے نہیں دیا گیا ـــــــ اگر یہ اللہ کے نام پر دینا تھا تو جو محتاج اسے رستے میں ملا تھا اسے بھی دے دیتا لیکن جب صدقہ اپنے کا محرک اور سبب ایک خاص غرض ہے تو اس نے ایک خاص جگہ کو صدقہ دینے کے لئے مخصوص کر رکھا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اس جگہ دینے سے ہی نفع ہو گا اور جگہ پر دینے سے یہ صاحب قبر تو خوش نہ ہوں گے[1]

پھر آگے شیخ نے وہ اسباب لکھے ہیں جو اللہ سے منقطع کرنے والے ہیں پہلا سبب نیک لوگوں کو کسی دنیوی غرض سے یہ دینا ہے اس میں اللہ کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی دوسرا سبب اللہ والوں کے پاس جا کر اللہ کا وسیلہ ڈالنا ہے تاکہ ان کی مراد پوری ہو۔

چنانچہ زائر کہتا ہے کہ اے فلاں بزرگ تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری فلاں ضرورت پوری کر دیں یہ امر اللہ سے منقطع ہونے کا اس طرح سبب بنا ہے کہ زائر نے مناسب اور ضروری بات کو پلٹ کر معاملہ برعکس کر دیا ہے مناسب تو یہ تھا اللہ تعالےٰ سے دُعا مانگی جائے اور اس کے اولیاء کو وسیلہ لایا جائے نہ کہ اس کو الٹا کر دیا جائے (کہ مانگا ان اولیاء سے جائے اور اللہ رب العزت کو درمیان میں وسیلہ ٹھہرایا جائے)

---

[1] کتاب الابریز صـ۱۴۲ اردو صـ۳۴۶۔

حضرت شیخ نے اس انقطاع کے بیس سبب بیان کئے ہیں جن میں سے بیسواں خلفائے اربعہ میں فرق کرنا ہے بایں طور کہ بعض کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے خارجیوں اور رافضیوں کی طرح بعض سے تو محبت رکھے اور بعض سے بغض ۔ ان میں سے کسی سے بغض رکھنا بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا ہے [1]

ان لوگوں کو جن کے دل اس طرح خبیث ہو چکے تھے ان اولیاء نے جو نظام باطنی پر مامور ہیں اس طرح خدا تعالیٰ کے حضور سے راندہ کر رکھا ہے اور انہیں ان قبروں اور خانقاہوں پر اس طرح لگا رکھا ہے کہ یہ نہ اسلام سے علی الاعلان نکل سکتے ہیں اور نہ اسلام کا نور توحید انکے دلوں پر اُتر سکتا ہے اس لئے ان کی زیادہ سے زیادہ رعایت یہی کی جاسکتی ہے کہ ان عوام جہلاء اہل بدعت کو صف اسلام سے باہر نہ کیا جائے ۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ نے اہل بدعت کی اصلاح کے لیے جو مجددانہ محنت کی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ آپ نے بدعت کی رسم تو درکنار اپنے متعلقین کو اس رسم سے بچنے کی بھی انتہائی تاکید کی۔

جس طرح انبیاء کو انتہائی مخالفتوں سے گزرنا پڑا ہے ان کے سچے جانشین بھی اس راہ میں صعوبتیں اُٹھاتے ہیں حضرت امام ربانی ؒ کو اس اعلاء حق میں جن حالات سے گزرنا پڑا، ان کی ایک اپنی تاریخ ہے ۔

اس وقت کے اہل بدعت تحریف دین میں بالکل بے خوف ہو کر چلے۔ علامہ فیضی اور علامہ ابو الفضل ان کے سرفہرست رہے۔ یہ آگرہ کے رہنے والے تھے اور یہیں مولانا عبد القادر بدایونی تحصیل علم کے لیے آئے اور پھر یہیں کا فیض بریلی منتقل ہوا۔

واحد یار خاں آگرہ کی مشہور شخصیات کے بارے میں لکھتا ہے ۔

فیضی اور ابو الفضل اس اجڑے دیار کے باشندے تھے عبد القادر بدایونی نے آگرہ ہی میں علم تحصیل کیا۔ [2]

یہ بات ہم تفصیل سے کہہ چکے ہیں کہ بدعت کی تاریخ کوئی نئی نہیں بدعت فی العقائد دوسری صدی سے اور بدعت فی الاعمال چوتھی یا پانچویں صدی سے شروع ہو چکی تھیں علمائے اہل سنت (محدثین اور متکلمین)، نے عقائد کے محاذ پر معتزلہ، قدریہ، مرجئہ، روافض اور خوارج وغیرھا سے کامیاب جنگ لڑی اور کتاب وسنت کے گرد نہایت وفادارانہ پہرہ

---

[1] کتاب الابریز ص اردو ص ملخصاً [2] ارض تاج ص۶ طبع دسمبر ۱۹۱۴ء ابو العلاء پریس آگرہ

دیا فقہا اور مجددین نے بدعت فی الاعمال کے خلاف اسلامی لائحہ عمل کی پوری حفاظت کی اور ایک ایک بدعت کی نشاندہی کی۔

مولانا احمد رضا خان نے جب سر اٹھایا تو ان کا گرد و پیش ہی بدعی تھا مارہرہ شریف کا آستانہ ہو یا بدایوں کے علماء ہر طرف یہی دور دورہ تھا ان خانقاہوں کے اخلاف اپنے اسلاف سے بے گانہ ہو چکے تھے مگر ابھی تک ان بدعی نظریات کو کسی نے ایک مستقل دین و مذہب کی شکل نہ دی تھی مولانا اس پہلو سے ایک بڑے حضرت بن کر نکلے کہ انہوں نے ان نظریات کو علمی استناد مہیا کیا باقاعدہ اختلافات کی طرحیں قائم کیں اور پھر بڑی ہوشیاری سے بیرون ملک علماء کے دستخط لے کر علمائے دیوبند کے خلاف فتوے کفر جاری کر دیا

مظلوم کی آہوں میں بڑا اثر ہوتا ہے جس طرح مولانا فضل رسول بدایونی نے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ پر کفر کے گولے پھینکے تھے مولانا احمد رضا خاں ان سے پورے متفق ہونے کے باوجود مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو اہل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ (کلمہ گو) ہی سمجھتے رہے اور بار بار کہتے رہے علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں اسی میں سلامتی ہے اسی طرح مولانا احمد رضا خاں نے جب علمائے دیوبند پر کفر کے گولے پھینکے ان کے ہم خیال علماء میں سے بھی بہت سے ان سے اتفاق نہ کر سکے ان کا علمائے دیوبند سے بعض مسائل میں تو اختلاف رہا لیکن وہ انہیں دائرہ اسلام میں ہی سمجھتے رہے اور ملت کو دو حصوں میں تقسیم کرنے میں وہ مولانا احمد رضا خان کے ساتھ نہ چل سکے مولانا فضل رسول بدایونی کا زمانہ مولانا احمد رضا خاں کی نسبت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے قریب تھا اور مولانا احمد رضا خان کا زمانہ ان کے اپنے حلقہ عقیدت کی نسبت سے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کے قریب تھا معاصرت منافرت کو ابھارتی ہے اس کا یہ نتیجہ رہا کہ مولانا احمد رضا خاں حضرت مولانا اسمٰعیل کی تکفیر میں مولانا فضل رسول کا ساتھ نہ دے سکے اور مولانا فضل رسول کے پوتے مولانا عبد المقتدر بدایونی نے علمائے دیوبند کی تکفیر میں مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ نہ دیا۔

مطالعہ بریلویت کے لئے اس صورت حال کو بھی سامنے لانا چاہیئے کہ مولانا احمد رضا خان کے ہم خیال معاصر علماء نے خاں صاحب کے اس فتوے تکفیر کا کیا اثر لیا اور وہ کہاں تک ان سے متفق ہو سکے۔

آئیے ان علماء کا کچھ تعارف حاصل کریں جو انہی حضرات میں سے تھے مارہرہ شریف کے عقیدتمند تھے بدعات کے باب میں نرم گوشہ رکھتے تھے علمائے دیوبند کے بھی خلاف تھے لیکن اہل السنۃ والجماعۃ کو مستقل طور پر دو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی محنت میں وہ مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ شامل نہ ہوئے یہ وہ حضرات ہیں جن پر ان کی زندگی میں اور بعد میں بھی کہیں وہابی کا فتوے نہ لگا تھا ان کا علماء دیوبند سے اختلاف اسی طرح رہا جس طرح علماء کے آپس میں اختلاف ہوتے چلے آئے ہیں علماء دیوبند اپنے پیش رو محدثین دہلی کے طرز پر چلے شرک و بدعت کے خلاف انہوں نے خوب کام کیا اور یہ حضرات شرک و بدعت کے ابواب میں کف اللسان ہو کر رہے تاہم انہوں نے تفریق امت اور تکفیر مسلمین کی تحریک میں مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ نہ دیا اور وہ انگریز حکومت کے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے میں آلہ کار نہ بن سکے

معاصر علماء جو بریلویت پر آمادہ نہ کئے جا سکے

① حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی بعض نادر تحقیقات اور علمی ترقیقات بعض علماء کو پسند نہ آئیں یا انہوں نے بعض روایات کو کمزور جانا اور نہ چاہا کہ ان سے استدلال کیا جائے تو انہوں نے حضرت کے خلاف رسالہ ابطال اغلاط قاسمیہ لکھا جو ۱۳۰۰ھ میں بمبئی کے ایک مطبع سے شائع ہوا مولانا ارشاد حسین رام پوری اور مولانا فضل رسول بدایونی کے جانشین مولانا عبدالقادر بدایونی کے بھی اس پر دستخط ہیں ان میں سے کسی صاحب نے مولانا محمد قاسم پر فتویٰ کفر نہیں دیا نہ انہیں ختم نبوت کا منکر کہا لے دے کے بعض عبارات سے لزوم ثابت کیا لیکن ان پر التزام کا بوجھ نہ ڈالا اور نہ امت میں تفریق پیدا کی ہم ان حضرات کے مواخذات سے متفق نہیں ہیں بقول خواجہ قمرالدین صاحب سیالوی یہ حضرات اس بات کی تہ کو نہ پہنچ سکے تھے جہاں حضرت مولانا محمد قاسم کا طائر فکر پرواز کر رہا تھا تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اس رسالہ سے مولانا احمد رضا خاں کی آتش غیظ نہ بجھتی تھی وہ فتوے کفر سے کم کسی اختلاف پر نہ ٹھہر سکتے تھے اور وہ فتوے کفر لگا کر رہے

(۲) حضرت میاں پیلی بھیتی نے رزم شیریں بجواب رمز شیریں لکھا جو ۱۳۴۲ھ میں انجمن اختر الاسلام پیلی بھیت سے شائع ہوا اس میں صریح طور پر مولانا احمد رضا خاں کے فتوے حسام الحرمین کا رد کیا گیا اس پر مولانا سلامت اللہ صاحب مولانا عبدالغفار خاں صاحب مولانا عبدالبصیر صاحب (المعروف بہ اللہ والے) کے دستخط ہیں اس میں مولانا احمد رضا خاں کو علمائے دیوبند کے خلاف صریحاً غلط بیانیوں کا مرتکب بتلایا گیا ہے یہ علماء وہ ہیں جن کے مولانا احمد رضا خاں ہمیشہ نیاز مند رہے تھے اور ان کی وجاہت مولانا احمد رضا خاں سے کہیں زیادہ تھی۔

(۳) مولانا نذیر احمد خاں صاحب صدر مدرس مدرسہ طیبہ احمد آباد نے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کی کتاب براھین قاطعہ کے جواب میں بوارق لامعہ لکھی بدعات کی تائید میں آپ جو کچھ کہہ سکتے تھے کہا اور اس عبارت سے بھی گزرے جسے مولانا احمد رضا خاں نے حسام الحرمین میں صریح کفر ٹھہرایا ہے مگر مولانا نذیر احمد صاحب نے ان سے صرف علمی اختلاف کیا مولانا سہارنپوری کو کہیں کفر کا مرتکب نہیں ٹھہرایا نہ ان پر فتوے کفر لگایا نہ کہیں انہیں کسی کفری معنی کا ملتزم کہا بوارق لامعہ براھین قاطعہ کے رد میں پہلے لکھی گئی پھر مولانا عبدالسمیع لاہوری نے انوار ساطعہ لکھی وہ بھی عبارت مذکورہ سے گذرے اور انہوں نے بھی کہیں حضرت سہارنپوری کو کسی کفری عقیدے کا التزام کرنے والا نہیں بنایا۔

مولانا نذیر احمد خاں نے بوارق لامعہ کے ص۲۴ پر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں کہا کہ آپ علوم دینیہ کے ناشر اور ایک عالم کو علم دین سے سیراب کرنے والے تھے آپ نے حضرت نانوتوی کو مرحوم بھی لکھا ہے اور ان کے لئے رحمت کی دعا کی ہے۔

(۴) مولانا محمد میاں کچھوچھوی جنہیں علاقہ بمبئی کے بریلوی حضرات محدث اعظم کہتے ہیں انہوں نے ۱۳۵۸ھ کا ۲۰ رمضان کا جمعہ دھوراجی کاٹھیا واڑ کی مسجد فاروقی میں پڑھا وہاں مدرسہ سکینیہ دھوراجی کے صدر مدرس مفتی عبدالعزیز بھی موجود تھے مفتی صاحب مذکور نے محدث اعظم کو کہا کہ امام دیوبندی ہے یہاں سے چلیں مگر محدث نے ان کی ایک نہ مانی وہیں نماز جمعہ ادا کی لے پھر مولوی حشمت علی صاحب نے اخبارات میں اٹھایا اور اس پر ایک رسالہ ستر با ادب سوالات

لہٰذا محدث اعظم نے نہ اسکی تردید کی نہ اپنے اس عمل سے کہیں توبہ کا اظہار فرمایا ان کی نگاہ میں احمد رضا خاں صاحب کا فتوے احسام الحرمین اگر صحیح ہوتا تو وہ اس مسجد فاروقی میں دیوبندی امام کے پیچھے کیوں نماز پڑھتے۔

(۵) حضرت مولانا معین الدین اجمیری جن کا تعارف محدث کچھوچھوی کے صاحبزادے ہاشمی میاں نے المیزان کے احمد رضا نمبر کے صفحہ ۳۹۶ پر نہایت شاندار الفاظ میں کرایا ہے آپ سیال شریف کے خواجہ قمر الدین صاحب کے استاد تھے آپ نے مولانا احمد رضا خاں کے خلاف ایک مستقل کتاب تجلیات انوار المعین لکھی ہے اس میں آپ نے صریح لفظوں میں مولانا احمد رضا خاں کے شغل تکفیر سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور ان کی علمائے دیوبند کو کافر ثابت کرنے کی کوششوں میں ان کا ساتھ نہیں دیا مولانا اجمیری کا علمی مقام مولانا احمد رضا خاں صاحب سے کہیں زیادہ تھا۔

یہ علماء جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اکثر مسائل میں مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ تھے توحید و سُنّت کے داعی انہیں علماء اہل بدعت میں ہی شمار کرتے ہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ یہ حضرات اس گھاٹی پر نہ آئے جس پر کفر و اسلام کے فاصلے قائم کیے جا سکیں اور من شک فی کفرہ و عذابہ کے فتوے دیئے جا سکیں اس گھاٹی کو سر کرنے کے لئے کسی بڑے حضرت کی ضرورت تھی تفریق ملت کا یہ سہرا مولانا احمد رضا خاں کے سر لکھا تھا اور وہ اس پر بندھ کر رہا آپ نے حسام الحرمین کے نام سے یہ تلوار چلائی اور وہ چل کر رہی اور اہل السنۃ والجماعۃ جن میں ایک حلقہ صرف بدعت فی الاعمال میں ملوث تھا اب مستقل طور پر دو حصوں میں منقسم ہو گئے یہی مولانا احمد رضا خاں کی پچاس سال کی دینی کمائی ہے جو آپ سمیٹ کر راہئے ملک بقا ہوئے جناب قاری احمد پیلی بھیتی لکھتے ہیں :۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب پچاس سال اسی جد و جہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ دو مستقل مکتب فکر قائم ہو گئے بریلوی اور دیوبندی [۱]

---

[۱] سوانح اعلیحضرت صفحہ ۵۔

بریلوی پہلے اس شاہراہ اہل سنت سے ہٹے اور جن کے خلاف ڈٹے ان کو بھی ایک فرقہ بنا کر ظاہر کیا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ دیوبندیوں کو بھی ایک فرقہ سمجھنے لگ گئے حالانکہ یہ کوئی فرقہ نہ تھا پرانے اہل سنت ہی تھے قاری احمد صاحب نے اسی لئے پہلے بریلوی کا لفظ اختیار کیا ہے۔ یہ بریلویت کا نقطۂ آغاز ہے خاں صاحب کی واردات صرف علماء دیوبند پر تھی ان دو حلقوں کے سوا جو دوسرے دینی حلقے تھے انہوں نے حسام الحرمین پر دستخط نہ کئے اور برملا اس کی تردید کی پھر ان حضرات علماء کی کوشش کچھ پڑی گئیں اور اہل بدعت بریلویت کے سایہ میں اپنے مفادات اور اپنی رسوم کو زیادہ محفوظ سمجھنے لگے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاں صاحب کے اس ملت کش کردار کا ان کے اپنے حلقے میں کیا اثر پڑا کیا ان کے اپنے حلقے کے کسی عالم نے کھل کر حسام الحرمین کے خلاف آواز اٹھائی انہیں سے بعض حضرات کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں اب حضرت مفتی خلیل احمد صاحب بدایونی کی تصریحات بھی سُن لیجئے اور دیکھئے آپ نے کس جرأت ایمانی سے حق کی بات کہی اور اپنے حلقے کو حضرات علماء دیوبند کے خلاف فتوے کفر سے کف اللسان رہنے کی تلقین کی

حضرت مولانا مفتی محمد خلیل احمد خان صاحب قادری برکاتی بجنوری ثم البدایونی

آپ مارہرہ شریف (جو مولانا احمد رضا خاں اور ان کے باپ نقی علی خاں کا پیر خانہ تھا) کے حضرت سید شاہ محمد میاں قادری سے بیعت تھے اور بدایوں کے محلہ سوتھ کی بڑھ والی مسجد کے مدرسہ ظفر العلوم کے بانی اور سرپرست تھے آپ کا پہلے مولانا احمد رضا خاں پر پورا اعتماد رہا لیکن خوش قسمت تھے کہ انہوں نے ایک دفعہ بریلی کے فتوے تکفیر پر خود غور کرنے کی زحمت گوارا کی اور یہ موقف اختیار کیا کہ مسئلہ تکفیر تقلیدی نہیں تحقیقی ہے اور فرمایا کہ اسی پر علماء کا قدیم ایام سے عمل رہا ہے اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

لوگ خوب جانتے ہیں کہ فقیر کا مسلک اسی سے قبل دربارہ تکفیر وہ ہی تھا جو فاضل مرحوم اور ان کے متبعین کے فتاووں میں بیان کیا گیا ہے چونکہ ان

کی تحریرات پر اعتماد تھا اور دربارہ تکفیر ان کے فتاووں کو صحیح اور درست سمجھتا
تھا اپنی ذاتی تحقیق کے لئے موقع نہ مل سکا تھا اب کچھ عرصے سے فقیر کو رب تعالیٰ
نے کچھ ایسے مواقع اور حالات عطا فرمائے کہ ان فتاووں اور تحریرات کو
بنظر غائر مطالعہ کیا ان فتاویٰ تکفیر کو ضعف و اسقام سے خالی نہ پاکر فقیر نے
ان فتاووں کے تکفیری احکام سے کف لسان یعنی کافر کہنے سے زبان کو روک
لیا کہ مسلمانوں کو کافر کہنے کی راہ خطرناک ہے۔

پھر فقیر نے بریلی کے فتوے تکفیر پر غور کیا تو یہ ثابت ہوا کہ ان کے اعتبار سے تو ہندوستان اور
بیرون ہند کے لاکھوں کروڑوں مسلمان اسلام سے خارج اور کافر ٹھہرتے ہیں مکہ معظمہ کے امام و مؤذن
اور نمازی، مدینہ منورہ کے امام و مؤذن اور نمازی پھر علماء دیوبند کا پورا گروہ عالم و غیر عالم
پھر بدایوں مدرسہ قادریہ کے علماء کا سارا گروہ ——— پھر علماء رامپور کا پورا گروہ پھر علماء لکھنؤ
کا پورا گروہ مع ان کے مریدین و معتقدین اور شاگردوں کے یہاں تک کہ مظہر اعلیٰحضرت مولوی
حشمت علی صاحب کے فتوے کی رُو سے جو ان کی کتاب ستر با ادب سوالات
میں درج ہے مولوی سید محمد میاں المعروف بہ محدث اعظم کچھوچھوی بھی کافر و مرتد ہو گئے۔[1]
پھر آگے جا کر لکھا ہے:۔

"فاضل بریلوی کا مفروضہ فارمولا ہے جو علمائے دیوبند کے کافر اور جہنمی ہونے
میں شک کرے یا توقف کرے یا تامل کرے یا کف لسان کرے وہ
بھی کافر ہے اس فارمولے کے اعتبار سے عرب سے عجم تک لاکھوں،
کروڑوں مسلمان کافر ہو گئے نہ مدینہ منورہ کے امام و مؤذن و نمازی و
حجاج نہ مصر و بغداد کے علماء نہ یمن و افغانستان کے علماء و عوام نہ ہندوستان
کے اہل علم مسلمان نہ رہے نہ انکے نکاح رہے نہ بیعت کہ ان کے نزدیک وہ
سب اسلام سے خارج ہیں اور کافر و مرتد ہو گئے ہیں ——— مفروضہ فارمولا
یہ اعلان کر رہا ہے کہ جو شخص دیوبند کے اکابر علمائے کے کافر اور جہنمی ہونے

---

[1] انکشاف حق صہ ۸ اور صہ ۹۔

میں شک بھی کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔"

لہٰذا فقیر کا موقف بفضلہ تعالیٰ بعد تحقیق صحیح کے اکابر علمائے دیوبند یعنی مولوی اشرف علی صاحب مرحوم و مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم وغیرہ کے بارے میں یہ ہے کہ فقیر ان کو کافر و مرتد کہنے کے سخت خلاف ہے کیونکہ امر محقق یہی ہے .... عبارات علماء دیوبند کا جو مطلب حسام الحرمین میں مقرر کیا گیا ہے وہ نہ خود مصنفین کے نزدیک صحیح ہے نہ اور ہندوستان کے اہل علم و دانش کے نزدیک مسلّم ہے نہ ہماری سمجھ آتا ہے تو پھر وہ مضمون مفروضہ کیسے قطعی ہو قطعی تو بلا شک و شبہ متفق علیہ ہوتا ہے فاضل بریلوی کے ہمعصر مشہورین تک کو وہ مضمون مسلّم نہیں [1]

مولانا خلیل احمد خاں صاحب بدایونی کا یہ انکشاف حق بریلویت پر بجلی بن کر گرا مولانا چونکہ خود اسی حلقے کے بزرگ تھے آپ کے دوست احباب اور علماء اہل بدعت آپ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے اس کے لئے کئی مجلسیں ترتیب دی گئیں کئی مناظرے تجویز ہونے اور پورے ایوان بریلی میں ایک تہلکہ مچ گیا۔

آپ نے سب دوستوں کو کہا،

> مسلمانو! قیامت کے دن اپنے ذاتی اعمال کا حساب دینا انسان کو کیا کم تکلیف دہ ہوگا جو کروڑوں مسلمانوں کو کافر و مرتد کہہ کر ان کے حساب کا بار اپنے سر پر لیا جائے جب کہ علماء کرام کی کثیر تعداد علماء دیوبند کی تکفیر سے متفق نہیں چنانچہ علماء فرنگی محل و لکھنؤ و علماء رام پور و علی گڑھ و پھلواری شریف و بدایوں باوجودیکہ اکثر اختلافی مسائل میں یہ حضرات فاضل بریلوی کے ہمنوا ہیں مگر اس مسئلہ تکفیر میں یہ حضرات ان سے متفق نہیں [2]

اب ہم ان بعض مجالس کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں مولانا خلیل احمد بدایونی اور دوسرے بریلوی علماء میں اس موضوع پر گفتگو ہوئی بات چلی اور بریلوی علماء اپنے اس تکفیری موقف کے حق میں اپنے ہی دوستوں کے سامنے کوئی دلیل قائم نہ کر سکے اور سوائے اس کے کہ اپنے اس

---

[1] انکشاف حق ص ۳۶، ۴۷۔ [2] ایضاً ص ۳۸

عمل تکفیر کا بوجھ مولانا احمد رضا خاں پر ڈالتے رہیں ان سے اس تکفیری موقف پر کچھ نہ بن پڑا۔

① پہلی گفتگو کانگنج میں مولوی حبیب الرحمٰن کنکی اور مولوی لطف اللہ سے ہوئی ان حضرات نے مولانا خلیل احمد بدایونی سے پوچھا کیا یہ صحیح ہے کہ آپ حفظ الایمان کی عبارت اور شرح مواقف کی عبارت کا ایک ہی مطلب مراد لیتے ہیں مولانا بدایونی نے کہا یہ فقیر پر بہتان ہے۔

پھر بات مولانا احمد رضا خاں کی مشق تکفیر کی چلی مولانا خلیل احمد صاحب نے کہا علماء دیوبند کی تخصیص نہیں مولانا احمد رضا خاں نے تو علماء بدایوں پر بھی کفر کا فتوے دے رکھا ہے مولوی حبیب الرحمٰن نے کہا یہ کفر لزومی کا فتوے ہے کہ علماء بدایوں کی ان باتوں سے کفر لازم آرہا ہے یہ نہیں کہ علماء بدایوں میں اس کا التزام پایا جاتا ہے لزوم اور التزام میں فرق ہے۔

مولانا خلیل احمد صاحب بدایونی کے پاس رسالہ سد الفرار مصنفہ مولانا احمد رضا خاں موجود تھا انہوں نے نکالا اور بتایا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے مولانا عبد المقتدر بدایونی پر یہ پانچ حکم کفر لگائے ہیں اور آخر میں لکھا ہے:۔

"برادرم پر کم از کم بلاشبہ بالاجماع پانچ حکم کفر لازم ہوئے"[1]

مولانا خلیل احمد خاں نے پوچھا کیا بلاشبہ بالاجماع کفر لزومی ہوتا ہے یا التزامی ؟ اس کا جواب ان علماء سے کچھ بن نہ پڑا۔

② پھر دوسری مرتبہ قاضی شمس الدین صاحب مفتی رضوان الرحمٰن صاحب مولوی غلام محمد صاحب ناگپوری بدایوں آئے اور مسجد جعفری میں مولانا خلیل احمد خاں صاحب سے بات ہوئی علماء دیوبند کی تکفیر موضوع تھا لیکن ان علماء سے علماء دیوبند کے خلاف کوئی بات بن نہ پڑی سوائے اس کے کہ وہ اپنی اس تکفیر کا بار مولانا احمد رضا خاں صاحب پر ڈالتے رہتے قاضی شمس الدین صاحب نے کہا مولانا احمد رضا خاں مفتی مسلم تھے

---

[1]

مولانا خلیل احمد بدایونی نے پُوچھا:۔

فرمائیے کہ فاضل بریلوی صاحب کا طبقہ فقہاء کے طبقات سبعہ میں سے کون سا طبقہ تھا ان سات طبقوں کی تصریح درمختار ردالمختار اور طحطاوی علی الدرالمختار وغیرہ کتب معتبرہ میں موجود ہے[1]

قاضی شمس الدّین نے کہا فاضل بریلوی اصحاب الترجیح میں سے تھے۔ اس پر مولانا خلیل احمد بدایونی نے کہا:۔

"علماء اعلام اصحاب الترجیح میں صاحب ھدایہ اور علامہ ابن ھمام کو ذکر کرتے ہیں اور صاحب وقایہ اور صاحب کنز الدقائق کو اس درجہ میں تسلیم نہیں کرتے انہیں اصحاب التصحیح میں سے سمجھتے ہیں آپ حضرات نے فاضل بریلوی کو اصحاب الترجیح میں کیسے داخل کرلیا ہے۔ اس پر قاضی صاحب نے کہا ہم مناظرہ کے لئے نہیں آئے تھے صرف ملاقات کے لئے آئے تھے۔"

البتہ مولانا رضوان الرحمٰن صاحب نے مولانا بدایونی سے ایک نہایت اہم سوال کیا مولانا خلیل احمد بدایونی کا بیعت کا تعلق مارہرہ کے حضرت سید محمد میاں سے تھا اور ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ مسئلہ تکفیر میں مولانا احمد رضا خان کے ساتھ تھے مولانا رضوان الرحمٰن صاحب نے مولانا بدایونی سے پوچھا آپ کا سلسلہ بیعت حضرت سید محمد میاں سے قائم رہا ہے یا نہیں؟ وہ تو علماء دیوبند کی تکفیر کرتے تھے۔

مولانا بدایونی نے کہا مسائل کفر و اسلام میں شیوخ و مرشدین کا اتباع نہیں بلکہ ائمہ ھدی اہل السنۃ والجماعۃ کا اتباع کیا جائے گا یہ مسئلہ تقلیدی نہیں دار و مدار اس کا تحقیق پر ہے امام احمد کا فتویٰ یزید کی تکفیر پر ہے حضرت پیران پیر امام احمد کے مقلد تھے ظاہر ہے کہ ان کا فتویٰ اپنے امام کے فتوے پر ہو گا۔ مولانا احمد رضا خاں قادری تھے اور یزید کی تکفیر نہ کرتے تھے[2] آپ بتائیں کہ اعلیٰ حضرت کی بیعت قادری سلسلے میں قائم رہی یا نہ؟

---

[1] انکشاف صہ ۴۳

مولانا بدایونی نے کہا :۔

آپ لوگ اور علماء محققین باوجود قادری ہونے کے یزید کو کافر کیوں نہیں کہتے اس بارے میں کیوں سکوت اور کف لسان کرتے ہیں ان حضرات کی بیعت حضرت پیران پیرؒ سے قائم رہی یا نہیں اگر ان حضرات کی بیعت رہی تو فقیر کی بھی بیعت رہی اور اگر ان کی اور آپ کی بیعت سلسلہ عالیہ قادریہ میں نہیں رہی تو فقیر کے لئے بھی حکم لگا سکتے ہیں [1]

(۴) تیسری مرتبہ مولانا احمد رضا خاں کے ان حمایتیوں نے یہ چال چلی کہ کچھ نوعمر علماء اکٹھے کر کے شور و شغب کرنے کی ٹھانی مولانا امجد علی کے لڑکے مولوی ضیاء اور مولوی حشمت علی کے لڑکے مولوی مشاہد رضا خاں کو آگے لگایا اور کہا جاتا ہے ان کے ساتھ مولوی شریف الحق اور غلام محمد ناگپوری بھی تھے مولانا خلیل احمد صاحب بدایونی لکھتے ہیں :۔

''ان لوگوں نے بدایوں میں جمع ہونے سے قبل بریلی میں ایک مخصوص میٹنگ کی جس میں طے کیا کہ ہمارے بچاؤ کی صرف ایک صورت ہے کہ ہم لوگ حسب عادت خوب شور و غل مچائیں اور عوام کی فریب دہی کے لئے (مولوی خلیل احمد خاں پر) فتوے کفر ضرور لگا دینا چاہیئے'' [2]

یہ نوجوان علماء جب بدایوں آئے اور مناظرہ کی بات چلی تو مولانا خلیل احمد صاحب بدایونی نے ان سے چھ سوال کئے کہ پہلے ان کا جواب آنا چاہیئے وہ سوالات حسب ذیل تھے :۔

۱ــــ اہل سنت و جماعت کی جامع و مانع تعریف بیان کیجئے ؟

۲ــــ اہل قبلہ اور اہل لا الٰہ الا اللہ کا ایک ہی مطلب ہے یا الگ الگ اگر ایک ہی مطلب ہے تو کیا ہے الگ الگ ہے تو کیا ہے ؟

۳ــــ علماء کرام کے طبقات بعض نے پانچ بتاتے ہیں اور بعض نے سات لہٰذا فاضل بریلوی کے متعلق صاف صاف واضح کیجئے ان طبقات میں سے کون سے طبقے کے عالم تھے مخمسین کے اعتبار سے کون سے طبقہ کے مسبعین کے اعتبار سے کون سے رتبہ کے

۴ــــ وہابی اور دیوبندی کی الگ الگ جامع و مانع تعریف بیان کیجئے۔

[1] انکشاف حق ص۴۴ [2] ایضاً ص۴۶

۵ـــــ فقیر کا طریقہ جو آپ پر خوب واضح ہے یعنی اکابر دیوبند کے بارے میں کف لسان کرنا اس پر شرعاً کیا حکم لگتا ہے اس حکم کو دلیل شرعی سے ثابت کیا جائے۔

۶ـــــ وہ علماء جن کے نام نیچے لکھے جاتے ہیں ان کے بارے میں بتلائیے کہ یہ علماء آپ کے نزدیک مسلم ہیں یا غیر مسلم بصورت مسلمان یہ سُنّی ہیں یا غیر سُنّی ؟ علمائے فرنگی محل لکھنو میں مولانا عبدالحی صاحب لکھنو، مولانا عبدالباری صاحب و مولانا عتیق میاں صاحب علماء رام پور میں مولانا سلامت اللہ صاحب، مولانا عبدالغفار خان صاحب و مولانا کرامت اللہ خان صاحب، مولانا ارشاد حسین صاحب، مولانا خلیل اللہ خان صاحب۔ مولانا عبدالبصیر میاں صاحب پیلی بھیت و مولانا نذیر احمد صاحب احمد آباد دگجرات۔ علماء بدایوں، مولانا عبدالقادر صاحب، مولانا عبدالمقتدر صاحب، مولانا عبدالقدیر صاحب، مولانا محب احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمن صاحب سابق مفتی مدرسہ قادریہ بدایوں رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان حضرات کے بارے میں آپ کا لاعلمی ظاہر کرنا کافی نہ ہوگا کیونکہ ان میں اکثر کے ذکر فاضل بریلوی کے رسائل میں موجود ہیں[۱]

عزیزانِ گرامی : یہ سوالات تھے جو فقیر نے ان کو بھیجے تھے مگر اس کے جواب میں ساری پارٹی کو سانپ سونگھ گیا جب درمیانی لوگوں نے بار بار تقاضے کئے کہ ان سوالات کا جواب دیا جائے تو سُنا گیا کہ مفتی حکائی شریف الحق نے فرمایا کہ ان سوالات کا جواب ہم نہیں دے سکتے اگر ہم ان کا جواب دیں گے تو ہمارے ہاتھ کٹ جائیں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ دھوکہ اور فریب کا جال پھیلانے کے لئے بدایوں تشریف لائے تھے کسی دینی مسئلہ پر گفتگو کرنے نہیں آئے تھے۔ افہام وتفہیم مقصود نہ تھا دینی احکام میں طلب حق ان کا مقصود نہیں ہے صرف عوام ناواقفوں کو دام تزدیر میں پھانسنا ان کا مقصد ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدایوں کے باشندے اہل علم وفہم اس دام تزدیر کو سمجھ گئے غلام محمد ناگ پوری کی تحریریں ہمارے پاس موجود ہیں جس میں صاف طور پر مناظرے کی تیاری اور لوازمات کا ذکر ہے یہاں بدایوں پہنچ کر حیلہ بنانا بوجہ مصلحت اور دور اندیشی کے اور یہ کہا کہ ہم مناظرہ نہیں کرتے صرف آپس کی افہام وتفہیم کے لئے کچھ گفتگو ہوگی وہ بھی تنہائی میں۔

---

[۱] انکشاف حق صفحہ ۴۸

فقیر نے اس پر یہ کہا کہ اگر یہ ہی چاہتے ہو تو کم از کم شہر بدایوں کے اہل علم و فہم حضرات کو ہی بلا لیا جائے یعنی مولوی اقبال حسین صاحب امام و خطیب جامع مسجد شمسی و صدر مدرس مدرسہ قادریہ اور مولوی محمد ابراہیم صاحب صدر مدرس مدرسہ شمس العلوم اور سجادہ نشین درگاہ قادریہ مولوی حافظ سالم میاں صاحب تاکہ گفتگو کو یہ حضرات بھی سن لیں مگر وہ تو خوب جانتے تھے کہ ہم لوگ نہ کوئی جواب دے سکتے ہیں اور نہ دے سکیں گے۔ یہ حضرات آجائیں گے تو ہمیں عوام کو فریب دینے اور جھوٹ بولنے کا موقع کم ملے گا لہٰذا اس کو منظور نہ کیا منظور کیوں کرتے حق طلبی اگر ہوتی تو ضرور منظور کرتے وہاں تو مقصود ہی کذب بیانی اور عوام کو فریب دہی تھا۔

اس گفتگو میں فقیر نے اپنے مسلک یعنی علماء دیوبند کی تکفیر سے کف لسان کی تائید اور تشہید میں جو دلائل پیش کئے ان میں سے کسی بات کا کوئی مسکن جواب تو کیا دیتے من گھڑت اور جھوٹ ملاں آں باشد کہ چپ نشود کے نقشے دکھائے مثلاً فقیر نے سوال کیا تھا کہ فاضل بریلوی نے مولوی اسمٰعیل صاحب مرحوم دہلوی کے بارے میں کف لسان کیوں کیا اس کے جواب میں بے پر کی اڑائی کہ تقویۃ الایمان کے متعلق یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ یہ کتاب مولوی اسمٰعیل صاحب کی ہے وہ کتاب لکھنے کے بعد پاغستان چلے گئے اور یہ کہہ گئے تھے کہ میں واپسی کے بعد اس کتاب میں ترمیم کروں گا وہ وہاں جاکر انتقال کر گئے لوگوں نے اسکو چھپوادیا۔

مسلمانوں اس سراپا کذب و افتراء کو ملاحظہ فرمائیے کہ جو چیز کبھی فاضل بریلوی کے بھی خواب و خیال میں نہ آئی مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے جو "تقویۃ الایمان" کے رد کے نام سے جو کتاب لکھی ان کے بھی کبھی خیال میں نہ آئی۔ وہ ان فرزند ارجمند مولوی حشمت علی صاحب کے دماغ میں سمائی جس کا سر نہ پیر بے پر کی اڑائی ہے۔

پھر فقیر نے سوال کیا کہ علماء دیوبند نے جب صریحاً انکار اور اس مضمون خبیث سے تبری و تحاشی بیان کردی اور اسی عبارت کا مطلب بھی بتادیا اس کے بعد فاضل بریلوی کی کوئی تحریر جو خاص ان ہی کی ہو جس میں انہوں نے ان کے انکار اور تبری و تحاشی کے علم کا اقرار کرتے ہوئے پھر بھی ان کے لئے حکم کفر و ارتداد باقی رہنے کو بیان کیا ہو تو دکھائیے اس کے جواب میں "دفعات السنان" کو پیش کیا۔ فقیر نے کہا میری شرط کے مطابق یہ رسالہ نہیں ہوا کیونکہ میری شرط تو یہ ہے

کہ فاضل بریلوی ہی کی تصنیف ہو کیونکہ کفر کا فتویٰ دینے والے وہ ہی تو ہیں۔ یہ رسالہ تو مولوی مُصطفیٰ رضا خاں صاحب کا لکھا ہوا ہے لہٰذا اس کو پیش کرنے سے کیا فائدہ خاص فاضل بریلوی کی تصنیف دکھایئے میرے سوال کا جواب جب ہی ہوگا چنانچہ اس کے جواب میں عاجز ہوگئے

الغرض مختصر یہ ہے کہ تجربہ سے ثابت ہوا کہ اس گروہ کا مقصد حق طلبی نہیں صرف عوام کو پھانسنا ہے بے علم لوگوں کو فریب دینا ہے۔

فقیر کا مقصد الحمد للہ حق گوئی اور حق طلبی ہی رہا اور ہے اگر ان لوگوں میں شمہ بھر بھی حق طلبی ہوتی تو فقیر کو اس کے شبہات و سوالات کا مسکن جواب کسی مناسب صورت سے دیتے اور ان سوالات کو واضح طور پر حل کرتے یہ لوگ زبردستی منوانا چاہتے ہیں یعنی سمجھ میں آئے یا نہ آئے قواعد علوم شرعیہ کے موافق ہو یا مخالف ہماری بات مانو اور ہمارے مقلد بنو ورنہ فتوائے کفر ہے فاضل بریلوی کی آنکھ بند کر کے تقلید کرو ورنہ نہ سُنّی نہ مسلمان یہ ہے ان کا مذہب اور ایمان گویا شریعت مطہرہ محمدیہ علیٰ صاحب الصلوٰۃ والسلام کے یہ لوگ ٹھیکیدار ہیں کفر و اسلام کی سند ان کے قبضے میں ہے جنت دوزخ کے یہ مالک ہیں اپنی رائے سے جسے چاہیں جنتی بنا دیں جسے چاہیں دوزخی بنا دیں[1]

آگے چل کر مولانا خلیل احمد بدایونی لکھتے ہیں:۔

"کیا تمہارے نزدیک علماء اکابر دیوبند کو کافر کہنے کا نام دین و مذہب ہے اس کو دین و مذہب کس نے بتایا۔ فاضل بریلوی کا فتویٰ کیا دین و مذہب بن گیا۔ وہ بھی ان کی انفرادی رائے جس میں ان کے ہمعصر علماء ہندوستان بھی متفق نہیں علماء دیوبند کی عبارات کی نقل و مطلب پہ اہل علم کا بہت کلام ہے افسوس جہالت اور نفسانیت نے صمٌّ بکمٌ بنا دیا اور اس پر طرّہ یہ کہ اپنے کو اہلِ حق بتاتے ہیں"

فاضل بریلوی اپنے دور کے ایک معروف عالم تھے لیکن اس کے معنیٰ یہ تو نہیں کہ وہ بشر نہ تھے فرشتے تھے یا نبی و رسول تھے نعوذ باللہ پھر ان کی انفرادی رائے کیسے قطعی یقینی ہو گئی امام ابو حنیفہ و امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہم اجمعین جو مسلمانوں کے مسلّم پیشوا اور مجتہدین مطلق کے درجات عالیہ پہ فائز ہیں ان کی بھی اجتہادی رائے قطعی نہیں ہو سکتی نہ کسی مسلمان نے آج

---

[1] انکشاف حق ص ۱۵

بدعت بریلویت میں کیسے منتقل ہوئی

آپ پیچھے دیکھ آئے ہیں کہ اہلسنت کے حلقوں میں عملی بدعات پانچویں صدی ہجری میں شروع ہو گئی تھیں لیکن علماء کا کوئی حلقہ یا تنظیم انہیں استنادِ علمی دینے کے لیے تیار نہ تھا اور بدعت بھی اس درجہ تشدد میں نہ تھی کہ اپنے ماسوا پوری امت کی تکفیر کر دی جائے۔ بدعت کو یہ نقطۂ انتہا مولانا احمد رضا خاں کے دم قدم سے ملا۔

مولانا احمد رضا خاں کی یہ انتہا پسندی ان کی طبیعت کی شوخی تھی جس سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے کھیلنا چاہتے تھے یا ان کے پیچھے بدیشی حکومت کا ہاتھ تھا بصورت ثانی بدعت اور بریلویت میں حدِ فاصل یہی ہے۔ جماعت دیوبند کی تکفیر سے انگریزوں کی سیاسی پالیسی کہ لڑاؤ اور حکومت کرو، بہت کھل کر سامنے آ جاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جاہل مسلمان خان صاحب کی چال میں آ گئے۔

وہ پیران طریقت اور مشائخ عظام جو علماء دیوبند کے طریق پہ نہ تھے (علماء دیوبند زیادہ تر چشتی صابری تھے اور یہ چشتی نظامی) اور علم و شعور سے کچھ بہرہ رکھتے تھے وہ مولانا خلیل احمد خاں سے خاصے متاثر ہوئے۔ اور انہوں نے تکفیر امت میں مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ نہ دیا۔ تونسہ شریف (ضلع ڈیرہ غازیخاں) سیال شریف (ضلع سرگودھا) اور گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی) کے مشائخ نے مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ دینے اور علماء دیوبند کی تکفیر سے انکار کر دیا۔ جناب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے واضح طور پر اس تکفیر سے انکار کیا۔ آپ ایک مقام پہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے حق میں کھل کر دعا کرتے ہیں۔

> اس مقام پہ امکان یا امتناع نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تصویب و تغلیط کسی کی از فریقین اسمٰعیلیہ و خیر آبادیہ میں سے شکر اللہ سعیہم راقم السطور دونوں کو ماجور (اجر یافتہ) و مثاب (ثواب یافتہ) جانتا ہے۔ [1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک خانقاہوں میں بریلویت نہ آئی تھی نہ اس وقت تک کوئی جماعت دیوبندی کے نام سے معروف تھی پیر صاحب نے ایک گروہ کو اسمٰعیلیہ کہہ کر ذکر کیا ہے اس وقت تک اس گروہ کو دیوبندی کا نام نہ دیا گیا تھا۔ دیوبندی بریلوی کی موجودہ تفریق بہت بعد کی ہے۔ خانصاحب کے وقت میں بدعات تو تھیں لیکن بریلویت ابھی کہیں نہ ابھری تھی۔

---

[1] ضمیمہ رسالہ عجالہ بر رسالہ صـ وفتاوٰے مہریہ صـ۱۵

تک یہ کہا کہ ان کی اجتہادی رائے یقینی اور قطعی بلا شبہ ہے عقائد نسفی وغیرہ کتب معتبرہ میں صاف فرمایا گیا ہے۔

المجتہد قد یخطی وقد یصیب۔	یعنی مجتہد مسائل اجتہادیہ میں کبھی مخطی ہوتا ہے کبھی مصیب۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو افقہ الصحابہ بعد الخلفاء الراشدین ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنیفۃ العلم (یعنی علم کی تھیلی) فرمایا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد التحیات میں السلام علیك ایھا النبی کی جگہ السلام علی النبی پڑھتے تھے۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ موجود ہے لیکن علماء امت نے اس کو ان کی ذاتی رائے قرار دے کر ترک کر دیا۔

مسلمانو! ذرا انصاف تو کرو اتنے بڑے پیشوایانِ اسلام کے اجتہادی اقوال تو حجت شرعیہ نہ بن سکے نہ ان کو دین و مذہب کا عقیدہ بنا کر پیش کیا گیا۔ آج فاضلِ بریلوی کے ایک فتوے کو جس کا دارومدار صرف ان کی اپنی انفرادی رائے پر ہے مسلمانوں کا دینی ایمانی عقیدہ بنا کر پیش کرنا اور اس پر شک کرنے والے کو کافر و مرتد بتانا کون سا دین و شریعت ہے۔ کیا اسی کا نام عشق رسول اور سُنیت ہے۔ یہ کھلا دھوکہ اور فریب ہے جس سے ناواقف مسلمانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔[1]

مولانا خلیل احمد خاں قادری برکاتی کی یہ شہادت مولانا احمد رضا خاں اور ان کے پیرخانہ مارہرہ شریف کے اپنے حلقے کی شہادت ہے اور یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کو تکفیرا کابر دیوبند پر اپنے دور کے اکابر علماء کی کہیں تصدیق نہ مل سکی۔ جب اس دور کے اکثر اکابر دنیا سے رخصت ہو گئے تو پھر ان کے جاہل متاخرین اور پیشہ ور واعظین نے اپنے عوام کو علمائے بدایوں کے گرد جمع کرنے کی بجائے مولانا احمد رضا خاں کی عقیدت پر جمع کرنا شروع کر دیا۔ یہ بریلویت کی ابتداء ہے جو مولانا احمد رضا خاں کے نام سے چلی۔

---

[1] انکشاف حق ص۴۳ تا ص۵۵

یہ اسماعیلیہ فرقہ کون ہے جس کے ماجور (اجر یافتہ) و مثاب (ثواب یافتہ) ہونے کا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ اظہار فرما رہے ہیں؟ یہ علمائے دیوبند ہیں جو آج حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے علمی اور مسلکی وارث سمجھے جاتے ہیں، جناب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی یہ تحریر یہ واضح کرتی ہے کہ خانقاہ گولڑہ اور اس کے متوسلین ہرگز بریلوی نہیں، بریلوی وہی ہیں جو مولانا احمد رضا خاں کو اپنا پیشوا مانتے ہیں اور وہ ان کے خاص دین و مذہب ہیں جس کی آپ نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی۔

جناب خواجہ ضیاء الدین صاحبؒ سجادہ نشین سیال شریف نے تحریک خلافت اور ترک موالات میں کھل کر مولانا احمد رضا خاں کی مخالفت کی اور کھل کر علمائے دیوبند کا ساتھ دیا اور جمعیت علمائے ہند کے فتوے کی حرف بحرف تائید کی۔ آپ دیوبند بھی تشریف لے گئے اور واپسی پر آپ نے اپنے حلقۂ اثر میں یہ بات عام کہی کہ میں نے دیوبند میں اصل حنفیت دیکھی ہے، وہاں آپ نے چندہ بھی دیا۔

آپ پر یہ اثر خانقاہ تونسہ شریف کا تھا جس کے مفتی اور مدرسین اب تک علماء دیوبند رہے ہیں، یہ پنجاب کے وہ مذہبی حلقے ہیں جنہوں نے مولانا احمد رضا خاں کو منہ نہ لگایا۔ نہ اُن کے طریقے پر کبھی امت کی تھوک تکفیر کی ــــــ یہ صحیح ہے کہ ان خانقاہی حلقوں میں بہت سی جاہلی رسومات اور بدعات رائج اور موجود ہیں، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ان کے اہل علم نے فقہی سطح پر کبھی ان کی تائید نہیں کی۔ انہوں نے شریعت اور فقہ حنفی کا ہمیشہ احترام کیا ہے۔

بدعت کی انتہائی خطرناک منزل

بدعت کی انتہائی خطرناک منزل یہ ہے کہ وہ بریلویت میں منتقل ہو جائے اور اسے وہ علمی استناد مہیا ہو جائے کہ اس کے پیرو معصیت کی یہ منزل (بدعات پر عمل پیرائی) اسے طاعت (نیکی) سمجھ کر طے کریں۔

الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔ (پ ۱۶: الکہف ع ۱۲)

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی محنت بھٹکتی رہی دُنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے
کہ وہ خوب اپنے کام بنا رہے ہیں۔

دنیا میں انسان جو محنت کرتا ہے اس امید سے کرتا ہے کہ اسے اس کا صلہ ملے گا ــــ یہاں ملے
یا آخرت میں ــــ دنیوی کاموں میں ان کا صلہ اسے یہیں (اس دنیا میں) مل جاتا ہے اور دینی کاموں کی جزاء
آخرت میں ملنے کا یقین ہوتا ہے انسان ایسا کوئی کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا جس کی جزاء اسے نہ یہاں
ملے نہ وہاں۔

بدعات وہ اعمال ہیں جنکی جزاء نہ یہاں ہے نہ وہاں ــــ گو بدعتی یہ کام اس امید میں کرتا چلا جاتا
ہے کہ وہ اپنی آخرت بنا رہا ہے ــــ یاد رکھئے اس کی یہ محنت یہیں بھٹک کر رہ جائے گی اور اس کے
یہ کیئے کام آگے نہ جا سکیں گے۔ سنت والے اعمال ہی آگے بڑھتے ہیں اور پاک کلمے ہی اللہ رب العزت
کے ہاں اٹھائے جاتے ہیں

علمائے اہل سنّت کی جوابی کارروائی

علمائے دیوبند نے اہل بدعت کے اس موقف کو کبھی زندگی کا موضوع نہیں بنایا۔ ان کا
مسلکی مزاج یہ ہے کہ دین کا علم پھیلاتے جاؤ بدعت کے اندھیرے خود چھٹتے جائیں گے۔ جہالت کا
علاج مقابلے سے نہیں علم پھیلانے سے ہے۔ جوں جوں علم پھیلتا جائے گا بریلویت خود بخود ختم ہوتی
جائے گی۔ مقابلے سے جہالت اور ضد بڑھتی ہے۔ علمائے دیوبند عام طور پر اسی راہِ اعتدال پر چلے
ہیں ــــ بریلویت ان علماء حق کے ردِ عمل کے طور پر وجود میں آئی ہے، لیکن دیوبند اور اس کے
دیگر ہم مسلک ادارے محض علم کی نشر و اشاعت کے لیے قائم کیئے گئے تھے۔ کسی ایک طبقے یا گروہ
کے ردِ عمل کے طور پر نہیں ــــ ہاں ضمنی طور پر علمائے حق نے ردِ منکرات اور قمع بدعات میں مؤثر
کام کیا ہے اور آج برصغیر پاک و ہند میں توحید و سنّت کے کتنے چراغ ہیں جو انہی علمائے حق اہل السنۃ
والجماعت کے جلائے ہوئے ہیں اور جوں جوں علم پھیل رہا ہے مدارس اور سکول بڑھ رہے ہیں
بریلویت کم ہوتی جا رہی ہے۔ علم شہروں میں دیہات کی نسبت زیادہ ہے اور دیہات میں بھی جہاں
دینی مدارس یا مکاتب قائم ہیں آپ کو بریلوی زیادہ نہ ملیں گے وہاں اکثریت اہل سنّت (علماء حق)
کی ہوگی بریلویوں کی نہیں۔

چودھویں صدی کے علماء حق میدان میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ منکر کو دیکھو تو اسے اپنے ہاتھ سے بدلو یہ موقع نہ ہو تو اسے اپنی زبان سے بدلو ــــ لکل فرعون موسیٰ (ہر سرکشی کا کوئی سر کچلنے والا بھی ہوتا ہے) پرانی مثل چلی آرہی ہے چودھویں صدی میں جب علماء سوء کا ایک گروہ ملنگوں اور قبر پرستوں کو علمی استناد مہیا کرنے لگا اور ان کی ہر بدعت کو سند جواز ملنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی کے علماء حق کو بھی میدان میں لاکھڑا کیا جو ان علماء سوء کی تحریف دین کی ہر کوشش پر ان سے نبرد آزما رہے اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ علماء حق بمجوائے حدیث لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق علماء سوء پر ہمیشہ غالب رہے اور علماء سوء کا یہاں تک پیچھا کیا کہ ان کے ان کے غلط ترجمۂ قرآن پر مرکز اسلام میں پابندی لگ گئی، نہ یہ خود وہاں جا سکیں اور نہ ان کا غلط ترجمہ قرآن وہاں پڑھا جا سکے۔ یہ علماء حق کی مخلصانہ محنتوں کا ثمرہ ہے جو انہوں نے یہاں اس دنیا میں ہی دیکھ لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچا فرمایا:-

لا یدخل المدینۃ رعب المسیح الدجال

اہل بدعت نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر وقت ہر جگہ حاظر و ناظر ہونے کا عقیدہ گھڑا تو اہل حق نے بالکل مداہنت نہیں کی۔ صاف کہا اور صاف بتلا دیا کہ ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ لکھتے ہیں:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ سمجھنا چاہیئے، ورنہ اسلام کیا ہو گا کفر ہو گا۔[1]

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ لکھتے ہیں:

> اس کو حاضر و ناظر سمجھنا یا مدد و معاون جاننا یا فرط تعظیم کہ عبادت کے مرتبہ کو پہنچا دے کرنا یہ سب امور شرکیہ ممنوع ہیں۔[2]

ان حضرات نے جس طرح حاضر و ناظر کے عقیدہ کو (کہ بندگان دین۔ انبیاء و اولیاء کو ہر وقت

---

[1] ...

[2] بیاض یعقوبی ص ۱۵

ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا) کفر و شرک قرار دیا ہے۔ یہ حضرت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے علم غیب کے اثبات کو بھی کفر قرار دیتے رہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی لکھتے ہیں:۔

اثبات علم غیب اگرچہ بمعنی مخترع عوام باشد بر اہل ایمان ہمچو اطلاق دیگر کفریات اگرچہ بتاویل حسن باشد گراں باشد۔[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرنا گو وہ عوام کے من گھڑت معنی (عطائی علم غیب) کے مطابق ہی کیوں نہ ہو دوسرے کفریات کی طرح اس کا اطلاق بھی کتنی اچھی تاویل کے ساتھ کیوں نہ ہو اہل ایمان پر بہت گراں ہے۔

حضرت نے یہ وہی بات کہی ہے جو اس سے پہلے حنفیہ کرام بڑی صراحت سے لکھ چکے ہیں:۔

(وكذا علم المغيبات) اى وكعدم علم بعض المسائل عدم علم المغيبات فلا يعلم النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب لمعارضة قوله تعالى قل لا يعلم من في السموات والارض الغيب الا الله[2]

ترجمہ۔ جس طرح بعض مسائل کو نہ جاننا ہے اسی طرح غیب کی باتوں کو نہ جاننا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی غیب کی باتوں میں سے صرف انہی کو جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مختلف موقعوں پر بتلائیں اور حنفیہ کرام نے فقہ کی کتابوں میں اس کی صراحۃً تکفیر کی ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم غیب رکھتے ہیں یہ تو قرآن کریم کے صریح معارض ہے۔ قرآن کریم میں ہے آپ کہہ دیں کہ جو کوئی آسمانوں میں ہے یا زمین میں غیب کا علم کوئی نہیں رکھتا۔

اکابر دیوبند کی ان تصریحات سے پتہ چلا کہ چودھویں صدی کے علماء سو۔ جب اپنے مجوزہ شرک کو علمی استناد مہیا کر رہے تھے اور عام خلائق کو گمراہ کر رہے تھے تو علماء حق اس اشاعت منکر پر خاموش نہیں بیٹھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عقیدہ حاضر و ناظر،

---

[1] ...

[2] مسامرہ شرح مسایرہ ص۲۳۵

اثبات علم غیب. انکارِ بشریت اور نور من نور اللہ کے شرکیہ عقائد کو کسی تاویل سے بھی گوارا نہیں کیا اور نہ کسی درجے میں انہوں نے اسلام کے چشمۂ توحید کو گدلا ہونے دیا ہے۔

مسئلہ بشریت پر حضرت مولانا سید عبد الحق ہمدانی شاگرد مولانا غلام دستگیر قصوری کے صاحبزادے مولانا سید مبارک علی شاہ ہمدانی نے رسالہ سید البشر (جس کا تفصیلاً ذکر ہم مقدمہ میں کر آئے ہیں) لکھ کر اس مسئلہ میں بھی اہل بدعت پر حجت تمام کر دی۔ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی نے انکارِ بشریت کو شیعہ عقیدہ قرار دیا ہے اور علامہ نعمان آفندی آلوسی لکھتے ہیں کہ منکر بشریت کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ صحابہؓ کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کی طرف انسانوں کو ہی رسالت دے کر بھیجتے رہے ہیں۔ سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ قرآن کریم کی آیت نزلنا علیہم من السماء ملکا رسولا۔ (پ۱۵ اسرائیل) کی تفسیر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں:-

لا نرسل الی الملئکۃ الرسل الا الملئکۃ والی البشر الا البشر[1]

ترجمہ: ہم فرشتوں کے پاس فرشتوں سے رسول اور انسانوں کے پاس انسانوں سے رسول بھیجتے ہیں۔

بریلویت شرک کی راہ سے تو اس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کہنا ان کے لیے خاصا مشکل تھا مگر یہ کہنا کہ آپ خدا نہیں ہیں یہ اقرار بھی ان کے لیے خاصا مشکل تھا۔ مولانا احمد رضا خاں تو ساری عمر اسی حیرت میں پڑے رہے کہ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔ ؎

ممکن میں یہ قدرت کہاں — واجب میں عبدیت کہاں
حیران ہوں یہ بھی ہے خطا — یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مولانا احمد رضا خاں مقامِ حیرت پر آکر ٹھہر گئے۔ لیکن ان کے اصاغر نے آپ کو خدا کہنے کی ایک راہ نکال ہی لی کہ انسان جب سونے سے اٹھتا ہے اور ابھی اس کے حواس پوری طرح نہیں لوٹے ہوتے اس حال میں اگر وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خدا کہہ لے تو بہت کچھ بالش نکل سکتی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن عباس بحاشیہ الدر المنثور جلد ۳ صفحہ ۱۵۸

~ میں سوجاؤں یا مصطفےٰ کہتے کہتے کھلے آنکھ صلّ علیٰ کہتے کہتے
حبیبِ خدا کو خدا کہتے کہتے خدا مل گیا مصطفےٰ کہتے کہتے [1]

یہ بات ان کے نعت خوانوں کی تھی. خود یہ اس سے زیادہ اسلام کے عقیدۂ توحید کے خلاف نہ جا سکے. تاہم مولانا احمد رضا خاں نے کچھ لفظی الزامات کے سہارے اور تحریف عبارات کے رستے علماء حق کے خلاف ایک اچھا خاصا محاذ قائم کر لیا. حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری نے اس وقت المہند علی المفند کے نام سے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب کے نام سے ان تمام الزامات کے شافی اور مسکت جوابات دیئے اور احمد رضا خاں کو مفند اور کاذب ٹھہرایا —— ان حضرات نے ان تمام بہتانوں اور تہمتوں کا جواب دیا جو مولانا احمد رضا خاں نے ان کے ذمہ لگائے تھے. لیکن ان کے یہ جوابات محض اتقوا مواضع التہم کے حکم کی بجاآوری میں تھے. انہوں نے خود مولانا احمد رضا خاں کے عقائد پر کوئی بات نہ چھیڑی. نہ ان کے ہاں خان صاحب کی کچھ اہمیت تھی نہ ان اکابر نے خان صاحب کی کوئی کتابیں دیکھیں اور مطالعہ کی تھیں۔

مولانا احمد رضا خاں کے مقابلے میں جو بزرگ سب سے پہلے میدان میں آئے وہ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ ہیں. مولانا مرتضیٰ حسنؒ چونکہ صاحبِ فن مناظر تھے اور مولانا احمد رضا خاں نے کبھی کسی سے مناظرہ نہ کیا تھا اس لیے خان صاحب سید صاحبؒ کے سامنے کھڑے نہ ہو سکے اور مناظرے کا میدان علمائے دیوبند کے نام رہا. مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ نے پھر بھی خانصاحب کو نہ چھوڑا زبان نہ سہی انہیں قلم کی ایسی مار دی کہ خانصاحب ان کی کسی بات کا جواب نہ دے سکے. سید صاحب نے مولانا احمد رضا خاں کے خلاف بتیسؔ رسالے لکھے جن میں مندرجہ ذیل بہت اہم ہیں

① تزکیۃ الخواطر عما القی فی امنیۃ الاکابر. ② توضیح البیان فی حفظ الایمان.
③ اصدی المنتقہ والمتعین علی الواحد من الشلاثین ④ انتصاف البری من الکذاب المفتری.
⑤ الختم علیٰ لسان الخصم ⑥ الکواکب الیمانی علیٰ اولاد الزوانی
⑦ اسکات المعتدی ⑧ لزام علی اللئام

---

[1] نور محمد ص

(۹) سبیل السداد فی مسئلۃ الاستمداد (۱۰) السحاب المدار فی توضیح اقوال الاخیار
(۱۱) الاعلان لدفع البغی و الطغیان (۱۲) مبرّ المہاد لمن یخیف المیعاد
(۱۳) الطامۃ الکبریٰ علی من کذب و تولّیٰ (۱۴) الطین اللازب علی الاسود الکاذب
(۱۵) رد التکفیر علی الفحاش الشنظیر (۱۶) نار الغضا فی جوانح الرضا
(۱۷) قطع الوتین ممن تقوّل علی الصالحین (۱۸) تسہیل علی الجعیل
(۱۹) الکفر المتبین فی الصریح المعین (۲۰) کوکب الیمانین علی الجعلان و الخراطین

ان رسالوں کے نام اور عنوان بتا رہے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں میں شرک کرا دینے کے لیے کس درجہ میں ضد اور عناد کی یہ آگ بھڑکائی تھی اور پھر کس طرح حضرت مولانا مرتضیٰ حسنؒ نے اسے احمد رضا خاں کی پسلیوں میں دے مارا۔ نار الغضا فی جوانح الرضا اس انتباہ کی منہ بولتی شہادت ہے۔

اس شدید مخالفت کے باوجود ہندوستان ابھی تک بریلویت سے ناآشنا ہے شرک و بدعت بے شک عوام میں بُری طرح سرایت کر چکا ہے اور مولانا احمد رضا خاں اسے ایک مذہب کی صورت بھی دے چکے ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ معرکہ مولانا مرتضیٰ حسن اور مولانا احمد رضا خاں کے مابین کا ہے۔ بریلویت کا ملک میں بطور ایک مذہب کے ابھی تک تعارف نہیں۔

مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کے رسالوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سامنا ایک شخص سے ہے کسی فرقے سے نہیں۔ انتصاف البری من الکذاب المفتری میں ایک کذاب اور مفتری کا جواب دے رہے ہیں۔ اسکات المعتدی میں بھی ایک معتدی (حد سے گزرنے والے) کا سامنا ہے۔ الطین اللازب علی الاسود الکاذب میں بھی اسی سیاہ رنگ ذات شریف سے مقابلہ ہے۔ رد التکفیر علی الفحاش الشنظیر میں بھی اسی حضرت کو فحاش شنظیر کہا ہے۔ التسہیل علی الجعیل میں بھی اسی کو جعیل کہا ہے۔ رہے خانصاحب کے چند حاشیہ نشین تو سید صاحبؒ انہیں جعلان و خراطین سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔

---

[1] بریلوی مولوی ریاست علی نے اس کا جواب لکھا تھا۔ مولانا مرتضیٰ حسن نے پھر اس کا جواب الجواب توضیح المراد لمن تخبط فی مسئلۃ الاستمداد لکھا ہے۔ [2] اس میں مولانا احمد رضا خاں کے مناظرہ میں نہ آنے کی داستان ہے۔

یہ صورتِ حال بتہ دیتی ہے کہ گو مولانا احمد رضا خاں یہ نیا مذہب ترتیب دے چکے تھے اور آپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت بھی کی تھی کہ وہ آپ کے دین و مذہب پر قائم چلیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۲۱ء تک (خاں صاحب کے سن وفات تک) بریلویت بطور ایک مذہب اور مسلک کے کہیں معروف نہ تھی اور اس کی بڑی وجہ مولانا کی غیر معروف شخصیت تھی اور یہ کہ مولانا کا تعلق کسی بڑے مدرسے سے نہ تھا جو اُن کی شخصیت عام متعارف ہوتی۔

علمائے دیوبند کی معتدل اور متوازن پالیسی

علمائے دیوبند اس وقت تک اس سارے خلفشار اور تفریق امت کی ذمہ داری خانصاحب پر ڈالتے تھے اور عام اہل بدعت کو ملت سے خارج نہ کرتے تھے اور یہ بھی صحیح ہے کہ چودہویں صدی کے نصف اول تک ہندوستان کے مسلمانوں میں اس پھیلے شرک و بدعت کے باوجود ان کے اس شرک و بدعت کو علمی استناد مہیا نہ تھا اور جو کچھ مولانا احمد رضا خاں نے لکھا تھا اور اس کے قواعد و ضوابط وضع کئے تھے ابھی وہ صرف انہی کا دین و مذہب تھا عوام میں ان کا بطور ایک فرقہ اور مسلک کے ہرگز تعارف نہ تھا۔ مسلمانوں کا بدعات میں شغف محض ایک جہالت کی پیداوار سمجھا جاتا اور اسے اختلاف مسلک کے نام سے ابھی کوئی شہرت حاصل نہ تھی۔

مولانا احمد رضا خاں کی وفات ۱۹۲۱ء میں ہوتی ہے اور یہ وہ دور تھا جب حجاز پر سعودی قبضہ نیا نیا ہوا تھا۔ ملک عبدالعزیز بن آل سعود کی حکومت قائم ہوئی۔ سعودی حکومت شرک و بدعت کے جراثیم پر داخلِ حدودِ حرم ہونے کی پابندی لگانا چاہتی تھی۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان کے یہ جہلاء اہل بدعت بھی اس زد میں آتے تھے مگر علمائے دیوبند نے شرک و بدعت کے ان وارد ان کو ابھی بریلویت سے دور رکھا اور حکومت سے سفارش کی کہ ان جہلاء پر ملتِ اسلامی سے نکلنے کا فتوے نہ دیا جائے۔

یہ بات اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اس وقت تک اس شرک و بدعت کو بریلویت کا لائسنس نہ ملا ہو اور عوام اس میں بوجہ جہالت رحم دلی اور ہمدردی کے مستحق ہوں۔

علمائے دیوبند اور اہل بدعت کی خیر خواہی

غالباً ۱۹۲۴ء کی بات ہے ملک عبدالعزیز بن آل سعود نے حرمین شریفین میں مزارات کے قبے گرا دیئے اور کہا کہ یہاں جو شرک راہ پا گیا ہے اس سے بچنے کی اب یہی صورت ہے کہ یہاں کہیں مجاوروں کے ڈیرے نہ ہوں۔ ہندوستان میں شریف مکہ کی پارٹی کے لوگ مزارات کی توہین کے عنوان پر سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ دنیائے اسلام تاریخ کے اس اہم موڑ پر سخت پریشانی میں مبتلا تھی۔

ملک عبدالعزیز نے ۱۳۴۴ھ میں حج کے موقع پر ایک عظیم عالمی مؤتمر منعقد کی ہندوستان میں خلافت کمیٹی کی طرف سے حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مولانا محمد علی جوہرؒ اور جمعیت علمائے ہند کی طرف سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس میں شریک ہوئے۔

سعودی دربار میں علمائے دیوبند کی حق گوئی

ملک عبدالعزیز بن آل سعود نے اس موقعہ پر جو تقریر کی اس کے جواب میں علمائے ہند کی طرف سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اٹھے۔ اس مؤتمر کی کارروائی معارک حرمین کے نام سے دارالعلوم محمدیہ تحصیل صوابی ضلع مردان سے شائع ہوئی تھی۔ اس میں سے ہم یہاں کچھ ہدیہ قارئین کرتے ہیں :-

سلطان ابن سعود کی تقریر

اس موقع پر سلطان ابن سعود نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا :-

الف ، چار اماموں کے فرعی اختلافات میں ہم تشدد نہیں کرتے لیکن اہل توحید اور قرآن و حدیث کی اتباع سے کوئی طاقت ہمیں الگ نہیں کر سکتی خواہ دنیا راضی ہو یا ناراض۔

ب : یہود و نصاریٰ کو ہم کیوں کافر کہتے ہیں ؟ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مانعبد ھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ (یعنی ہم ان کی عبادت اللہ تعالیٰ کے تقرب و رضا حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں) تو جو لوگ بزرگانِ دین کی قبروں کی پرستش اور ان کے سامنے سجدے کرتے ہیں وہ بت پرستوں کی طرح ہی کافر و مشرک ہیں۔

ج : جب حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ وادیٔ حدیبیہ میں شجرۃ الرضوان کے پاس جا کر نماز پڑھتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے اس درخت کو ہی کٹوا دیا تھا کہ آئندہ خدانخواستہ لوگ اس درخت کی پوجا نہ شروع کر دیں۔

سلطان کا مطلب یہ تھا کہ قبّے گرانا بھی درختِ رضوان کو کٹوانے کی طرح ہی ہے۔

ہندوستان کے تمام علماء نے یہ طے کیا کہ ہماری طرف سے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندیؒ سلطان ابن سعود کی تقریر کا جواب دیں گے۔

مولانا عثمانیؒ کی ایمان افروز تقریر

مولانا عثمانیؒ نے پہلے تو اپنی شاندار پذیرائی اور مہمان نوازی کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد فرمایا :-

الف : ہندوستان کے اہلسنت علماء پوری بصیرت کے ساتھ تصریح کرکے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع پہ پورا زور صرف کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع میں ہی ہر کامیابی ہے لیکن کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے مواقع استعمال کو سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے صائب رائے اور صحیح

اجتہاد کی اشد ضرورت تھی۔

(۱) ــــــ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح فرمایا اور اس بات کا بالکل خیال نہ رکھا کہ دُنیا کیا کہے گی۔ دوسری طرف خانہ کعبہ کو گرا کر بنائے ابراہیمی پر تیار کرنے سے نئے نئے مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے آپ رُک گئے، تاکہ دُنیا والے یہ نہ کہیں کہ محمدؐ نے خانہ کعبہ کو ڈھا دیا۔ دونوں موقعوں کا فرق حضورؐ کے اجتہاد مبارک پر موقوف ہے۔

(۲) ــــــ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ و جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیہم (یعنی کفار و منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو) ایک طرف تو اس حکم خداوندی کا تقاضا ہے کہ کفار و منافقین کے ساتھ سختی کی جائے اور دوسری طرف آپ نے رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ منافقین کو قتل کر دیا جائے۔ مگر آپؐ نے یہ بات منظور نہ فرمائی۔ خشیۃ ان یقول النّاس ان محمّدا یقتل اصحابہ (یعنی اس اندیشہ کے پیشِ نظر کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں) حالانکہ یہ دونوں باتیں واغلظ علیھم سے بظاہر مطابقت نہیں رکھتیں تو اس فرق کو سمجھنے کے لیے بھی مجتہدانہ نظر کی ضرورت ہوتی ہے جو ما وشما کے بس کی بات نہیں اور ایسے مواقع پر فیصلہ کرنے کے لیے بڑے تفقہ اور مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے کہ کس نص کے تقاضے پر کہاں عمل کیا جائے گا اور کس طرح عمل کیا جائے گا یہ تفقہ اور اجتہاد کی بات ہے۔

سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیمی کا فرق بیان کرتے ہوئے مولانا عثمانیؒ نے فرمایا :-

"اگر کوئی شخص کسی قبر کو یا کسی بھی غیر اللہ کو سجدۂ عبادت کرے تو وہ قطعی طور پر کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر سجدہ سجدۂ عبادت

ہی ہو۔ جو شرک حقیقی اور شرک جلی ہے بلکہ وہ سجدۂ تحیت بھی ہو سکتا ہے جس کا مقصد دوسرے کی تعظیم کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ سجدۂ تعظیمی شرک جلی کے حکم میں نہیں ہے۔ ہاں ہماری شریعت میں قطعاً ناجائز ہے اور اس کے مرتکب کو سزا دی جا سکتی ہے لیکن اس شخص کو مشرک قطعی کہنا اور اس کے قتل اور مال ضبط کرنے کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

خود قرآن پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سجدہ کرنے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں اور والدین کے سجدہ کرنے کا ذکر موجود ہے اور مفسرین کی عظیم اکثریت نے اس سجدہ سے معروف سجدہ (زمین پہ ماتھا رکھنا) ہی مراد لیا ہے اور پھر اس کو سجدہ تعظیمی ہی قرار دیا ہے۔

بہرحال اگر کوئی شخص کسی غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کرے تو وہ ہماری شریعت کے مطابق گنہگار تو ہو گا لیکن اسے مشرک کافر اور مباح الدم والمال قرار نہیں دیا جا سکتا اور بیان سے میرا مقصد سجدہ تعظیمی کو جائز سمجھنے والوں کی وکالت کرنا نہیں بلکہ سجدۂ عبادت اور سجدہ تعظیمی کے فرق کو بیان کرنا ہے رہا مسئلہ قبروں کے گرانے کا اگر ان کا بنانا صحیح نہ بھی ہو تو بھی ہم صحیح نہیں سمجھتے۔ امیرالمومنین ولید بن عبدالملک عبشمیؒ (اموی) نے حاکم مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز عبشمیؒ کو حکم بھیجا کہ امہات المومنین کے حجرات مبارکہ کو گرا کر مسجد نبوی کی توسیع کی جائے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز عبشمیؒ نے دوسرے حجرات کو گراتے ہوئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ بھی گروا دیا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی قبریں ظاہر ہو گئیں تو اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اتنے روئے کہ ایسے روتے ہوئے کبھی نہ دیکھے گئے تھے۔ حالانکہ حجرات کو گرانے کا حکم بھی خود ہی دیا تھا۔ پھر سیدہ عائشہؓ کے حجرے کو دوبارہ تعمیر

کرنے کا حکم دیا اور وہ حجرہ مبارکہ دوبارہ تیار ہوا۔

اس بیان سے میرا مقصد قبروں پر گنبد بنانے کی ترغیب دینا نہیں، بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ قبور اعاظم کے معاملے کو قلوب الناس میں تاثیر اور دخل ہے، جو اس وقت حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے بے تحاشہ رونے اور اس وقت عالم اسلام کی آپ سے ناراضگی سے ظاہر ہے۔

ج : حضرت عمرؓ نے درخت کو اس خطرہ سے کٹوا دیا تھا کہ جاہل لوگ آئندہ چل کر اس درخت کی پوجا نہ شروع کر دیں۔ بیعتِ رضوان سنہ ۶ھ میں ہوئی تھی اور حضور علیہ السلام کا وصال پرملال سنہ ۱۱ھ میں ہوا۔ آپ کے بعد خلیفہ اولؓ کے عہد خلافت کے اڑھائی سال بھی گزرے۔ لیکن اس درخت کے کٹوانے کا نہ حضور علیہ السلام کو خیال آیا اور نہ صدیق اکبرؓ کو۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافتِ راشدہ قائم ہوئی۔ لیکن یہ بھی متعین نہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی دس سالہ خلافت کے کون سے سال میں اس درخت کے کٹوانے کا ارادہ کیا۔ گو حضرت عمرؓ کی صوابدید بالکل صحیح تھی۔ لیکن یہ گنبد تو صدیوں سے بنے چلے آرہے ہیں اور اس چودھویں صدی میں بھی کوئی آدمی ان کی پرستش کرتا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

رہا وہاں نماز پڑھنا تو حدیث معراج میں آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کو چار جگہ براق سے اتر کر نماز پڑھوائی۔ پہلے مدینہ میں اور بتایا کہ یہ جگہ آپ کی ہجرت کی ہے، دوسرے جبل طور پر کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ہے۔ پھر مسکن حضرت شعیب پر، چوتھے بیت اللحم پر جہاں حضرت علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔[1]

① پس اگر جبل طور پر حضورؐ سے نماز پڑھوائی گئی کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسےٰؑ کے ساتھ کلام کیا تھا تو جبل نور پر ہم کو نماز سے کیوں روکا جائے کہ جہاں

---

[1] نسائی شریف کتاب الصلوٰۃ صفحہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۲ھ

اللہ تعالیٰ کی پہلی وحی حضور علیہ السلام پر آئی تھی۔

(۲) — مسکنِ شعیبؑ پر حضورؐ سے نماز پڑھوائی گئی۔ تو کیا غضب ہو جائے گا جو ہم مسکنِ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر دو نفل پڑھ لیں جہاں حضور علیہ السلام نے اپنی مبارک زندگی کے اٹھائیس نورانی سال گزارے تھے۔

(۳) — جب بیت اللحم مولد حضرت عیسیٰؑ پر حضور علیہ السلام سے دو رکعت پڑھائی جائیں تو امتِ محمدیہ کیوں مولدِ نبی کریم پر درود پڑھنے سے روکی جاتے جب کہ طبرانی نے مقام مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انفس البقاع بعد المسجد الحرام فی مکۃ مکرمہ میں مسجد حرام کے بعد مقام مولد النبی کریم علیہ التسلیم کو کائناتِ ارضی کا نفیس ترین ٹکڑا قرار دیا ہے۔

(۴) — مسکنِ شعیبؑ پر حضرت موسیٰؑ نے پناہ لی تھی تو اس جگہ آپؐ سے دو نفل پڑھوائے گئے، تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی جو ہم لوگ غار ثور پر جہاں حضور علیہ السلام نے پناہ لی تھی دو نفل پڑھ لیں۔

سلطان ابن سعود کا جواب

مولانا عثمانیؒ کے اس مفصل جواب سے شاہی دربار پر سناٹا چھا گیا۔ آخر سلطان ابن سعود نے یہ کہہ کر مجلس ختم کی کہ :-

"میں آپ کا بہت ممنون ہوں اور آپ کے بیانات اور خیالات میں بہت رفعت اور علمی بلندی ہے۔ لہٰذا میں ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ ان تفاصیل کا بہتر جواب ہمارے علماء ہی دے سکیں گے اور ان سے ہی یہ مسائل طے ہو سکتے ہیں۔"[1]

حضرت علامہ عثمانیؒ نے اس معرکہ میں ہندوستان کے اہل بدعت کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ سجدۂ تعظیمی کو حرام سمجھنے اور کہنے کے باوجود اس کے مرتکبین پر حکم کفر آنے نہیں

[1] معارک الحرمین ص۲۶

دیا، مبادا انہیں حرم میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ یہ وہ موقع تھا جب علمائے دیوبند مولانا احمد رضا خاں کے خلاف اپنی سب ناراضگی نکال سکتے تھے۔ لیکن ان اکابر نے ہمیشہ اعتدال سے کام لیا ہے اور کسی قوم کی دشمنی انہیں کبھی اس درجے پر نہیں لے آئی کہ یہ انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ابھی ہندوستان میں بریلویت نے ایک باقاعدہ مذہب اور مسلک کی صورت اختیار نہ کی تھی۔ عوام بدعات میں بے شک ملوث تھے لیکن ابھی ان بدعات کو سوادی سطح پر علم کا استناد نہ ملا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں کی تحریرات ابھی عام نہ ہوئی تھیں۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم اس معرکہ مکہ مکرمہ کے ساتھ اس معرکہ مدینہ منورہ کو بھی ذکر کر دیں۔ جو نجد کے شیخ الاسلام جناب عبداللہ بن بلیہد اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کے مابین مدینہ منورہ میں پیش آیا۔ اسے بھی ہم معارک الحرمین سے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ معارک الحرمین کے ٹائیٹل کا عکس ملاحظہ فرمائیں۔

معرکہ مدینہ منورہ

لفظ "سیدنا" کی بحث

موقعہ کی مناسبت سے نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس بحث کا بھی ذکر کرتے چلیں جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور سعودی شیخ الاسلام جناب عبداللہ بن بلیہد کے درمیان مسجد نبوی میں سلطان ابن سعود کے روبرو ہوئی تھی۔

قصہ یہ تھا کہ بعض لوگ روضہ شریف پر درود شریف میں اللّٰھم صل علی محمد کی بجائے اللّٰھم صل علی سیدنا محمد پڑھ دیتے تھے۔ جس سے نجدی علماء اور متبعین کارندے روکتے تھے اور سختی کرتے تھے اور لفظ "سیدنا" کہنے والے کو مشرک اور مبتدع کہتے تھے۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ مسجد نبوی میں نجدی شیخ الاسلام عبداللہ بن بلیہد اور سلطان ابن سعود مولانا کے دائیں بائیں بیٹھے تھے۔ مولانا سہارنپوری نے شیخ الاسلام سے پوچھا کہ آپ لفظ "سیدنا" کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

شیخ الاسلام نے کچھ دیر سوچنے کے بعد فرمایا کہ یہ لفظ حدیث میں کہیں نہیں آیا۔

مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے۔

شیخ الاسلام نے پوچھا، کہاں آیا ہے؟

مولانا سہارنپوری نے فرمایا کہ "حدیث میں آتا ہے انا سید ولد آدم ولا فخر۔ قاضی عبداللہ نے کہا کہ ہاں اس طرح تو آیا ہے مگر حضور علیہ السلام کے نام کے ساتھ کہیں نہیں آیا۔ حضرت سہارنپوری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے نام کے ساتھ جو ہم لوگ "تعالیٰ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں یہ قرآن میں کہیں اللہ کے نام کے ساتھ آیا ہے؟ قاضی عبداللہ نے کہا کہ واقعی اس طرح تو قرآن میں کہیں نہیں آیا۔

مولانا سہارنپوری نے پھر کہا کہ یہ کون کہتا ہے کہ ہمارے نام کے ساتھ تعظیمی القاب و آداب استعمال کرو مگر تہذیب کے عرف میں ہم سب آپس میں بھی اگلے آدمی کے رتبے کے شایانِ شان القاب و آداب استعمال کرتے ہیں اور ایسا نہ کرنا بدتہذیبی اور گستاخی شمار ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسمِ گرامی کے ساتھ اگر سیدنا کا لفظ استعمال کر لیا جائے تو کیا حرج ہو جائے گا۔ حدیث میں ایک مقام پہ سید ولد آدم جب آ گیا تو وہ کافی ہے۔

سلطان نے یہ بات چیت بغور سنی اور شیخ الاسلام کو مخاطب کرتے ہوئے دریافت فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے نام کے ساتھ لفظ سیدنا استعمال کرنے کی ممانعت بھی آئی ہے؟

شیخ الاسلام نے جواب دیا کہ ممانعت تو کہیں نہیں آئی سلطان نے کہا جب ایک جگہ یہ لفظ استعمال بھی ہوا اور اس کے استعمال کی ممانعت بھی کہیں نہیں آئی تو پھر اس کے استعمال پر اتنا تشدد کیوں کیا جاتا ہے کہ ایسا کرنے والوں کو مبتدع اور مشرک تک کہہ دیا جاتا ہے۔

اس پر نجدی شیخ الاسلام خاموش ہو گئے اور اگلے دن سے اسے شرک و بدعت کہنے کا سلسلہ بند ہو گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

تائید

اسی مسئلہ پر حضرت سہارنپوری کے جانشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مقیم مدینہ منورہ کی تحقیق انیق بھی قابل ملاحظہ ہے:۔

حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ سیدنا کا لفظ قرآن وحدیث میں جگہ جگہ آتا ہے۔ قرآن میں حضرت یحییٰ کے متعلق سیدًا وحصورًا کا لفظ آیا ہے۔ زلیخا اور اس کے شوہر کے ذکر میں والفیاسیدھا لدی الباب آیا ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں حضرت سہل بن حنیف کی دعا میں حضور علیہ السلام کو یاسیدی کے ساتھ خطاب کرنا ثابت ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے درود شریف میں اللّٰھم صلّ علیٰ سید المرسلین۔ امام نسائیؒ کی کتاب "عمل الیوم واللیلہ" میں آتا ہے حضرت سعدؓ کے متعلق خود حضور علیہ السلام نے قوموا الیٰ سیدکم فرمایا ہے۔

ابو بکر سیدنا واعتق سیدنا قول حضرت عمرؓ بخاری شریف میں موجود ہے یعنی ابو بکرؓ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار (بلالؓ) کو آزاد کرایا ہے اصابہ۔ استیعاب اور ادب المفرد للبخاری میں بل سیدکم عمرو بن جموح آیا ہے اور اذا نصح العبد سیدہ حدیث کی اکثر کتابوں میں آیا ہے۔

تائید مزید

فقیر محمد شمس الدین مرتب رسالہ معرکہ حرمین کہتا ہے، حدیث میں آیا ہے،

لا یقولن العبد ربی ولیقل سیدی ابوداؤد شریف باب فی الکرم وحفظ المنطق۔
اور اسی باب میں ہے کہ لاتقولوا للمنافق سیدا فانہ ان یک سیدا فقد
اسخطتم ربکم۔ حاکم نے مستدرک میں مرفوع حدیث لکھی ہے کہ اذ قال
الرجل للمنافق یا سیدی فقد اغضب ربہ۔ ان دو احادیث کا مفہوم
مخالف یہ ہے کہ منافق کو تو یا سیدی نہ کہا جائے البتہ مومن کو کہنا جائز ہوگا۔
تو حضور علیہ السلام کو سیدنا کہنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی سیدنا کا لفظ
نہ کہے تو بھی اس پر گستاخ رسول ہونے کا فتوےٰ نہ لگایا جائے[1]۔

جو لوگ پرانی تعبیر کے پابند ہیں اور نئے نئے الفاظ کے داخل متن کرنے سے پرہیز کریں ان کے
اس طریق کو بے ادبی پر محمول کرنا اہل حق کا شیوہ نہیں۔

برسر مطلب آمدیم

ان تفصیلات سے گزر کر ہم پھر ہندوستان کی طرف لوٹتے ہیں جہاں مولانا احمد رضا خاں
کے جانشین مولانا کے وضع کردہ دین و مذہب کو ملک میں باقاعدہ ایک مسلک بنانے کی جدوجہد کر رہے
تھے۔ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے ان لوگوں کا بھی پورا مقابلہ کیا اور ان کے پھیلے اثرات کے
اندھیرے ہر جگہ نمایاں کئے اور اس فرقہ وارانہ آگ پر جو مولانا احمد رضا خان نے جلائی تھی ہر مقام پر
پانی چھڑکا — تاہم ضرورت رہی کہ ہندوستان کے اس نئے مذہب کا کتاب و سنت کی روشنی میں
پوری طرح سدباب کیا جائے۔

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ کے بعد مدرسہ عین العلم شاہجہانپور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالغنیؒ
ہیں جنہوں نے اس محاذ پر کام کیا اور عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کا پوری علمی قوت سے تحفظ فرمایا۔ آپ
نے الجنۃ لاہل السنۃ لکھ کر اہل بدعت پر حق کی حجت تمام کی اور حق یہ ہے کہ اب تک اہل بدعت
سے اس کا جواب نہیں ہو سکا۔ یہ کتاب اتنی جامع اور منقح ہے کہ اس محاذ پر کام کرنے والے اس
سے کسی درجہ میں مستغنی نہیں رہ سکتے۔ فجزاہ اللہ عنا احسن الجزاء

---

[1] معارک الحرمین صک

چودہویں صدی کے تیسرے نامور عالم جنہوں نے زندگی کا ایک معتد بہ حصہ اس محاذ پر لگایا وہ امام فن مناظرہ مولانا محمد منظور نعمانی سنبھلی ہیں. آپ نے بیس سال کے قریب اس محاذ پہ کام کیا. بوارق الغیب علی من یدعی لغیر اللہ علم الغیب ان کی دو جلدوں میں ضخیم کتاب ہے سیف یمانی بر مکائد فرقہ رضاخانی. فتح بریلی کا دلکش نظارا. معرکۃ القلم مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے اہل بدعت ناقدین چودہویں صدی کے اہم معرکے کی تاریخی دستاویزات ہیں. مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم نے مولانا احمد رضا خاں کے پیروؤں مثل مولانا حشمت علی لکھنوی اور مولانا سردار احمد گورداسپوری کو مناظروں میں پے در پے شکستیں دیں.

ان کے بعد پھر شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خاں کا نمبر آتا ہے. آپ نے بریلوی اختلافات کے تقریباً ہر مسئلے پر قلم اٹھایا اور تدریسی مصروفیات کے باوجود ان موضوعات کو ایسا نبھایا کہ چودہویں صدی کے اہل حق کی طرف سے اہل بدعت پہ حجت تمام کر دی. مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر (برحاشیہ کنز الایمان) پر بڑی نفیس تنقید "تنقید متین" کے نام سے فرمائی. مسئلہ حاضر و ناظر پہ تبرید النواظر اور تفریح الخواطر اور مسئلہ علم غیب پہ ازالۃ الریب جیسی جامع کتابیں لکھیں.

اللہ تعالیٰ اب اسلامک اکیڈمی مانچسٹر سے یہ خدمت لے رہے ہیں اور یہ سطور بھی اسی خدمت کا ایک حصہ ہیں. سنا ہے پاکستان میں مولانا علامہ سعید احمد صاحب (گوجرانوالہ) اس موضوع پہ کام کر رہے ہیں. آپ چشتیاں کے مرکزی بریلوی عالم مولانا محمد بشیر کے صاحبزادے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لائن میں قبول کیا ہوا ہے. فجزاہ اللہ احسن الجزاء.

دونوں طرف کے علمی کام پہ یہ تفصیل محض اس لیے گذارش کی گئی ہے کہ تیرہویں صدی تک ملکوں اور قبر پرستوں کو علمی استناد دینے والا جب کوئی طبقہ علماء نہ تھا تو یہ چودہویں صدی کے نصف آخر کا جلوہ ہے کہ اس میں علماء کا ایک گروہ منظم صورت میں ان قبوریوں کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا ہے. سو چودہویں صدی کے علماء حق بھی اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں رہے اور انہوں نے اتنا کام کیا ہے کہ تحریک بریلویت اب رجعت قہقری پہ چل رہی ہے.

بایں ہمہ بریلویت ان دنوں صرف چند بدعات کا نام نہیں. مولانا احمد رضا خاں کے

نام سے ایک مستقل نیا مذہب اپنے اصول و فروع میں نئے سرے سے مرتب ہوا ہے اور ان لوگوں نے اپنے عام تعارف میں اپنی اذانیں، اپنی نمازیں، اپنی مسجدیں اور اپنے جنازے تک عام مسلمانوں سے علیحدہ کر لیے ہیں اور اب ان کی حیثیت محض ایک اندھیرے کی نہیں رہی جو محض روشنی سے چھٹ جائے۔ اب یہاں علم و فہم کے معرکے لگے ہیں۔ وہ علماء سعادت مند ہیں جو مسئلے بتاتے ہیں اور بُری آخرت اُن کی ہے جو مسئلے بناتے ہیں فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون ـــــ اس نئے مذہب کی دلالتیں عربی اسلام سے کس قدر مختلف ہیں اور یہ لوگ ہند و فکر و عمل سے کسقدر قریب ہیں، آپ اس پر ایک سیر حاصل تبصرہ پڑھ چکے ہیں۔ واللہ ولی الامر و بہ نستعین۔

چودھویں صدی میں بدعات کا علمی انضباط

یہ بات آپ تفصیل سے دیکھ آئے ہیں کہ اسلام کی تیرہ صدیوں میں بدعات کو کہیں علمی انضباط حاصل نہ تھا۔ یہ چودھویں صدی کی خصوصیت ہے کہ اس میں بدعات کو علمی استناد دیا گیا اور انہیں ایک باقاعدہ دین و مذہب کی شکل دی گئی، جس طرح بریلویوں نے اپنے عقائد خمسہ[1] سے شرک کو مسلمانوں میں آنے کی راہ دی۔ انہوں نے بدعاتِ خمسہ سے اپنی مسجدوں کو مسلکی امتیاز دیا۔ عقائد کی بحثیں تو لوگ بھول چکے ہیں لیکن جہلاء بدعات کی گرتی دیواروں کے نیچے ابھی اتنے دبے ہیں کہ انہیں زندہ نکالنے کے لیے ابھی کچھ اور علمی محنت کی ضرورت ہے۔

عقائد کی بحث میں ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ چودھویں صدی میں شرک کو علمی استناد مہیا کیا گیا ہے۔ یہاں اب ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ بدعات کو بھی اس دور نے علمی انضباط مہیا کیا ہے اور ان دونوں کے مجموعے نے ہی بریلویت کا نام پایا ہے۔

بریلویت کے بانی مولانا احمد رضا خاں تھے۔ بریلوی انہیں اپنا اعلیحضرت مانتے تھے۔ ان کے

---

[1] ۱۔ نور کا ایسا اقرار کہ بشریت کا انکار ہو۔ ۲۔ انبیاء کو اللہ تعالیٰ سے غیب جاننے کا ایسا ملکہ ملتا ہے کہ وہ اس سے جب چاہیں غیب کی بات معلوم کر لیں۔ ۳۔ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا۔ ۴۔ پوری کائنات میں مختارِ کل ہونا کہ جو چاہیں کر سکیں۔ ۵۔ اپنے چاہنے والوں کی مافوق الاسباب امداد کرنا اور تدبیر عالم کی ذمہ داریاں

بعد ان کے بارہ حضرت یہ ہوئے ہیں، مولانا حامد رضا خاں (ھ)، مولانا مصطفیٰ رضا خاں (ھ)
مولانا نعیم الدین مراد آبادی (۱۹۴۸ء) مفتی احمد یار گجراتی (۱۹۷۱ء) مولانا حشمت علی خاں (۱۹۶۰ء) مولانا
محبوب علی خاں (ھ) مولانا سردار احمد لائلپوری (   ) مولانا محمد عمر اچھروی (   ) ملّا
نظام الدین ملتانی (   ) مولانا احمد سعید کاظمی (   ) مولانا امجد علی (صاحب بہار شریعت ۱۹۴۸ء)
مولانا ابو البرکات سید احمد   (بن مولانا دیدار علی ۱۹۳۵ء)

ان بارہ حضرتوں نے بریلویوں کی گرتی دیوار کو اپنی تصنیف و تالیف اور مناظرہ و تقریر سے بہت سہارا دیا ہے مگر یہ دیوار مسلسل گرتی جارہی ہے۔ علمائے بدایوں اور مشائخ مارہرہ شریف گو مولانا احمد رضا خاں کو اپنا اعلیٰحضرت نہیں مانتے۔ لیکن مسلکاً بریلویوں کے زیادہ قریب ہیں اور انہیں بھی بریلوی ہی سمجھا جاتا ہے۔ اور مفادات دونوں کے مشترک ہیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے رسالہ شمع توحید میں بریلویوں کی رجعت قہقری کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:-

(۱) امرتسر میں اسی سال پہلے قریباً سب مسلمان حنفی بریلوی خیال کے تھے۔ ص۴۲

(۲) امرتسر میں چند لوگ اس خاص عقیدے کے ہیں جس کا اظہار ان لفظوں میں کیا جاتا ہے ؎

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر   اُتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰ ہو کر

جوں جوں انسانی شعور پختہ ہو رہا ہے اور علم پھیل رہا ہے بریلویت کا دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے اور جہالت کے بادل چھٹ رہے ہیں۔

اس پر خوش ہونے کی کوئی بات نہیں کہ ہندوستان میں سب لوگ پہلے تو بریلوی تھے کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ پہلے یہاں سب لوگ ہندو تھے ہرے رام ہرے رام جاتے جاتے ہی جاتا ہے ہندو اثرات سے بریلویت نے ترتیب پائی۔ سو ناپختہ مسلمان بریلوی نہ ہوں تو اور کون ہوں ہندوؤں اور بریلویوں کے مشترکات ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

اہلِ سنت اور اہلِ بدعت میں معرکے

یوں تو سنت اور بدعت میں کوئی مقابلہ نہیں۔ علم اور جہالت میں کوئی معرکہ آرائی نہیں ہو

سکتی، روشنی اور اندھیرا آپس میں نہیں لڑ سکتے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اہل سنت (علمائے دیوبند) اور اہل بدعت (بریلویوں) میں تاریخی معرکے ہوئے، مولانا احمد رضا خاں تو کبھی اپنے کسی مخالف کے سامنے نہیں آسکے۔ تاہم ان کے پیروؤں میں مولانا حشمت علی خاں اور مولانا سردار احمد لائلپوری نے کچھ ہمت کی اور میدان میں نکلے اور مناظر اہل سنت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے ہاتھوں زبردست شکستیں کھائیں۔ یہ مناظرے چھپے ہوئے موجود ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے فتح وشکست ہمارے کہنے پر موقوف نہیں۔

انگلینڈ میں ایک پیر مولوی عبدالقادر جیلانی پنج سہالہ راولپنڈی نے فرقہ وارانہ مسائل چھیڑے اور جب مناظرہ تک نوبت پہنچی تو مولوی صاحب نے مناظرہ کے لیے سانگلہ ہل (پنجاب) کے مولوی عنایت اللہ صاحب کو انگلینڈ بلایا۔ انگلینڈ میں کوئی بریلوی عالم اس درجہ کا نہ تھا جو مناظرہ کر سکے۔ اس لیے ان لوگوں کو پاکستان سے مولانا سردار احمد لائلپوری کے شاگرد خاص مولوی عنایت اللہ سانگلوی کو بلانا پڑا۔ افسوس کہ وہ بھی بریلویت کی اس گرتی دیوار کو کوئی سہارا نہ دے سکے۔

کوشینیلڈ میں عنایت اللہ سانگلوی سے مناظرہ ہوا اور بریلوی اس شکست کے بعد انگلینڈ میں ہمیشہ کے لیے دب گئے۔ اب ان کا موضوع کبھی کوئی علمی معرکہ نہیں ہوتا۔ بس یہاں پیروں کی ایک قطار لگی ہے —— کوئی آرہا ہے کوئی جارہا ہے —— صرف دو پیر انہیں ایسے ملے ہیں جنہوں نے یہاں مستقل اطمینان سے ڈیرہ لگالیا ہے۔ ان میں اول ان سب کے شیخ المشائخ ابوالفتح چشتی ہیں اور دوسرے مولوی عبدالقادر جیلانی ہیں اور بریلویوں کی بدقسمتی ہے کہ یہ دونوں پیر اپنے اپنے حلقوں میں حاصل وصول میں مصروف ہیں اور انگلینڈ میں بریلویت کو علمی طور پر سہارا دینے والا اب کوئی نہیں رہا۔ وقت آئے گا کہ یہ دونوں پیر بھی ایک نہ ایک دن یہاں سے نکل بھاگیں گے۔

پندرہویں صدی کے بریلوی مورچے

چودہویں صدی میں مولانا احمد رضا خاں کی کوششوں سے بریلویت نے علمی انقباط پالیا تھا مولانا نے اپنے دین ومذہب کو ایک علمی شکل دے لی تھی۔ تاہم مولانا احمد رضا خاں اس وقت کوئی

معروف شخصیت نہ تھی. اس لیے بریلویت نے ان کے کافی عرصہ بعد عوامی شہرت پائی۔ مولانا احمد رضا کے بعد جو اُن کے بارہ امام ہوئے انہوں نے مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب کو پورے ملک میں پھیلا دیا. پندرہویں صدی میں اب ان لوگوں نے مستقل مورچے بنا لیے ہیں. اپنی اذانیں مسجدیں، نمازیں اور جنازے تک عام مسلمانوں سے مختلف کر لیے ہیں. اب ان کی مسجدیں عام مسلمانوں کی مسجدوں سے ممتاز ہیں۔ یہ اہل بدعت کے وہ مورچے ہیں جہاں سے وہ اپنے اردگرد شب و روز اختلافات کے تیر چھوڑتے ہیں اور اپنی بدعات کو انہوں نے اپنا بنیادی امتیاز اور مذہب احناف بنا رکھا ہے۔ حالانکہ فقہ حنفی میں ان بدعات کا نام و نشان تک نہیں ملتا. بریلیوں کے یہ سات مسئلے ان کا مذہبی امتیاز ہیں :۔

① اذان میں اضافہ صلوٰۃ و سلام۔
② جماعت کے لیے قدقامت الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز جاننا۔
③ فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے کلمے کا ذکر.
④ نمازِ جمعہ اور مجالس کے بعد تعظیمی قیام.
⑤ نمازِ جنازہ کے بعد وہیں کھڑے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا.
⑥ گیارہویں شریف۔ اعراس و ختمات اور جہلم کی مجالس.
⑦ مزارات پر چڑھاوے، کبھی نقد نذرانوں کی شکل میں کبھی پلاؤ کی دیگوں کی صورت میں، کبھی زندہ بکروں کے پیرائے میں اور کبھی خوبصورت لڑکیوں کی پیش کش میں.

اس وقت ہمیں ان ہفت مسائل سے بحث نہیں، یہ مسائل عوام میں ان کے امتیازات ہیں اور آج بریلوی اپنے انہی کاموں سے پہچانے جاتے ہیں اور یہی ان کے بنیادی مسائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور اس کی مساعدت شامل حال ہوئی تو ہم ان شاء اللہ العزیز ان پر آئندہ کسی موقعہ پر کچھ تفصیل عرض کریں گے. یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے دین و مذہب میں یہ عقائدِ خمسہ اور ہفت مسائل (بدعاتِ سبعہ) بریلویت کی اساس اور بریلیوں کا جوہری امتیاز ہیں اور غالباً یہی وہ امور ہیں جن کے باعث مرکزِ اسلام مکہ اور مدینہ میں بریلوی عمائد

کا داخلہ ممنوع ہے. مولانا احمد رضا خاں نے اپنی وصیت میں بیٹے جس دین و مذہب پر چلنے کی تاکید کی تھی وہ دین یہی عقائد جسہ اور مذہب یہی ہفت مسائل ہیں. یہ ان کے دین و مذہب کا فقہی پہلو ہے جس میں ان کا سب سے بڑا مستدل یہ ہے کہ شریعت میں اس پر کہیں منع وارد نہ ہوئی ہو. اپنی نئی نئی مذہبی اختراعات کو مذہب میں داخل کرنے میں یہ کوئی نقل پیش کرنے کے پابند نہیں —— جو رد کے دلیل وہ لائے. اگر کہیں منع کا ثبوت نہیں ملتا تو اسے مستحب قرار دینے میں اب کوئی انہیں روکنے کا حق نہیں رکھتا.

بریلویوں نے ایجاد و بدعات کا کیسا لائن کلیر دیا ہے کہ اس سے منع نہ کیا گیا ہو.
یہ کافی ہے.

عام امت کو اختراع شرایت کا حق دینا

انہوں نے اپنے اس من گھڑت فقہی موقف کو ثابت کرنے کے لیے اب کچھ روایات کا سہارا لینا بھی شروع کر دیا ہے. مثلاً ① یہ کہ جو کوئی دین میں اچھی بات داخل کرے اسے اس پر آئندہ عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا ② یا یہ کہ عام مسلمان جس عمل کو اچھا سمجھنا شروع کریں اللہ کے ہاں بھی وہ دین بن جاتا ہے ③ یا یہ کہ تم عام مسلمانوں کو دیکھو جدھر زیادہ بھیڑ نظر آئے ادھر لگ جاؤ —— یہی تمہارا دین اور یہی تمہارا مذہب ہے. انا للہ وانا الیہ راجعون.

نامناسب نہ ہو گا کہ ہم یہاں کچھ ان روایات کا بھی تذکرہ کر دیں جن کے غلط استعمال سے بدعات کی یہ دکانیں کھلتی ہیں اور پھر جہالت کے سایہ میں یہ سارا کھانے پینے کا کاروبار چلتا ہے.

قرآن کریم نے بھی کہا ہے.

ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و
یصدون عن سبیل اللہ. پ۱۰ التوبہ ع ۵

یہ صرف لوگوں کا مال کھانے کی ہی راہ نہیں انہیں اللہ کے دین سے روکنے کی بھی نہایت تاریک راہ ہے.

بریلویوں کی پیش کردہ روایات

ان کی پہلی دلیل حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت من سنّ فی الاسلام سنۃ حسنۃ ہے۔ دوسری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ما راہ المسلمون حسناً ہے اور تیسری روایت لایجمع اللہ امتی علیٰ ضلالۃ ہے۔ ان تینوں کی شرح ہم پہلے ص۲۵۶ سے ص۲۶۲ تک کر آئے ہیں۔ بریلویوں کا استدلال ان روایات سے تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔

اب آپ خود سوچیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے جو وصیت کی کہ میرے دین و مذہب پر چلو کیا اس امت محمدیہ اس چودھویں صدی کے دین و مذہب کو اہل السنۃ والجماعۃ کا دین و مذہب مان لے گی۔ یہ اہل السنۃ والجماعۃ کے دین و مذہب کی اساس شروع سے ہی سنت نبویہ اور عمل صحابہؓ پر رہی ہے ـــــ دین مذہب وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ سے اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ملے اور کسی کو وہ کتنا ہی بڑا خان کیوں نہ ہو) یہ حق نہیں کہ اپنی مخترعات کو دین محمدی میں داخل کرے اور لوگوں کو کہے کہ میرے دین و مذہب پر چلو۔

اب ہم مولانا احمد رضا خاں کی وصیت کے فقہی پہلو کو اس بحث پر ختم کرتے ہیں اور ان کے سیاسی موقف کا کچھ تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان کی وصیت کا سیاسی پہلو

تاجِ برطانیہ کی غیر متزلزل وفاداری

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

بریلی انگریزوں کی حمایت میں

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

مولانا احمد رضا خاں کی اپنے بیٹوں کو وصیت کہ میرے دین و مذہب پہ چلو بڑے دُور رَس اثرات کی حامل ہے۔ مذہبی طور پر آپ اس کی آئینہ داری کر چکے، اب اس کا سیاسی پہلو بھی ملاحظہ فرمائیں:

خاں صاحب کی وصیت کا سیاسی پہلو

مولانا احمد رضا خاں ۱۳۴۰ھ میں فوت ہوئے آپ برملا فتوے دے چکے تھے کہ مسلمانان ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔ تحریک خلافت میں آپ سیال شریف (ضلع جھنگ) کے سخت خلاف تھے خواجہ ضیاء الدین صاحب سیالوی نے تحریک خلافت میں علماء دیوبند کا ساتھ دیا تھا مولانا احمد رضا خاں تونسہ شریف اور گولڑہ شریف کی گدیوں کے پہلے سے مخالف تھے کہ انہوں نے علمائے دیوبند کے خلاف فتوے کفر لگانے میں اُن کا ساتھ نہیں دیا

خاں صاحب کے بیٹوں نے اس وصیت پر کہاں تک عمل کیا۔

خاں صاحب کے بیٹے مصطفےٰ رضا خاں نے اپنے باپ کے دین و مذہب کو قائم رکھا۔ اس کے سیاسی پہلو کو بھی پوری قوت سے نبھایا اور ۱۳۴۱ھ میں مسئلہ خلافت کے خلاف ایک رسالہ طرق الھدیٰ والارشاد الیٰ احکام الامارۃ والجہاد لکھا جسے جماعت رضائے مصطفےٰ نے مطبع فیض منبع حسنی پریس بریلی سے شائع کیا

ترکوں کے خلاف آپ دوام العیش پہلے شائع کر چکے تھے۔ شریف مکہ کی حمایت میں آپ نے الحجۃ الزاہرہ لکھی ـــــ آپ طرق الہدیٰ والارشاد میں لکھتے ہیں:۔

اپنی عزت وجان و مال خصوصاً جان کی حفاظت تو اہم فرائض سے ہے یہاں تک کہ اعظم فرائض نماز سے بھی اہم تر ہے کہ نماز اور سب فرائض فرع ہیں اور وجود اصل۔ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے لاتلقوا بایدکم الی التھلکہ اپنے ہاتھوں اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اب یہ خود دیکھ لو کہ یہاں اس وقت حکم جہاد میں تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں! اس میں کوئی فائدہ ہے یا سراسر حضرت جانوں کی بے وجہ ہلاکت ہے یا حفاظت فتنہ و فساد کی اثارت ہے یا امانت ص۳۰۔

ایسی حالت میں جہاد جہاد کی رٹ لگانا غیر قوموں کو اپنے اوپر ہنسانا اور ان سے طعن اٹھانا ہے اور جبکہ وہ ان شنائع قباح پر مشتمل ہے حرام حرام حرام ہے وہ ہرگز حکم شرع نہیں ص۳۱۔

خود اس گاندھی امت کے لیڈر اعظم مولوی عبدالباری کو مسلم ہے کہ یہ وقت وقت جہاد نہیں اور جبکہ وہ نامفید اور بے ضرورت اہلاک نفس ہے ص۳۲

ادھر بریلی سے جہاد کے خلاف فتوے جاری ہو رہے تھے اُدھر مرزا غلام احمد کے پیرو مسئلہ جہاد کے خلاف اشتہارات پورے ملک میں پھیلا رہے تھے اور یہ سارا نزلہ عتاب علماء دیوبند علمائے فرنگی محل اور خواجگان سیال شریف پر اتارا جا رہا تھا مرزا غلام احمد کا جو اشتہار بریلی کے ان فتووں کے ساتھ بانٹا جاتا تھا اسے بھی کچھ سُن لیں آپ محسوس کریں گے کہ مولانا احمد رضا خاں کا دین و مذہب اور مرزا غلام احمد کی مسیحیت دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور اسی کی طلب تھی کہ ہندوستان میں جہاد کی آواز یکسر ختم ہو کر رہ جائے۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال	دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آسمان سے نُورِ خُدا کا نزول ہے	اب جنگ اور جہاد کا فتوے فضول ہے
لوگوں کو یہ بتاؤ کہ وقت مسیح ہے	اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے [۲]

انگریزوں کی حمایت میں بریلی کا غلط موقف۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہل ہند شکست کھا گئے انگریزوں نے سخت ترین انتقام لیا اور مسلمانوں پر تو مظالم ڈھائے کہ الحفیظ الامان ہزاروں بے گناہ پھانسیوں پر

---

[۱] طرق الھدیٰ ص۲۹ [۲] تحفہ گولڑویہ ضمیمہ اول ص۲۶

لٹکا دیئے گئے ایسے حالات نے بعض عمائد کو مجبور کیا کہ وہ اس وقت خلق خدا کو مزید قتل عام سے بچائیں اور وقتی طور پر پچھلی صفوں میں آجائیں انگریز انہیں باغیوں کی صف میں نہ دیکھیں وہ اس وقت ایک مغالطے میں رہیں یہ ایک وقتی حیلہ تھا اور الّامَن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان پر عمل پیرا کامل تھا اور عزم یہی تھا کہ لٹی طاقت جمع ہونے پر پھر اسی سامراج سے پنجہ آزمائی ہوگی۔ اللہ تعالٰی نے فن حرب میں اس چالاکی کی اجازت دی ہے اور طاقت جمع کرنے کے لئے پیچھے لوٹنے کو جائز بتلایا ہے۔ الا متحرفاً لقتال او متحیزاً الی فئۃ۔ ۱۸۵۷ء کے بعد تحریک خلافت یہ پھر انگریزوں سے دوسری پنجہ آزمائی تھی مسلمان ۱۸۵۷ء کے بعد جب دب گئے اس وقت تو بریلی سے کوئی آواز نہ اٹھی کہ دبنا نہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب حضرت شیخ الہند قیادت کے لئے پھر اٹھ کھڑے ہوئے تو آستانہ بریلی انگریزوں کی حمایت میں کھلے طور پر سامنے آگیا اور مسلمانوں کو انگریزی دوستی کے اس پہلے موقف پر آنے کی ہی آواز دی اور کہا اپنے پہلے موقف پر ہی رہیں جو مصلحۃً اختیار کیا گیا تھا اب مولانا مصطفٰے رضا خاں بریلوی کا استدلال سنیئے اور ان کی سوچ اور ڈوبی غیرت پر سر دھنیئے۔

۱؎ مسعود احمد بریلوی بھی لکھتے ہیں ماسوائے چند علماء کے مصلحت وقت کے تحت سب ہی نے انگریزوں کی حمایت میں عافیت سمجھی (فاضل بریلوی اور ترک حوالات ص۲۵)

وہ علماء کون تھے جو دل سے انگریز کے ساتھ نہ ہو سکے؟ مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں ۱۹۱۶ء میں مولانا محمود الحسن نے ریشمی خطوط کے ذریعے آزاد مملکت کا خاکہ پیش کیا اسی مقصد کیلئے مولانا محمود الحسن حجاز گئے یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز عربوں سے مل کر حجاز پر ترکی اقتدار کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے ...... شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف ایک محضر نامہ پر مولانا محمود الحسن سے دستخط کرانا چاہے مگر وہ روپوش ہو گئے جب باہر آئے تو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کئے گئے ۱۹۱۷ء میں قاہرہ کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے۔ (فاضل بریلوی اور ترک حوالات ص۲۶) ۲؎

آج یہ نصاریٰ ظالم ہیں کل تک یہی رحمدل نیک دل مہربان تھے آج ان
کی کچہریوں میں ظلم ہوتا ہے کل تک عدل وانصاف ہوتا تھا آج ان میں
مقدمات لے جانا حرام ہوئے آج یہ سوجھا ہے کہ وہاں خلافِ
شرع فیصلے ہوتے ہیں کل تک یہی کچہریاں عدالتیں تھیں ۔[1]

یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ آستانہ بریلی اہل ہند کی پہلی مدارات کی پالیسی کی حمایت میں بول رہا تھا یا اس نئی مخالفت کی پالیسی کے مخالفت پیش نظر تھی غور کیجئے وہ قلم جوان دونوں پالیسیوں میں ٹکراؤ ثابت کر رہا ہے اس کی اپنی اندر کی آواز کیا ہے ؟ وہ اس پہلی مدارات کی پالیسی کے ساتھ ہے یا وہ اس نئی پالیسی کے مطابق انگریزوں کے مقابل کھڑا ہے خلافت کی حمایت کرتا آ رہا ہے یا مخالفت ؟ آپ کا فیصلہ یقیناً یہی ہوگا کہ آستانہ بریلی کے اس فتوے کے پیچھے انگریزوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

آستانہ بریلی کے ان طنز آمیز فقروں پر غور کریں کیا ایک ایک لفظ انگریز پرستی کے زہر میں ڈوبا ہوا نہیں اور کیا یہ مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کے لئے نہیں کہ انگریزی عدالتیں اب بھی عدل وانصاف کا گہوارہ ہیں اور نصاریٰ ہمارے اب بھی مہربان ہیں اور ہمیں وہ ہر قیمت پر گوارا ہیں افسوس یہ لوگ سمجھ نہ پائے کہ اس پہلے وقت کی حیلہ بازی عوام الناس کو محض خوں ریزی سے بچانے کے لئے تھی اگر وہ طریقہ غلط تھا تو اس وقت تم کانپور کے مسلمانوں کی مدد کے لئے میدان میں کیوں نہ نکل آئے اور اب جبکہ مسلمان کچھ سنبھل رہے ہیں تم انہیں پھر انگریزوں کی جھولی میں ڈال رہے ہو! تمہارا اختلاف اس پہلی پالیسی سے نہیں اس دوسری پالیسی سے ہے۔ ناسخ سے نہیں منسوخ سے ہے حاکم نہیں محکوم سے ہے۔ مولانا مصطفےٰ رضا خاں آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

جب انگریزی سلطنت میں اپنا رسوخ بڑھانا تھا اعتبار جمانا تھا کہ وہ تمہیں
باغی نہ سمجھیں، لہٰذا رنگ وہ تھا اب ہوس سوراج اور آزادی خودمختاری
کے نشہ اور سلطنت کرنے کی خواہش کی ترنگ میں رنگ یہ ہے ۔[2]

---

[1] طرق الہدیٰ والارشاد ص۳۴ [2] طرق الہدیٰ والارشاد ص۱۴

اس تحریر کا ایک ایک لفظ بتا رہا ہے کہ تحریک خلافت کے حامی قدم ہندوستان کی آزادی کی طرف بڑھا رہے تھے سلطنت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے تھے بیرونی سامراج سے وہ جان چھڑانا چاہتے تھے اور آستانہ بریلی علی الاعلان آزادی حاصل کرنے کے خلاف تھا انگریزوں کی اس سے بڑھ کر اور خیر خواہی کیا ہو سکتی تھی۔

خلافت کے خلاف چلنے کی ایک اور وجہ

بریلوی تحریک خلافت یا تحریک آزادی ہند کے اس لئے بھی مخالف تھے کہ آزادی پسند طاقتوں نے حضرت محمود الحسن دیوبندی کو شیخ الہند بنا رکھا ہے جلسوں کی صدارت یہی کرتے ہیں۔ اور جمعیت علماء ہند کے صدر بھی یہی ہے مصطفےٰ رضا خاں کی اس اندر کی آگ کی ایک پلیٹ یہ ہے۔ دیکھئے احکام الامارہ ص۴۰

"ــــــــــ ان کا شاندار استقبال کریں کرائیں غرض کوئی دقیقہ ان کے اعزاز و اکرام کا اٹھا نہ رکھیں انہیں صدر جلسہ صدر جمعیت کریں بلکہ بعض کو شیخ الہند بنائیں۔ کیا آج سے پہلے انگریز انگریز نہ تھے وہ مسلمان جو غدر میں پھانسیاں دیئے گئے دریائے شور بھیجے گئے سخت سزایاب ہوئے جو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے گئے وہ مسلمان نہ تھے؟"

یہ ایک مقام غور ہے مصطفےٰ رضا خاں کی اس عبارت سے ان کی غرض ان مظلومین کی ہمدردی ہے جنہیں بے گناہ پھانسیوں پر لٹکایا گیا تھا یا خاں صاحب بریلوی کا مقصد موجودہ تحریکات آزادی کو روکنا اور انگریزوں کی حمایت کرنا ہے اگر یہی وجہ ہے تو ہم پوچھ سکتے ہیں جناب اسوقت آپکے پردادا مولانا رضا علی خاں کہاں تھے پھانسی پر چڑھنے والوں کی ہمدردی میں کوشاں تھے یا کہیں اپنے گھر میں آرام فرما رہے تھے تاریخ کے طالب علموں کو یہ سوال کرنے کا پورا حق ہے مولانا احمد رضا خاں کے سوانح حیات میں شاہ مانا قادری لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کو گرفتار کر کے تختہ دار پر چڑھایا جا رہا تھا مولانا رضا علی خاں صاحب اس زمانے میں بریلی میں محلہ ذخیرہ میں قیام فرما تھے" سوانح اعلیٰ حضرت ص۳۶

مسلمانوں کے اموال لوٹ کر اسی محلہ میں کیوں ذخیرہ کئے جا رہے تھے اور کون اس وقت حکومت کی طرف سے بے خوف تھے یہ آپ خود اندازہ کرلیں۔

فتوائے جہاد کے خلاف مولانا احمد رضا خاں کی بڑی دلیل

مولانا احمد رضا خاں کی انگریزوں سے نہ لڑنے کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ مسلمانانِ ہند کے پاس اتنی طاقت نہیں کہ وہ انگریز حکومت کے خلاف اٹھ سکیں مولانا احمد رضا خاں نے لکھا۔

> مفلس پر اعانت مال نہیں بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں ولہٰذا مسلمانان ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں [۱]

مولانا مُصطفےٰ رضا خاں نے اسے اور وضاحت سے لکھا ہے۔

> جو حکم انسانی قوت و طاقت بشری وسعت و استطاعت سے باہر ہو وہ ہرگز حکم شریعت مطہرہ نہیں .... اب یہ خود دیکھ لو کہ یہاں اسوقت حکم جہاد میں تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں .... کیا نہتوں کو ان سے جو تمام ہتھیاروں سے لیس ہوں لڑنے کا حکم دینا سختی نہیں اور تکلیف فوق الوسعت نہیں کیا ایسوں کو جو ہتھیار چلانا تو بڑی بات ہے اٹھانا نہیں جانتے انہیں توپوں کے سامنے کر دینا کچھ زیادتی نہیں [۲]

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کا اعلان حق

حضرت شیخ الہند نے ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو مسلم نیشنل یونیورسٹی علی گڑھ میں جو خُطبہ دیا اس میں مولانا احمد رضا خاں کے اس احساس کمتری اور ناطاقتی کا مکمل جواب ہے حضرت شیخ الہند نقاہت کے باعث اسے خود نہ پڑھ سکے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اسے آپ کی طرف سے پڑھا حضرت شیخ الہند نے کہا:-

> اے حضرات آپ خوب جانتے ہیں کہ جس وادی پُرخار کو آپ برہنہ پا ہوکر قطع کرنا چاہتے ہیں وہ مشکلات اور تکالیف کا جنگل ہے قدم قدم پر صعوبتوں کا سامنا ہے طرح طرح کی بدنی اور مالی اور جاہی مکروہات آپ کے دامن استقلال کو اُلجھانا چاہتی ہیں۔ لیکن حُفَّتِ الجنۃ بالمکارہ

---

[۱] دوام العیش صفحہ ۱۴ [۲] احکام الامارہ والجہاد صفحہ ۲۹، صفحہ ۳۰

(جنت ناخوشگوار امور کے گھیرے میں رکھی گئی ہے) کے قائل (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو اگر آپ خدا کا سچا رسول مانتے ہیں اور ضرور مانتے ہیں تو یقین رکھیئے کہ جس صحرائے پرخار میں آپ گامزن ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے رستے سے جنت کا دروازہ بہت ہی قریب ہے کامیابی کا آفتاب ہمیشہ مصائب و آلام کی گھٹاؤں کو پھاڑکر ہی نکلا ہے اور اعلیٰ تمناؤں کا چہرہ سخت سے سخت صعوبتوں کے جھرمٹ میں سے دکھائی دیا ہے۔

یہ حق تعالیٰ شانہ کی سنت مستمرہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی و تغیر کو راہ نہیں کوئی قدم اللہ جل شانہ کی محبت اور اس کے رستہ پر چلنے کی مثل نہیں ہوئی جس کو امتحان و آزمائش کی کسوٹی پر نہ کسا گیا ہو خدا کے برگزیدہ اور الوالعزم پیغمبر جن سے زیادہ خدا کا پیارا کسی سے نہیں ہو سکتا اس سے مستثنیٰ وہ بھی نہیں رہے بیشک ان کو مظفر و منصور کیا گیا مگر کب؟ سخت ابتلا اور زلزال شدید کے بعد

پس اے فرزندان توحید! میں چاہتا ہوں کہ آپ انبیاء و مرسلین اور ان کے وارثوں کے راستہ پر چلیں اور جو لڑائی اس وقت شیطان کی ذریت اور خدائے قدوس کے لشکروں میں ہو رہی ہے اس میں ہمت نہ ہاریں اور یاد رکھیں کہ شیطان کے مضبوط سے مضبوط آہنی قلعے خدا وند قدیر کی امداد کے سامنے تارِ عنکبوت (مکڑی کے جالے) سے بھی زیادہ کمزور ہیں

میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت و نقاہت کی حالت میں آپ کی دعوت پر اس لئے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ

ان کے دلوں پر خوف و ہراس مسلط ہو جاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا — اور ان کے سامان حرب و ضرب کا — حالانکہ ان کو تو سب سے زیادہ جاننا چاہیئے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے اور دنیا کی متاع قلیل خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

اے نونہالان وطن جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار جس سے میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح میں نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) رشتہ جوڑا ہے۔

کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتلائیں لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ جسقدر میں علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے [1]

یہ حضرت شیخ الہندؒ کے خطبہ کے چند اقتباسات ہیں آپ نے اپنی دعاؤں کی تائید میں بہت سی آیتیں بھی پیش کی ہیں مگر اختصار مضمون کے پیش نظر ہم انہیں یہاں نہیں دیتے

اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کا وہ فتوے پڑھا گیا جو آپ نے دیوبند سے طلبہ علی گڑھ کے جوابات میں بھیجا تھا اس پر ان شاء اللہ ہم آگے چل کر مقام خلافت کے زیر عنوان مفصل بحث کریں گے۔

اس وقت صرف یہ بتلانا ہے کہ حضرت شیخ الہند نے اس خطبہ میں کہیں نہتے مسلمانوں کو توپوں سے ٹکرانے کی دعوت نہیں دی جیسا کہ بریلویوں نے قائدین خلافت کے خلاف پراپیگنڈا کر رکھا تھا نہ کہیں آپ نے انگریزوں کے خلاف کھلی لشکر کشی یا عام لام بندی کا حکم دیا ہے، جس سے یہ بریلوی لوگوں کو حضرت شیخ الہندؒ سے ڈراتے تھے۔ آپ کا اس تمام تحریک میں ہی عزم و حزم رہا ہے کہ جوں جوں طاقت بنتی جائے منزل کی طرف قدم بڑھاتے جاؤ مشکلات

---

[1] خطبات شیخ الہند ص۵

پر قابو پانے کے لئے آپ نے ان چار امور پر توجہ مبذول فرمائی۔
(۱)۔۔۔ آزادی کی یہ جنگ صرف مسجدوں اور خانقاہوں سے نہ لڑی جائے اس میں کالجوں اور یونیورسٹی کے طلبہ کو بھی ساتھ شامل کیا جائے ان نوجوانوں کو بے دین اور انگریزی خواں کہہ کر حقیر نہ سمجھا جائے یہ قوم کا عظیم سرمایہ ہیں ان سے ہماری اسلامی صفوں میں اور قوت آئے گی۔
(۲)۔۔۔ ہندوستان کی غیر مسلم اقوام جو گو ہمارے مذہب پر نہیں مگر انگریز دشمنی میں ہمارے ساتھ ہیں ان سے بطریق مدارات اپنے مقاصد کے لئے مدد لی جائے مثلاً ترکی خلافت خاص مسلمانوں کا مسئلہ ہے مگر اگر ہندو بھی انگریز دشمنی میں تمہیں امداد دیں تو اسے ٹھکرایا نہ جائے انہیں ساتھ ملایا جائے
(۳)۔۔۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا دائرہ اسلامی اخوت وسیع کیا جائے اس میں افغانستان اور ترکی کو ساتھ لیا جائے تاکہ ہندوستان کے مسلمان ترکوں، افغانوں اور آزاد قبائل کو ساتھ ملاکر ہندوؤں کے مقابل ایک بڑی اکثریت بن سکیں۔
(۴)۔۔۔ انگریز کے مقابلہ میں کھلی جنگ کا اعلان نہ کیا جائے پہلے ترک موالات سے ان کیخلاف سرد جنگ لڑی جائے ان کی فوج اور پولیس میں ملازمتیں نہ کی جائیں سکولوں، کالجوں اور دینی مدارس میں ان کی امداد قبول نہ کی جائے اور ان کی عدالتوں میں مقدمے نہ لے جائے جائیں آپ نے اپنے خطبہ میں اس کی ان لفظوں میں وضاحت کردی تھی۔

چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس مدافعت اعداء کے مادی اسباب نہیں ہیں توپیں، ہوائی جہاز، بندوقیں ان کے ہاتھ میں نہیں اس لئے مادی جنگ نہیں کر سکتے ہیں لیکن انہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ جب تک برطانیہ کے وزراء اسلامی مطالبات کو تسلیم نہ کریں اس وقت تک تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی ان کے ساتھ معاشرتی اور اخلاقی جنگ ہے یعنی مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ایسے تعلقات قائم رکھیں جن سے ان کی مخالفانہ اور معاندانہ طاقت کو مدد پہنچے اور ان کے نشہ غرور و تکبر کو تیز کرے مسلمانوں کا اولین فرض ہے کہ وہ دشمن اسلام کو دشمن کے مرتبہ میں رکھیں اور

ایسے تعلقات جو میل جول اور دوستی اور محبت پیدا کرنے والے ہیں ایک دم چھوڑ دیں اس اخلاقی جنگ کا نام ترک موالات ہے۔[1]

حضرت شیخ الہند کی تردید میں بریلویوں کا جواب

ہندوستان کے آستانہ بریلی نے انگریزوں کی حمایت میں حضرت شیخ الہند کی یہ چاروں باتیں مسترد کر دیں۔ (۱) کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے بارے میں کہا کہ یہ سب ہیں انہیں کس طرح ساتھ لیا جاسکتا ہے اور شیخ الہند دیوبندی ہیں ان کا ساتھ کیسے دیا جاسکتا ہے۔

(۲) ہندوستان کی غیر مسلم اقوام (ہندوؤں کو) اپنے دینی کاموں میں ساتھ لینا جائز نہیں جو ہندو انگریزوں کے خلاف کام کرتے رہے ہیں (جیسے گاندھی) ان کو ہم کیسے اپنے ساتھ ملا سکتے ہیں وہ تو ہندو ہیں غیر مذہب ہیں۔

(۳) مسلمانوں کی وسیع تر اخوت ترکوں کے گرد جمع نہیں کی جاسکتی کیونکہ ترک غیر قریش ہیں وہ خلافت کے حقدار نہیں ہو سکتے مولانا احمد رضا خان نے ترکوں کے خلاف ایک مستقل رسالہ دوام العیش فی الائمۃ من قریش لکھا جسے حسنی پریس بریلی نے شائع کیا ترکی خلافت کیخلاف خاں صاحب کی یہ شرعی حجت تھی۔

(۴) انگریزوں سے ترک موالات نہ کرنا چاہیئے بلکہ دینی مدارس کے لئے ان سے امداد لینی چاہیئے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے لکھا۔

> تعلیم دین کے لئے گورنمنٹ (برطانیہ) سے امداد قبول کرنا جو نہ مخالفت شرع سے مشروط اور نہ اس کی طرف منجر ہو یہ تو نفع بے غائلہ ہے[2]

بریلویوں نے حضرت شیخ الہند کی تحریک کو ناکام کرنے کے لئے علی گڑھ کے طلبہ کو نیچری کہا اور جمعیت والوں کو دیوبندی ٹھہرایا اور ہر دو سے ملنا حرام بتلایا اب انگریزوں کو خطرہ کس سے ہو کسی سے نہیں جناب مصطفیٰ رضا خاں صاحب نے لکھا۔

---

[1] خطبہ شیخ الہند ص۱۱ [2] المحجۃ الموتمنہ ص

دعویٰ ترک موالات از نصاریٰ کرنے والے نیا چہرہ و دیوبندی آج
اس میں پیش پیش ہیں [1]

یعنی ہمیں تحریک ترک موالات کا ساتھ نہ دینا چاہیئے بلکہ مخالفت کرنی چاہیئے انگریز یہی چاہتے تھے بریلویوں کا سب سے زیادہ زور مخالفت ہندوؤں سے تعاون لینے پر لگا شیخ الہندؒ نے صرف اتنا ہی کہا تھا :۔

کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ
کثیر تعداد قوم (ہندو) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے
حصول میں موید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اجتماع
کو بہت ہی مفید اور سمجھتا ہوں [2]

لیکن بریلویوں نے علماء دیوبند کے خلاف ایسا بہتان گھڑا کہ انسانی شرافت دم بخود ہو کر رہ گئی ان کا محمد شرف الدین اشرف الجماسی جس نے طرق الھدیٰ والارشاد کا مقدمہ لکھا ہے اس نے علماء دیوبند کو ختم نبوت کا منکر قرار دیا اور الزام لگایا ہے کہ یہ گاندھی کو نبی مانتے ہیں ۔ اشرف جماسی لکھتا ہے :۔

ترکوں کو کوئی فائدہ کسی طرح نہیں ہو سکتا انہیں فائدہ تب ہی ہوگا
جبکہ ہندی مسلمان ہندوؤں کی غلامی اختیار کریں گے انہیں نبی مانیں گے
جزیرۃ العرب جب ہی آزاد ہو سکے گا جب ہندوؤں پر قرآن و حدیث
تک نثار کریں گے ۔ صٹ

صرف مقدمہ نگار ہی نہیں مصطفےٰ رضاخاں نے خود بھی قائدین خلافت پر یہ الزام لگایا اور آپ کو اتنا بڑا جھوٹ بولتے شرم نہ آئی ۔

اصل یہ ہے کہ وہ گاندھی کو اپنا امام و پیشوا ہادی و رہنما جانتے بلکہ نبی بالقوہ بالقوہ

---

[1] طرق الھدیٰ والارشاد ص۳۳ ۔ [2] خطبہ شیخ الہند ۹ ، ربیع الاول ۱۳۳۹ھ جو حضرت مولانا مرتضےٰ حسن نے پڑھا ص۲۳ ۔

بلکہ نبی بالفعل مانتے ہیں لے مذکر مبعوث من اللہ کہتے ہیں۔ لہ
اب آپ ہی غور فرمائیں اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا حضرت شیخ الہندؒ تو اس شرط سے دونوں قوموں کے اتحاد کو مفید و سمجھتے تھے کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے مذہبی امور میں دخل نہ دیں اور یہ آستانہ بریلی ہے جو اہل حق پر یہ بہتان باندھ رہا ہے کہ وہ گاندھی کو بالفعل نبی مانتے ہیں استغفر اللہ العظیم۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست۔
حضرت شیخ الہندؒ نے مختلف قوموں کے اتحاد پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بات پہلے واضح کر دی تھی

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی کو آپ خوشگوار اور پائیدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دلنشین کر لیجئے اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور میں کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دلآزاری متصور ہو۔

اگر فرض کرو ہندو مسلمان کے برتن میں پانی نہ پئے یا مسلمان ہندو کی ارتھی کو کندھا نہ دے تو یہ دونوں کے اتفاق کے لئے مہلک نہیں، البتہ ان دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمائیاں اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے اور نیچا دکھانے کی وہ کوشش جو انگریزوں کی نظروں میں دونوں قوموں کا اعتبار ساقط کرتی ہیں اتفاق کے حق میں سم قاتل نہیں مجھے امید ہے کہ آپ حضرات میرے اس مختصر مشورہ کو سرسری نہ سمجھ کر ان باتوں کا عملی انسداد کریں گے۔ لہ

لہ طرق الھدی والارشاد صـ۳۲ ۔ لہ خطبہ شیخ الہند ۹ صـ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

قارئین اندازہ کریں جن بزرگوں کا دین اسقدر محتاط ہو کہ وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے باب میں بھی دوسرے کی مداخلت برداشت نہ کریں ان پر خاں صاحب بریلوی یہ الزام لگائیں کہ وہ گاندھی کو بالفعل نبی مانتے ہیں جس کا ایمان لانا کہیں ثابت نہیں یہ علماء ہیں جو اس کی فرضی نبوت پر اختلاف کے چوک میں ڈیرہ لگائے بیٹھے ہیں قارئین اپنے ضمیر کو آواز دیں کیا واقعی ان دنوں گاندھی کے بارے میں کوئی دعوت نبوت زیر بحث تھا؟ اگر نہیں تو آپ ہی فیصلہ کریں کہ اس اشتعال انگیزی سے سوائے اس کے کہ رعایا ہند میں بد اعتمادی بڑھے اور سودیشی حکومت اور زیادہ مضبوط ہو بریلویوں کا اور کیا مقصد ہو سکتا تھا فاعتبروا یا اولی الابصار۔ خلافت کے خلاف مولانا احمد رضا خاں کے دلائل کتنے کمزور ہیں اس وقت اس سے بحث نہیں اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ انکارِ خلافت کا یہ دھارا کدھر بہ رہا تھا آستانہ بریلی کے ان فتووں سے امت مسلمہ کو قوت ملے گی آزادی کی تحریک آگے بڑھے گی یا اس باہمی نزاع اور ہندو مسلم اختلاف سے انگریزی حکومت کو استحکام ملے گا اس سے کوئی مبصر آنکھیں بند نہیں کر سکتا خلافت پر ہم تفصیل سے بات کریں گے۔ یہاں ہم صرف بتلانا چاہتے ہیں کہ آستانہ بریلی انگریزوں کی غیر متزلزل حمایت میں کس طرح حضرت شیخ الہند کے خلاف کام کر رہا تھا۔

مولانا احمد رضا خاں کی علماء دیوبند سے مخالفت اصلاً اس سیاسی جہت سے تھی اسے عوام میں مؤثر بنانے کے لیے آپ نے مذہبی اختلافات بعد میں وضع کیے۔ علماء دیوبند مسلکاً اہل السنۃ والجماعۃ تھے اور ان کے خلاف عقائد کے محاذ پر جنگ نہ لڑی جا سکتی تھی مولانا احمد رضا خاں کے پاس اب ان کی مخالفت جتانے کے لیے بس ایک ہی راہ تھی اور وہ یہ کہ اختلافات کی راہ سے نہیں، انہیں الزامات کی راہ سے بدنام کیا جائے مولانا بدنام کیا جائے کہ عوام انگریزوں کے خلاف ان کی قیادت میں کبھی جمع نہ ہوں سیاسی اور مذہبی طور پر بھی انگریز مذہب صاحب کی پیروی کی آپ نے اپنے بیٹوں کو آخری وقت میں وصیت کی تھی۔

تحریکِ خلافت اور مولانا احمد رضا خان

دیوبند اور سیال شریف کا ایک موقف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

تحریکِ خلافت اور مولانا احمد رضا خاں

تحریکِ خلافت میں مولانا احمد رضا خاں کا حصہ کیا ہے، اس سے پہلے تحریکِ خلافت کو کچھ سمجھیں۔ اسے سمجھے بغیر بریلویت کے سیاسی محرکات کا تحقیقی جائزہ نہیں لیا جا سکتا۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور یہ کس درجہ ضرورت میں ہے؟ اس پر ہم ذرا آگے چل کر کلام کریں گے۔ واللہ ھو الموفق۔

خلافت ایک شرعی اور اسلامی لفظ ہے۔ یہ وہ نظامِ حکومت ہے جو زمین پر رہنے والے انسانوں کے بنیادی حقوق Basic human rights کے تحفظ کے لیے خدا کی نیابت میں قائم ہو۔ یہ ایک ایسی سیاست ہے جو اللہ کے حقوق اور انسانوں کے حقوق دونوں کی بیک وقت حفاظت کرتی ہے:۔

الخلافة هي النظام المحافظ للحقوق الالهية والانسانية.

جب یہ ایک شرعی اور اسلامی اصطلاح ہے اور دنیا خلافت سے خلافتِ راشدہ کی ہی راہ سے متعارف ہوئی تو یہ کہنا یا سمجھنا کہ ہندوستان میں گاندھی تحریکِ خلافت چلائی۔ اس سے زیادہ کوئی جاہلانہ بات یا تاریخی جھوٹ اور کوئی نہیں۔

ایک صاحب تحریکِ ترکِ موالات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

> مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علیؒ سمیت بہت سے مسلمان رہنما اس مسئلے میں گاندھی کے ساتھ تھے۔

خلافت اور ترکِ موالات یہ اسلامی اصطلاحیں ہیں۔ ہندوستان کے کثیر مسلمانوں کو اور وقت کے سیاسی قائدین مثل حضرت شیخ الہند، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی مولانا ظفر علی خان وغیرہم کو اس درجہ دین سے ناواقف بتلانا کہ وہ گاندھی کی قیادت میں ان اسلامی تحریکات میں نکلے تھے۔ اس سے بڑی بے وقوفی اور کیا ہوگی۔

خلافت ایک اسلامی اصطلاح ہے اور مسلمانوں کی ایک بین الاقوامی ضرورت ہے۔ حضور خاتم النبیین کے بعد جب آسمانی امانتیں اور سلسلہ مامورین ختم ہیں۔ اب نبوت کے بعد خلافت ہی جس نے مسلمانوں کو

دُنیا کی قیادت بخشی۔ مسلمان خلافتِ راشدہ کے بعد خلافتِ اموی میں اور خلافتِ اموی کے بعد خلافتِ عباسی میں اور خلافت عباسیہ کے بعد خلافت فاطمیہ میں اور اس کے بعد خلافت ترکی کے مختلف سلاسل سے گزرے ان تمام خلافتوں میں خلافتِ راشدہ کی سی دینی شوکت نہ تھی۔ تاہم خلافت کا نام اور مسلمانوں کا ایک جھنڈا مسلمانوں کے کاروانِ رفتہ کا ایک نمودِ غبار ضرور تھا۔

تحریک خلافت

ہندوستان پر جب انگریز چھاگئے اور انہوں نے یہاں کی حکومت سنبھال لی تو اس وقت مسلمانوں کی خلافت ترکوں سے قائم تھی اور تمام قلمرو اسلامیہ میں انہی کا نام چلتا تھا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور دوسرے عرب علاقوں میں انہی کے نائبین نیابت کرتے تھے یہ سلطنت عثمانیہ تھی۔

جنگِ عظیم اول میں ترکی نے جرمنوں کا ساتھ دیا۔ دونوں کا مطمح نگاہ مشترکہ دشمن یہودیوں کی بیخ کنی کی تھی، جرمنی کی شکست کے بعد خلافت عثمانیہ بھی خطرے میں گھر گئی۔ انگریزوں کا موقف تھا کہ مسلمانوں میں نظامِ خلافت نام میں بھی باقی نہ رہنے پائے۔ لیکن مسلمان چاہتے تھے کہ جس طرح بھی بن پڑے مسلمان اس نام کو باقی رکھیں۔ ہندوستان کے وہ درویش جو اس سے پہلے انگریزی سلطنت کو حالات کی مجبوری کے تحت وفا کا عہد دے چکے تھے۔ انہوں نے چاہا کہ اپنے سابق خلوص کا واسطہ دے کر کسی طرح خلافت کی آبرو کو بچالیں، یہ جھنڈا ابھی باقی رہے تو آئندہ کسی وقت تن آور درخت بن سکتا ہے اور انگریز بھی اس خطرے سے غافل نہ تھے۔

مسلم سیاسی قیادت کا نقطۂ نظر

جنگِ عظیم اول کے دوران ہندوستان کی مسلم سیاسی قیادت یہ چاہتی تھی کہ کسی طرح ہندوستان کا افغانستان اور ترکی سے سیاسی انسلاک ہو جائے اور جو ترک یورپ میں انگریزوں سے لڑ رہے ہیں۔ وہ ہندوستان کی انگریزی عملداری پر بھی حملہ آور ہوں اور ہندوستان کے مسلمان ترکوں کا ساتھ دیں، ہو سکتا ہے اس راہ سے ہندوستان انگریزی عملداری سے آزاد ہو جائے۔

اب مسئلہ ہندوستان کی دوسری بڑی قوم کا تھا کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ دے اور خلافت کی

حمایت کرے یا ترکوں کے حملے کے وقت وہ انگریزوں کا ساتھ دیں۔ مسلم زعماء نے ہندوؤں کو انگریزوں کے کیے گئے مظالم اور ان کے غیر ملکی خون سے نفرت دلا کر بعد حیلہ و بہانہ انہیں اپنے ساتھ کر لیا اور اس میں حضرت شیخ الہندؒ کی ایک نہایت گہری سیاسی سوچ کارفرما تھی۔ آپ اسے اس درجہ میں بھی آشکارہ کرنا چاہتے تھے کہ ہندو جاگ پڑے اور اسے سمجھ جائے اور اس درجہ میں بھی نظر انداز نہ کرنا چاہتے تھے کہ بیرونی حملے کے وقت اپنے ملک کی دوسری قوم ہمارا ساتھ نہ دے۔ ہندوؤں کو اپنے ایک مذہبی مسئلے (خلافت) کے نام سے اپنے ساتھ ملانا ایک بڑی کٹھن منزل تھی اور ہندو اس موقع پر ہمارا ساتھ دے جائیں تو یہ ایک بڑی غنیمت تھی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی وہ سوچ کیا تھی؟ ہندوستان کی ہندو اکثریت کو خلافت کی مسلم اکثریت سے بدلنا۔ اگر ہندوستان خلافت کے زیر اثر آزاد ہوتا تو ہندوستان کے مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود اکثریت میں تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ اس راہ سے ہندو اکثریت پہ غالب آنا چاہتے تھے۔ لیکن اس وقت اس راز کا افشاء بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔

ثانیاً حضرت شیخ الہندؒ یہ بھی چاہتے تھے کہ ہندوستان میں دو قوموں کا دو قومی احساس باقی رہے ہندوؤں کے تعاون کو مسلمان اس احساس سے لیں کہ ایک دوسری قوم ان کے ایک دینی نعرے میں ان کا ساتھ دے رہی ہے۔

انگریزوں کے پاس حضرت شیخ الہندؒ کی اس سیاسی تدبیر کا ایک ہی جواب تھا۔ وہ یہ کہ ہندوستان میں پورے زور و شور سے یہ پروپیگنڈا کیا جائے کہ تحریک خلافت کو گاندھی چلا رہا ہے اور اس کے پس پشت ترک اور جرمن ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کا خطبہ جو آپ کے حکم سے حضرت مولانا مرتضیٰ حسنؒ نے ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو پڑھا یہ حضرت شیخ الہندؒ کی آخری تحریر ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباس اس کا آخری حصہ ہے:۔

> میں اس وقت آپ سے رخصت ہو رہا ہوں اور جو کچھ مجھے کہنا تھا خطبۂ صدارت میں کہہ چکا ہوں اور جو مبسوط مضمون مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے آپ کو آج ہی کے اجلاس میں سنایا ہے اس کے ضمن میں بھی میرے مقاصد اور محسوسات نہایت خوبی سے ادا ہو گئے ہیں اور حضرات علماء متدینین نے بحث و تحمیص کے

بعد جو امور طے کیے ہیں، اُن سے بھی یہ بندۂ ضعیف عملاً علیحدہ نہیں ہے۔ اس لیے اب مجھ کو اس سے زائد کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم سب کو مل کر متوکلاً علی اللہ ان طے شدہ تجاویز پر عمل کرنا اور کرانا چاہیئے۔ جن سے ہمارے ایمان، ہمارے کعبہ ہماری خلافت، ہماری عزت و آبرو، ہمارے مقاماتِ مقدسہ اور ہمارے وطنی، اور قومی حقوق کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ اگر اس وقت بھی ہم نے غفلت اور تن آسانی اختیار کی تو شاید عافیت حاصل کرنے کا یہ آخری موقع ہو گا۔ جس کو ہم جان بوجھ کر اپنے ہاتھ سے کھوئیں گے۔ جو صراطِ مستقیم آپ نے معلوم کر لیا ہے قرآن و سنت کی روشنی میں اس پر سیدھے چلے جائیے اور یمین و شمال کی طرف مطلق التفات نہ کیجیے۔

جو لوگ اس وقت آپ سے علیحدہ ہیں اُن کو بھی حکمت اور موعظہ حسنہ سے اپنی جماعت کے اندر جذب کیجیے اور اگر اس میں مجادلہ کی نوبت آئے تو وہ بالتی ھی احسن ہونا چاہیئے۔

کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طرح سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں مؤید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور منتج سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورتِ حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ ہمیشہ کے لیے ناممکن بنا دے گی۔ ادھر دفتری حکومت کا آہنی پنجہ روز بروز اپنی گرفت کو سخت کرتا جائے گا اور اسلامی اقتدار کا کوئی دھندلا سا نقش باقی رہ گیا ہے تو وہ بھی ہماری بداعمالیوں سے حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہے گا۔ اس لیے ہندوستان کی آبادی کے یہ دونوں عنصر بلکہ سکھوں کی جنگ آزما قوم کو ملا کر تینوں اگر صلح و آشتی سے رہیں گے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی چوتھی قوم خواہ وہ

کتنی ہی بڑی طاقت ور ہو۔ ان اقوام کے اجتماعی نصب العین کو محض اپنے جبر و استبداد سے شکست کر سکے گی۔

ہاں میں یہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر یہ کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی کو آپ خوشگوار اور پائدار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دلنشیں کر لیجیے اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حد مدمیں اُن سے کوئی رخنہ نہ پڑے۔ جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح و آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی اُمور میں کسی کے ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری متصور ہو۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ مذہبی معاملات میں تو بہت لوگ اتفاق ظاہر کرنے کے لیے اپنے مذہب کی حد سے گزر جاتے ہیں۔ لیکن محکموں اور ابواب معاش میں ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہیں

میں اس وقت جمہور سے خطاب نہیں کر رہا ہوں بلکہ میری یہ گذارش دونوں قوموں کے زعماء (لیڈروں) سے ہے کہ ان کو جلسوں میں ہاتھ اُٹھانے والوں کی کثرت اور ریزولیوشنوں کی زبانی تائید سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے کہ یہ طریقہ سطحی لوگوں کا ہے۔ ان کو ہندو مسلمانوں کے نجی معاملات اور سرکاری محکموں میں متعصبانہ رقابتوں کا اندازہ کرنا چاہیئے۔ اگر فرض کرو، ہندو مسلمان کے برتن سے پانی نہ پیئے یا مسلمان ہندو کی ارتھی کو کندھا نہ دے تو یہ ان دونوں کے اتفاق کے لیے مہلک نہیں۔ البتہ ان دونوں کی وہ حریفانہ جنگ آزمائیاں اور ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے اور نیچا دکھانے کی وہ کوششیں جو انگریزوں کی نظروں میں دونوں قوموں کا اعتبار ساقط کرتی ہیں اتفاق کے حق میں سم قاتل ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ حضرات میرے اس مختصر مشورہ کو سرسری نہ سمجھ کر ان باتوں کا عملی انسداد کریں گے۔

اب آخر میں مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہٗ ہم کو اور آپ کو نیکی اور سمجھ دے اور ہمارے دلوں کو سیدھا کرنے کے بعد کج نہ کرے اور ہماری وجہ سے ہمارے مذہب پر دوسروں کو تضحیک کا موقع نہ دے اور ہم کو ہر ایک آسان اور کٹھن منزل میں صبر و استقلال کے ساتھ ثابت قدم رکھے اور اس وقت کے حالات سے بہتر حالات میں پھر ہم کو جمع کرے۔ اٰمین یارب العٰلمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد والہٖ وصحبہٖ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔

آپ کا دُعا گو اور خیر اندیش محمود حسن غفرلہٗ

۹، ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

۲۱، نومبر ۱۹۲۰ء

اس میں آپ نے صریح طور ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کو دو علیحدہ علیحدہ قومیں کہا ہے۔ اس سے پہلے یہ دو قومی نظریہ اور کسی سیاسی قائد کی زبان و قلم سے ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

مولانا احمد رضا خاں کا سیاسی کردار

مولانا احمد رضا خاں اگر ہندوستان کی تحریک آزادی میں شامل نہ ہوئے تو محض اتنی بات پر ہمیں شکایت کا حق نہ تھا۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ بھی تو تحریک خلافت میں ساتھ نہ تھے۔ لیکن اس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ حضرت تھانویؒ ان کے لیے دُعا گو ضرور تھے اور مسلمانوں کی دینی رگ اپنے اپنے حلقوں میں دُکھ درد پر یکساں پھڑکتی ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا:۔

ان کی نصرت واجب ہے اس لئے کہ کفار (انگریز) تو اس کو اسلامی سلطنت ہی سمجھ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس لئے اس وقت ترکوں کی نصرت اسلام کی نصرت ہے۔ (الافاضات الیومیہ جلد ۳ ص ـــ)

مگر مولانا احمد رضا خاں نہ صرف یہ کہ تحریک خلافت کے مخالف تھے شریف مکہ کے بھرپور حامی تھے جس نے انگریزوں کی شہ پر خلافتِ عثمانیہ (ترکوں) کے خلاف بغاوت کی تھی۔ آپ نے اس وقت حجاز کے حالات میں جو کردار ادا کیا وہ آپ کو صریح طور پر انگریزوں کی گود میں لا بٹھاتا ہے اس پر بھی ہم

انشاء اللہ العزیز کچھ آگے چل کر بحث کریں گے کہ مولانا احمد رضا خاں کا شمار گورنمنٹ برطانیہ کے حامیوں میں کیسے تھا۔

اسلام میں قیادت کی اہمیت

اسلام میں خلافت صرف ایک نظام نہیں، ایک شرعی ضرورت بھی ہے۔ اسلام کے کئی مسائل ہیں جو اس کے بغیر ترتیب عمل نہیں پا سکتے اور کئی فقہاء کے جمع واعیاد تک بدون اذن سلطان قائم نہیں ہوتے۔

غیر مسلم ممالک میں جہاں مسلمانوں کا اپنا نظام عدل وقضا نہیں، وہاں ضروری ہے کہ مسلمان اپنے بعض مسائل (جو بدون اقتدار وقضاء حل نہ پاتے ہوں) کے حل کے لیے اپنی اسلامی پنچائتیں قائم کر لیں:

فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلماً[1]

ترجمہ: سو اگر والیان سلطنت غیر مسلم ہوں تو بھی مسلمان جمعہ پڑھ سکتے ہیں اور قاضی مسلمانوں کی اپنی تراضی سے قاضی ٹھہرے گا اور مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ کسی مسلمان کو (اپنے ان امور کا) والی بنالیں۔

خلافت ایک ایسی شرعی ضرورت ہے کہ کوئی اسلامی سلطنت گو وہ اپنے نظم وبقاء میں اپنے پاؤں پہ کھڑی ہو کر کسی اور مرکز کی محتاج نہ ہو۔ اس کا اپنے مذہب وملت کے بین الاقوامی ہونے کا عقیدہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ خلافت کے اقرار سے کسی ایسے عالمی نظام میں شامل ہو جو خداوند تعالیٰ کی ماتحتی اور نیابت میں کرۂ ارضی پر قائم ہوا ہو۔

كل مصر فيه وال مسلم من جهة الكفار يجوز منه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج وتقليد القضاء وتزويج الايامى لاستيلاء المسلم عليهم واما طاعة الكفرة فهي موادعة ومخادعة واما في بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم طلب وال مسلم[2]

ترجمہ: ہر شہر جس میں کفار کی طرف سے مسلمان والی متعین ہو تو وہ وہاں جمعہ وعید قائم کر سکتا ہے اور جہاں والی بھی غیر مسلم ہوں تو وہاں مسلمان خود جمعہ وعید قائم کر سکتے ہیں اور قاضی شرع مسلمانوں کے باہمی فیصلے سے قاضی بنے گا اور ان پر کسی کو مسلم والی بنانا واجب ہے۔

---

[1] رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ [2] رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۳۰۵ اڈیشن قدیم

اسلام کا مقامِ خلافت

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد :-

انسان اس زمین پر خدا تعالیٰ کا نائب ہے، باقی کل کائنات اس کے ماتحت ہے. یہ سب پر فرماں روا ہے اور اسے ہی حق پہنچتا ہے کہ ہر ملک ملکِ ماست کہ ملک خدائے ماست کا دعوے کرے ——— یہ شرف صرف مسلمانوں کو حاصل ہے کہ انہوں نے زمین پہ خدا کی نیابت کا نعرہ لگایا اور جغرافیائی سرحدوں کو عبور کر کے کل دنیا کو ایک نظام میں جوڑنے کی کوشش کی، یہی خلافت ہے جو مسلمانوں کی ایک شرعی ضرورت ہے. ایک خدا کی نیابت میں دنیا ایک نظام کے تحت ہونی چاہیئے اور چاہیئے کہ سب کثرتیں ایک وحدت کی طرف لوٹیں.

خلافت کی اہمیت

اسلام میں خلافت صرف ایک نظام نہیں، ایک شرعی ضرورت ہے. کوئی اسلامی سلطنت گو اپنے نظم و بقا میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو، کسی مرکز کی محتاج نہ ہو، اس کا عقیدہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ خلافت کے اقرار سے اس عالمی نظم میں شامل ہو، جو اللہ تعالیٰ کی ماتحتی اور نیابت میں کرۂ ارضی پہ قائم ہوا ہو.

سلطان محمود غزنویؒ ایک خود مختار سلطانِ اسلام تھا. ہندوستان پہ اپنی طاقت، وسائل اور ارادے سے سترہ دفعہ حملہ آور ہوا. لیکن جب اُسے سلطنت ملی تو وہ بغداد پہنچتا ہے اور عباسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے. خلافت سے وابستگی ایک شرعی ضرورت پوری کرتی ہے ——— جب تک خلافتِ عباسیہ قائم رہی. فرمانروایانِ ممالکِ اسلامیہ خلیفہ ہی کے ہاتھوں تاج پہنتے تھے اور ہر سلطان دستِ خلافت پر بیعت کرتا. اگرچہ زور و طاقت اور سطوت میں خود اس سے کہیں زیادہ کیوں نہ ہو.

تاتاریوں کے ہاتھوں ۶۵۲ھ میں خلافتِ بغداد تاراج ہوئی. اور مستعصم باللہ بغداد کا آخری عباسی خلیفہ ایک بے وفا وزیر کی سازش سے شکست کھا گیا.

؎ آسماں را حق رسد کہ خوں بہارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المؤمنیں

ساڑھے تین سال کے قریب مسلمان بے خلافت رہے۔ یہاں تک کہ ۵ رجب ۶۵۹ھ کو مستنصر باللہ نے خلافت کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ خلافت سلطانِ مصر نے شروع کی اور خلیفہ عباسی خاندان سے ہی چُنا گیا یہ خلافت عباسی کے کاروانِ رفتہ کا محض ایک نمودِ غبار تھا تاہم خلافت کی شرعی ضرورت اس سے پوری ہوتی تھی اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مسلمان بے خلافت ہیں۔ ہندوستان کے مسلم سلاطین گو اپنی طاقت اور اختیارات میں پورے طور پر آزاد تھے۔ لیکن اس شرعی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے وہ خلیفۂ وقت کی طرف رجوع کرتے اور اس انتساب کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے۔

سلطان غیاث الدین نے ۷۴۴ھ میں خلیفہ مستعین باللہ سے اپنے لیے پروانۂ نمائندگی مانگا اور خلیفۂ مصر کو نذرانۂ عقیدت بھیجا۔ خلافتِ بغداد مٹنے کے بعد یہ خلافت مصر میں ایک مذہبی ضرورت کے طور پر قائم کی گئی اور مسلم فرماں روایانِ عالم اس سے پروانۂ نمائندگی لینے میں عزت و وقار سمجھتے تھے۔

پھر سلطان محمد بن تغلق شاہ اور سلطان فیروز شاہ نے بھی دربارِ خلافت سے پروانۂ نمائندگی حاصل کیا اور اسے اپنی بڑی عزت سمجھا۔ مصر کی یہ خلافت ڈھائی سو سال کے قریب رہی۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے خلافت کو ہمیشہ ایک شرعی ضرورت سمجھا ہے اور خلیفہ اپنے طور پر کتنا کمزور ہی کیوں نہ ہو اس کے ماتحت سلاطین کی طاقت خلیفہ کی ہی طاقت سمجھی جاتی رہی ہے۔

جب قریش خلافت کی اس ذمہ داری کو سنبھالنے میں کمزور پڑ گئے تو انہوں نے یہ ذمہ داری ترکی سلاطین کو بخش دی یہ وہی تاتار تھے جنہوں نے ساتویں صدی کے نصف میں خلافتِ بغداد کو تاراج کیا تھا اب یہی لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر مسلمانوں کی سب سے بڑی قوت بنے۔ ؎

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

مسلمانانِ ہند اور غلامی

ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہو لیا تو تمام اہلِ ہند کے لیے ایک ملکی جابرانہ کار روائی تھی

لیکن مسلمانانِ ہند کے لیے یہ اور بھی داعیہ کبریٰ تھا۔ انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی، ہندوؤں سے نہیں۔ اس لیے مسلمانانِ ہند اس غیر ملکی تسلط سے ہندوؤں کی نسبت کہیں زیادہ زخمی تھے تاہم مسلمانوں کو ایک حوصلہ تھا جو ہندوؤں کو حاصل نہ تھا۔ ہندو بس یہیں ہندوستان میں تھے، باہر ان کا کوئی وجود نہ تھا لیکن مسلمان صرف ہندوستان میں نہیں، دُنیا کے کئی ملکوں میں موجود تھے اور اس پہلو سے جو اکثریت مسلمانوں کو حاصل ہے وہ ہندوؤں کو حاصل نہ تھی۔ مسلمانوں کو یہ حوصلہ تھا کہ ترکی میں خلافت عثمانیہ قائم ہے۔ گو وہ (ہندوستانی مسلمان) خود انگریزوں کے ماتحت ہو گئے لیکن ان کی عالمی آزاد حیثیت اپنی جگہ موجود اور قائم ہے۔ ترکی سلطنت یہی خلافت عثمانیہ تھی اور مسلمان خلافت کو اپنی ایک شرعی ضرورت سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہم جو کچھ بھی ہوں اپنی جگہ رہیں، لیکن ترکی خلافت کسی درجے میں کیوں نہ ہو اسے ہر صورت قائم اور برقرار رہنا چاہیئے۔

• شیخ الہندؒ حضرت مولانا محمود حسنؒ نے قوم کی اسی نبض پہ ہاتھ رکھا اور ہندوستان کے ہندوؤں کو بھی انگریز دشمنی کے بہانے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس وسیع اتحاد میں (جس میں افغانستان آزاد علاقے اور ترکی بھی آ جائے) مسلمان اکثریت میں تھے اور ہندو اقلیت میں —— جنہیں بڑی حکمت عملی سے خلافت کا ہمنوا بنا لیا گیا تھا۔ حالانکہ خلافت ایک خالص مذہبی مسئلہ تھا۔ متعصب ہندو اسے علمائے دیوبند کی ایک چال کہتے تھے جو ان کے خیال میں مسلمانوں کی نشأۃ جدید کے لیے شیخ الہندؒ نے سوچی تھی۔

خلافت کی شرعی ضرورت

ہندوستان میں تحریک خلافت نے کیا صورت اختیار کی، اسے علامہ اقبال نے بڑی دردمندی اور دلسوزی سے اس طرح ادا کیا ہے۔ ؎

تا خلافت کی بنا، دُنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

یہ بات اپنی جگہ رہنے دیں، بطور مسلمان یہ سوچیں کہ اسلام امت کے نظام خلافت کو کس طرح مسلمانوں کی ایک شرعی ضرورت قرار دیتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں اس ضرورت کے قائل نہ تھے۔ نہ انہیں کبھی وحدت امت کا خیال آیا۔ نہ وہ اسے اہم واجبات میں سے سمجھتے تھے ورنہ وہ یہ نہ کہتے کہ ترک چونکہ قریش میں سے

نہیں، وہ خلافت کے لائق نہیں۔

یہ حقیقت تو انہیں بھی معلوم تھی کہ ترکوں کو خود قریش نے ہی یہ ذمہ داری سپرد کی تھی۔ تو بے شک یہ خود قریشی نہیں مگر قریش کے نامزد کردہ تو ہیں۔ مگر جب کوئی دوسرا مضبوط قریشی اس ذمہ داری کے لیے آگے نہیں بڑھ رہے تو اس مجبوری میں ترکی خلافت ممکن اسی لیے ٹھکرائی نہیں جا سکتی کہ ترک قریش میں سے نہیں ہیں۔ اس عنوان سے وہی شخص خلافت کا رد کرے گا، جس کے عقیدہ میں خلافت خود کوئی شرعی ضرورت نہ ہو اور مسلمان بلا خلافت بھی رہ سکتے ہوں اور یہ کوئی گناہ کی زندگی شمار نہ ہو قریش اگر یہ ذمہ داری اٹھانے کو تیار نہ ہوں تو کیا کوئی بھی یہ ذمہ داری قبول نہ کرے اور امت کو خلافت میں ایک نہ کرے۔

مولانا احمد رضا خاں میدانِ عمل میں

مولانا احمد رضا خاں میدانِ عمل میں نکلے اور کھلم کھلا خلافت کی مخالفت شروع کر دی۔ آپ نے دوام العیش کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں دلائل سے بتلایا کہ خلافت قریش کا ہی حق ہے غیر قریش میں یہ منعقد نہیں ہوتی۔ ترک چونکہ قریشی نہیں اس لیے ان کی خلافت ناجائز ہے اور شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر کے جو مسلمانوں کا نظام خلافت توڑا ہے یہ صحیح اقدام ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے صاحبزادے مصطفےٰ رضا خاں نے شریف مکہ کو بڑی دعائیں دیں ان کے رسالہ کا ٹائٹل آپ کے سامنے ہے۔ اس میں شریف کے لیے بولی فی شس فد کے الفاظ ان کے دل کی آواز ہیں۔ اور ان کی سیاست کا ہندی ساز ہیں۔

خلافت کا مسئلہ گو کھل کر آپ کے سامنے آگیا ہے لیکن کبھی آپ ان مشکلات کا بھی اندازہ کریں جو اس وقت مسلمانانِ ہند جھیل رہے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں تو فتوے جاری کر رہے تھے کہ مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں[1]۔ اور بوریہ نشیں حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقاء سخت ترین آزمائشوں سے گزر رہے تھے اس موقعہ پر حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف علمائے دیوبند کا ساتھ دیا۔ وہ مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ نہ تھے۔ مولانا احمد رضا خاں اور ان کے بیٹے اس وقت شریف مکہ کی قصیدہ خوانی میں مصروف تھے۔ جس نے انگریزی دل کی شہ پہ ترکوں کے خلاف بغاوت کی تھی۔

---

[1] دوام العیش ص۵۲ طبع اول بریلی

قال عز من قائل

لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا

بفضلہ سبحنہ وتعالی یہ رسالہ ہدایت مقالہ نوری مجالہ جس میں فرضیت حج حاضر کے
وہ روشن ثبوت ہیں کہ مخالف کو مجال دم زدن نہیں مخالف کے تمام شبہات واہیہ اور
اوہام باطلہ کا دفع فرمانے والا نیز حضرت شریف بورکنی شفرہ پر سے وزر گناہ ذمہ ہونے کے
تمام شبہ ئے الزاموں اور غلیظ طعنوں کا قلع قمع کر دینے والا جامع ادلہ زاہرہ و ظاہرہ

حجج باہرہ قاہرہ مسمی بنام تاریخی

حجۃ واہرہ

بوجوب

الحجۃ الحاضرہ

١٣٢٤ھ

از تازہ افادات فاضل نوجوان عالیجناب مولٰنا مولوی محمد مصطفٰی رضا خاں صاحب
قادری برکاتی نوری رضوی نورہم اللہ بالنور المعنوی والصوری

باہتمام

جناب مولٰنا مولوی محمد حسنین رضا خاں صاحب قادری برکاتی نوری رضوی زید فضلہم

مطبع حسنی بریلی محلہ سوداگران میں طبع ہوا

بار اول ۵۰۰ جلد

قیمت ۲/

حجۃ واہرہ مصنفہ مصطفیٰ رضا خانصاحب

۱ حج ناجائز کیوں ہوا۔ جبکہ جب نہ ہوا۔ وہ دون جاؤ۔ شریف کو حامی نصاریٰ
کہنا ہم بیان کر چکے کہ بدگمانی سے ناشی ہے اور بدگمانی ناجائز و حرام ہو
مضمون نگار کا یہ پانچواں افترا ہوا۔ عمرانیات کی پابندی پر گرد بھی
۲ ہیں کیا اعتراض ہے۔ کیا خود ترک نصاریٰ کے پابند نہ رہے پھر وہی
کہا جاتا ہے کہ بالفرض اگر یہ سب باتیں معاذ اللہ شریف سے بہ ثبوت
صحیح شرعی ثابت بھی ہوں جب بھی اس سے حج پر کیا اثر اس حج میں
نہ ہوا اور یہ بھی فرض کرو کہ جب اس میں خلل ہوا تھا تو اب بفضلہ تعالیٰ موجود
ہے اور بروجہ کامل موجود ہو اللہ تعالیٰ انکو اور بھی عقل و دانائی دے تاکہ
۳ ہے بلکہ بے تامل یہ سمجھے پر سمجھیگا۔ کہ حضرت شریف زید مجدہ و دولتہ
حالیہ و برکت ایامہ و لیالیہ۔ اب جبکہ خود بر سر حکومت آزاد ہیں
اور بہت سے لوگوں نے انہیں خلیفہ بھی مان لیا ہے ایسے وقت وہ
۴ اس عام بلکہ حجاج کے آسائش و آرام کے خیال میں کمی کریں گے نعوذ بالله
پہلے سے بہت زیادہ اسکا لحاظ رکھیں گے نہ کہ ان کو لوٹیں قتل و غارت کریں
والعیاذ باللہ تعالیٰ بعض حاجیوں کا بعض صاحبزادوں کے پاس دن ہوئے جو خط
آیا اس وقت یہ ہم سے مناسب ہوگا کہ ہم یہاں اسے نقل کر دیں
نقل خط جس وقت یہ جہاز جدہ پہنچا ہے دن کے ۱۰ بجے اہل کے
شریف کی طرف سے بڑے بڑے لوگ یہاں موجود تھے ایک خط شریف کا
حاجیوں کے نام سنایا گیا اس میں حاجیوں کی تکلیف اور نقصان کا
اظہار افسوس اور اپنی طرف سے دعوت کا اعلان اور جدہ سے مکہ کرایہ
سواری معاف اور ترکیبہ معاف شریف مکہ کی طرف سے جب جدہ سے
مکہ جانے لگے تو لوگوں نے جہاز والوں کی شکایت کی کہ ہم کو یہ جہاز

---

۱ شریف مکہ کے بارے میں شہرت عام کہ اس نے انگریزوں کی شہ پر ترکی خلافت کو توڑا۔ بریلی سے یہ اس کی صفائی دی جا رہی ہے۔

۲ ترکوں کے خلاف پراپیگنڈے کا ایک نیا انداز۔

۳ حضرت شریف کی عزت اور زیادہ ہوئی — اس کی بزرگیاں ہمیشہ رہیں گی — اور اس کے دنوں اور راتوں میں برکت ہی برکت ہے۔

۴ ترکی خلافت کی پامالی پر شریف جس کی مکہ میں حکومت بھی نہ چل سکی بریلی میں اس کی خلافت کا اعلان کرتے۔ خانصاحب کو کچھ تو شرم محسوس نہ ہوئی — افسوس صد افسوس

یہ صحیح نہیں کہ ڈاکٹر اقبال حضرت شیخ الہندؒ کے حامی نہ تھے احمد رضا خاں کے ساتھ تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے کھل کر شریف کی مخالفت کی۔ شریف مکہ ہاشمی تھا اور ترک قریشی ہوتا تو ایک طرف عرب بھی نہ تھے۔ اور ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا ؎

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفےٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش

یہ وہ ہاشمی ہے جس کی مدح و ثنا پہ آستانۂ بریلی دل و جان لگا رہا تھا[1] اور حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالویؒ ترکوں کی حمایت میں جان و مال لگا رہے تھے یہ بریلوی نہ تھے۔

یہ صحیح ہے کہ ان دنوں مسلمان جس شمع خلافت کی بقا کے لیے تڑپ رہے تھے وہ ٹمٹما رہی تھی تاہم یہ قاعدہ عقلیہ شریعت کے بھی مطابق تھا کہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ جو بات پوری نہ مل سکے یہ نہیں کہ اس پوری کو چھوڑ دیا جائے شمع مدھم باقی رہے تو کسی وقت تیز بھی ہو سکے گی۔ مگر شمع کشتہ کو پھر سے جلانا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے مسلمانوں کو ان کے اصل مقام سلطنت سے آشنا کرنے کے لیے کہا تھا۔ کہ اس درجے کی خلافت جس کا باقی رہنا صرف انگریزوں کی نظر کرم پہ موقوف ہو۔ مسلمانوں کے لیے موجب عار ہے لیکن آپ یہ نہ چاہتے تھے کہ یہ نام کی خلافت بھی مٹ جائے جسے انگریز کلیۃً مٹانا چاہتے تھے اور ہندوستان کے مسلمان اسے باقی رکھنا چاہتے تھے۔ نہایت افسوس کہ بعض لوگوں نے علامہ اقبال کے ان شعروں کی وجہ سے انہیں بھی خلافت کے مخالفین میں شمار کر لیا ؎

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا — خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے — مسلماں کو ننگ ہے وہ پادشاہی

اقبال کی یہ بات ایک تازیانۂ عبرت کے طور پہ تھی۔ نہ یہ کہ وہ اس ٹمٹماتی شمع خلافت کو بھی مولانا احمد رضا خاں کی طرح بجھانا چاہتے تھے۔ حاشا و کلّا ایسا ہرگز نہ تھا۔ ورنہ ڈاکٹر اقبال یہ ہرگز نہ کہتے۔ ؎

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفےٰ!
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

---

[1] دیکھئے الحجۃ الواہرہ مصنفہ مصطفےٰ رضا خان صـ ۲۲

حکومت کی مسلمانوں کے بارے میں حکمتِ عملی

عیسائی حکومت کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں سے مذہبی انتقام بھی لینا چاہتے تھے۔ نہ ونہب ان کے نزدیک مذہب ہی نہ تھا۔ مگر مسلمانوں سے ان کے تاریخی رشتے ملتے تھے۔ سو انہوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کو فکری طور پر اس قدر الجھا دیا جائے کہ وہ ایک عظیم فوجی طاقت بن کر کبھی نہ ابھر سکیں ان کا لائحہ عمل یہ بنا کہ :-

(۱)—— ایک جدید نبوت کی تحریک سے امت میں تقسیم پیدا کی جائے۔ نبوت سے ہی امتیں بنتی او ٹوٹتی ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح امت مسلمہ ٹکڑے ٹکڑے ہو سکے۔

(۲)—— مسلمانوں کی اجتماعی حیثیت کو ختم کرنے کے لیے لوگوں کو قرآن کے حوالے سنت سے ہٹایا جائے اور عقل کی راہ سے ان کے تصورِ وحی کو کمزور کیا جائے۔

(۳)—— عوام کو مذہبی آزادی کا نعرہ دے کر لوگوں میں پرانے اسلام کے خلاف نئی نئی راہ عمل تجویز کی جائیں۔ مسلمان کو مذہبی آزادی کے نام سے سلف سے باغی کیا جائے۔

(۴)—— ایک طبقہ ایسا تیار کیا جائے جو بات بات میں دوسرے مسلمانوں کو کافر ٹھہرائے اور ان پہ کفر کے گولے برسائے۔

انگریزی سامراج نے مسلمانوں کو ان چار محاذوں پر الجھا دیا اور اپنا اقتدار اتنا مضبوط کر لیا کہ اب اس اقتدار کو فوجی ذرائع سے شکست دینے کا کوئی امکان باقی نہ رہا—— انگریز اب اتنے مضبوط ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کے مذہبی دائروں میں بھی ان کی ثالثی فیصلہ کن ہوتی۔ آپ کو اس دور میں پیروں کی کئی ایسی گدیاں بھی ملیں گی جن کی جانشینی کے فیصلے لندن سے ہو کر آتے کہ اب کون سا سجادہ نشین آگے کیا جاتے اور اس دور میں ایسی جماعتیں بھی بنیں، جن کے نام انگریزی حکومت نے الاٹ کئے۔

ان حالات میں برطانوی سامراج کو للکارنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں نے تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات میں امید کی کرن دیکھی۔ اور اپنا کام شروع کر دیا۔

جنگِ عظیم اوّل (۱۹۱۴ء — ۱۹۱۹ء)

ہندوستان میں برطانوی عملداری کا تھی اور برطانیہ جرمنی سے برسرِ پیکار تھا بڑھتے بڑھتے اس جنگ نے عالمی صورت اختیار کرلی۔ ترک بھی اس وقت ایک بڑی طاقت تھے۔ جرمن اور ترک متحد ہو گئے اور انگریزوں نے دیگر دول یورپ کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب ہندوستان کا مسئلہ ایک عجیب صورت اختیار کر گیا حکومت کا موقف اور تھا اور یہاں کی مسلم رعایا کا اور ——— اور مسلمانوں نے حیلے بہانے سے ہندوؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے ریشمی خطوط کے ذریعے آزاد ممالک کا خاکہ پیش کیا اوراسی مقصد کے لیے آپ حجاز گئے۔ ۱۹۱۷ء میں آپ قاہرہ کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے۔ ۱۹۱۹ء میں انگریزوں نے جنگ جیت لی۔ جرمنی اور ترکی شکست کھا گئے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ فاتح اقوام ان مفتوح قوموں سے کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو جرمنی کی فکر نہ تھی وہ ترکوں کے بارے میں نہایت پریشان تھے۔ حجاز کے انقلاب کی وجہ سے مقاماتِ مقدسہ بھی زیرِ بحث تھے اور مسلمانوں پر عجیب ہم وغم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

مسلمانانِ ہند کا اپنی حکومت سے مطالبہ تھا کہ مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کی پوری حفاظت کی جائے اور ان میں سلطنتِ ترکی کا آستانۂ علیہ بھی تھا۔ وہ باعتبارِ طاقت کسی درجے میں بھی ہو، مسلمانوں کا تقاضا تھا کہ اس کا مذہبی تقدس کہ خلافت اس نام سے قائم ہے، ہر حال میں باقی رہنا چاہیئے۔ ان وعدوں اور امیدوں پر ہندوستان کے بہت سے لوگوں نے اس جنگِ عظیم میں انگریزوں کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا یا انگریزوں نے ان سے اعلان کروالیا اور جنگ جیت لی تھی۔ پیرانِ پنجاب نے مسٹر ڈائر کو جو تاریخی سپاسنامہ پیش کیا وہ اسی دور اور مجبوری کی بات ہے۔

افسوس کہ انگریزوں نے فتح پانے کے بعد مسلمانوں کو اپنے تاریخی انتقام کا نشانہ بنانا چاہا اور اس کی تدبیر کی کہ ترکی خلافت کو ختم کیا جائے اور جو عرب ممالک اس نظامِ خلافت کے خلاف ہیں ان سے ترکوں کے خلاف بغاوت کرادی جائے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ترکی خلافت کو ترکی سلطنت کے درجہ میں لایا جائے اور بتایا جائے کہ ترک خلافت کے حقدار نہیں۔ غیر قریش میں خلافت منعقد نہیں

ہو سکتی۔ ترکوں کا عرب ممالک پر قبضہ غاصبانہ ہے۔ جب وہ خلافت کے اہل ہی نہیں تو خلافتِ عثمانیہ ایک بے معنی تصوّر ہے۔ یہ فتویٰ کہ وہ خلافت کے اہل نہیں انہوں نے برلی سے حاصل کیا۔

مسلمان چاہتے تھے کہ ترکی خلافت جو صدیوں سے چلی آرہی ہے اس کا بھرم رہنا چاہیئے۔ وہ مسلمانوں کے کاروانِ رفتہ کا یہی ایک عالمی نشان ہے۔ اسے اگر کھو دیا گیا تو ہم بطورِ ملت اپنی عالمی حیثیت کھو دیں گے کہ ہم بھی دُنیا میں ایک مرکزی وجود رکھتے ہیں۔ ایسے وقت میں یہ فقہی مباحث اُٹھانا کہ غیر قریش میں خلافت منعقد ہوتی ہے یا نہیں، انگریزی سامراج کی ایک کھلی حمایت تھی۔ اسے صرف مسئلے میں نہیں اس وقت کے حالات کی روشنی میں سوچنا چاہیئے۔

ترک جرمنوں کے ساتھ انگریزوں کے مقابلہ میں تو شکست کھا گئے لیکن انگریز دارالخلافہ قسطنطنیہ درہ دانیال اور باسفورس وغیرہ کو فتح نہ کر سکے تھے، سمرنا ان کی توپوں کی زد میں تھا۔ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں پر عجیب حالت وارد تھی۔ وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ انگریز کسی صورت میں قسطنطنیہ پر قابض ہوں اور مسلمانوں کا نقشِ خلافت کلیتہً دُنیا سے مٹ جائے۔

ادھر فتح کے نشہ میں ڈوبے انگریز مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ ۲۶ فروری ۱۹۲۰ء کو لندن کے دارالعوام میں ترکی کے مستقبل پر بحث ہوئی تو برطانیہ کے وزیرِاعظم مسٹر لائیڈ جارج نے کہا:۔

> ترکوں کے اخراجِ قسطنطنیہ کی جو تحریک ہے وہ کسی حد تک مسیحیت کے قدیم احساسات پر مبنی ہے جو ہلال (یہ صلیب کے مقابلہ میں اسلام کا عنوان اور ترکی ٹوپیوں پر ان کا ایک سیاسی نشان تھا) کے برخلاف ہیں ——— ترکوں کو یوں سزا دی جائے گی کہ ان کی نصف سے زیادہ سلطنت قطع کر دی جائے گی اور ان کا دارالسلطنت اتحادی توپوں کی زد میں ہوگا۔ اسے فوج اور سمندری بیڑے اور عظمت سے محروم کر دیا جائے گا اور اسے بحیرۂ اسود اور بحیرۂ روم کے درمیانی راستے پر کوئی اختیار نہ رہے گا اور وہ آئندہ سیاسی امور میں اتحادی توپوں کے دباؤ میں دستخط کیا کریں گے۔

وزیر اعظم برطانیہ نے فاتح بیت المقدس کو "صلیبی جنگوں کا بدلہ لینے والا" کا خطاب دیا ہے۔
لیبر پارٹی کے قائد مسٹر ایڈمزن نے تو یہ سفارش کی کہ ترکوں کو قسطنطنیہ سے نکالا نہ جائے تاکہ مسلمانوں کا مذہبی نشان قائم رہے۔ لیکن ان کے خلیفہ کو پاپائے روم کی طرح رہنا ہوگا۔ اسے تمام دنیوی قوتوں سے محروم کرکے وہاں کے محض مذہبی نشان کے طور پر رہنے دیا جائے۔
برطانیہ کے تمام لوگ گرجاؤں کے نمائندے ہوں یا پارلیمنٹ کے ارکان سب اسے صلیب کی فتح اور ہلال کا زوال سمجھ رہے تھے ایسے حالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کا کیا حال ہوگا اس کا آپ خود اندازہ کریں۔

جنگِ عظیم اوّل کے بعد کے حالات

۱۹۱۹ء تک جنگ رہی، ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ رہا کر دیئے گئے۔ ترکی کے مستقبل کا مسئلہ ابھی دولِ یورپ کے زیرِ غور تھا۔ ہندوستان کے مسلمان اس میں بہت پریشان حال تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان آتے ہی ترکِ موالات کا اعلان کر دیا۔ آپ نے اپنے تاریخی خطبہ میں فرمایا:-

اے حضرات! آپ خوب جانتے ہیں کہ جس وادیٔ پُرخار کو آپ برہنہ پا ہو کر قطع کرنا چاہتے ہیں وہ مشکلات اور تکالیف کا جنگل ہے۔ قدم قدم پہ وہاں صعوبتوں کا سامنا ہے۔ طرح طرح کی وہاں بدنی اور مالی اور جاہی مکروہات آپ کے دامنِ استقلال کو الجھانا چاہتی ہیں لیکن حفت الجنۃ بالمکارہ کے قائل کو اگر آپ خدا کا سچا رسول مانتے ہیں (اور ضرور مانتے ہیں) تو یقین رکھیئے کہ جس صحرائے پُرخار میں آپ گامزن ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کے راستہ سے جنت کا بہت ہی قریب ہے۔ کامیابی کا آفتاب ہمیشہ مصائب و آلام کی گھٹاؤں کو پھاڑ کر نکلا ہے اور اعلیٰ تمناؤں کا چہرہ سخت سے سخت صعوبتوں کے جھرمٹ میں سے دکھائی دیا ہے۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم الباساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ متی نصر اللہ. الا ان نصر اللہ قریب۔ (پ۲ البقرہ ع ۲۶)

ترجمہ. کیا تم کو یہ خیال ہے کہ تم جنت میں جا گھسو گے اور تمہیں اس طرح کے حالات پیش نہ آئیں گے جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آئے. اُن کو سختیاں اور ضرریں پہنچیں اور وہ اس قدر جھنجھوڑے گئے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھ کے مومنین بول اُٹھے کہ خدا کی مدد کہاں ہے، یاد رکھو کہ خدا کی مدد نزدیک ہے

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ویعلم الصٰبرین ۔ (پ۴: آل عمران ع ۱۴)

ترجمہ. کیا تم نے یہ خیال کیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے بدوں اس کے کہ اللہ جانچ کرے تم میں سے مجاہدین کی اور صابرین کی.

ایک اور مقام پہ فرماتے ہیں:۔ (پ۲۰، العنکبوت،)

الٓمٓ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ۔ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین ۔

ترجمہ. کیا لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ محض آمنا کہنے پر وہ چھوڑ دیئے جائیں گے حالانکہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کی آزمائش کی ہے تو ضرور ہے کہ اللہ دیکھے گا سچے اور جھوٹے لوگوں کو.

یہ حق تعالیٰ کی سنت مستمرہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدیل و تغیر کو راہ نہیں. کوئی قوم اللہ جل شانہٗ کی محبت اور اس کے راستہ پہ چلنے کی مدعی نہیں ہوئی جس کو امتحان و آزمائش کی کسوٹی پہ نہ کسا گیا ہو. خدا کے برگزیدہ اور اولو العزم پیغمبر جن سے زیادہ خدا کا پیارا کسی پر نہیں ہو سکتا، وہ بھی مستثنیٰ نہیں رہے بے شک ان کو مظفر و منصور کیا گیا. مگر کب، سخت ابتلاء اور زلزال شدید کے بعد۔ فرماتے ہیں۔

حتّٰی اذا استیئس الرّسل وظنّوا انّھم قد کذبوا جآءھم نصرنا فنجی من نشآء ولا یردّ باسنا عن القوم المجرمین ٥

پس اے فرزندانِ توحید! میں چاہتا ہوں کہ آپ انبیاء و مرسلین اور ان کے وارثوں کے راستہ پر چلیں اور جو لڑائی اس وقت شیطان کی ذریت اور خدائے قدوس کے لشکروں میں ہو رہی ہے اس میں ہمت نہ ہاریں اور یاد رکھیں، کہ شیطان کے مضبوط سے مضبوط آہنی قلعے خداوند قدیر کی امداد کے سامنے تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔

الّذین اٰمنوا یقاتلون فی سبیل اللّٰہ والّذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطّاغوت فقاتلوا اولیآء الشّیطٰن انّ کید الشّیطٰن کان ضعیفًا ٥

ترجمہ۔ ایمان دار تو خدا کے راستہ میں لڑتے ہیں اور کافر شیطان کے راستہ میں۔ پس تم شیطان کے مددگار سے لڑو۔ بلاشبہ شیطان کی فریب کاری محض لچر پوچ ہے۔

میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت و نقاہت کی حالت میں جس کو آپ خود مشاہدہ فرما رہے ہیں آپ کی دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گمشدہ متاع کو یہاں پانے کا اُمیدوار ہوں۔ بہت سے نیک بندے ہیں، جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے۔ لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا جلد اُٹھو اور امتِ مرحومہ کو کفار کے نرغہ سے بچائیں۔ ان کے دلوں پر خوف و ہراس مسلط ہو جاتا ہے۔ خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا، اور ان کے سامانِ حرب و ضرب کا۔ حالانکہ ان کو تو سب سے زیادہ جاننا چاہیئے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے اور دُنیا کی متاعِ قلیل خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

چنانچہ اسی قسم کے مضمون کی طرف حق تعالیٰ شانہ نے ان آیات میں اشارہ فرمایا ہے۔

الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ فلما کتب علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ وقالوا ربنا لم کتبت علینا القتال لولا اخرتنا الی اجل قریب ۔ قل متاع الدنیا قلیل ۔ والاٰخرۃ خیر لمن اتقیٰ ولا تظلمون فتیلاً۔ اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ۔ (پ

ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ کو روکو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں کا ایک فریق ڈرنے لگا آدمیوں سے خدا کے برابر یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگا کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا اور کیوں تھوڑی مدت ہم کو اور مہلت نہ دی۔ کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا سا ہے اور آخرت اس شخص کے لیے بہتر ہے، جس نے تقویٰ اختیار کیا اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں کہیں بھی تم ہو موت تم کو آ دبائے گی۔ اگرچہ تم نہایت مستحکم قلعوں میں ہو۔

اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غمخوار (جس سے میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں) مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) کا رشتہ جوڑا۔

کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتلائیں لیکن اہلِ نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں بظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں اس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے۔

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند
گل آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند
ساکنانِ حرم سترِ عفاف ملکوت
بامن راہ نشین بادۂ مستانہ زدند
شکرِ ایزد کہ میانِ من و او صلح فتاد
حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند
جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے اکابر سلف نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم و فنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں یہ بیشک کہا گیا کہ اگر انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومتِ وقتیہ کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لیے جاہل رہنا ہی اچھا ہے۔

اب از راہِ نوازش آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ تعلیم سے روکنا تھا یا اس کے اثر سے اور کیا یہ وہی بات نہیں جس کو آج مسٹر گاندھی اس طرح ادا کر رہے ہیں۔

"ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھے صاف اور شفاف دودھ کی طرح ہے جس میں تھوڑا سا زہر ملا دیا گیا ہو"

بارے خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری قوم کے نوجوانوں کو توفیق دی کہ وہ اسے نفع و ضرر کا موازنہ کریں اور دودھ میں جو زہر ملا ہوا ہے اس کو کسی بھبکے کے ذریعے سے علیٰحدہ کر لیں۔ آج ہم وہی بھبکا نصب کرنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آپ نے مجھ سے پہلے سمجھ لیا ہو گا کہ وہ بھبکا مسلم نیشنل یونیورسٹی ہے۔

مطلق تعلیم کے فضائل بیان کرنے کی ضرورت اب میری قوم کو نہیں رہی کیونکہ

زمانے نے خوب بتلا دیا ہے کہ تعلیم سے ہی بلند خیالی اور تدبر اور ہوشمندی کے پودے نشو ونما پاتے ہیں اور اسی کی روشنی میں آدمی نجاح وفلاح کے راستہ پر چل سکتا ہے ہاں، ضرورت اس کی ہے کہ وہ تعلیم مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو اور اغیار کے اثر سے کلیۃً آزاد ہو۔ کیا باعتبار عقائد و خیالات کے اور کیا باعتبار اخلاق و اعمال کے اور کیا باعتبار اوضاع و اطوار کے ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں۔

ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ نہ ہونا چاہیئے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے داموں کے غلام پیدا کرتے رہیں بلکہ ہمارے کالج نمونہ ہونے چاہئیں بغداد اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے۔ اور ان عظیم الشان مدارس کے جنہوں نے یورپ کو اپنا شاگرد بنایا۔ اس سے پیشتر کہ ہم اس کو اپنا استاد بناتے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ بغداد میں جب مدرسہ نظامیہ کی بنیاد اسلامی حکومت کے ہاتھوں سے رکھی گئی ہے تو اس دن علما نے جمع ہو کر علم کا ماتم کیا کہ افسوس آج سے علم حکومت کے عہدے اور منصب حاصل کرنے کے لیے پڑھا جائے گا۔ تو کیا آپ ایک ایسے کالج سے فلاح قومی کی اُمید رکھتے ہیں جس کی امداد اور نظام میں بڑا قوی ہاتھ ایک غیر اسلامی حکومت کا ہو۔

طلبہ علی گڑھ کی طرف سے دس سوالات حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں بھیجے گئے آپ انہیں بھی مع جوابات ملاحظہ فرمادیں۔

فتوےٰ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں

(۱) —— اس وقت جو گورنمنٹ سے مدارس میں بضرورت زیادتی اخراجات مدارس کی امداد لی جاتی ہے اس امداد کا ترک موالات کی وجہ سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲)—— جو منظائف کہ سرکار کی طرف سے طلبہ کو اور خطاب یافتہ اصحاب کو ملتے ہیں ان کا لینا اُن کو جائز ہے یا نہیں؟

(۳)—— طلبہ کے ذمہ والدین یا دیگر مربیوں کو بغیر اطلاع دیئے ہوئے یا ان کی خلاف مرضی ایسے مدارس کو چھوڑ دینا واجب ہے یا نہیں ؟

(۴)—— جن کا نان نفقہ طلبہ کے اوپر فرض عین ہے مثلاً اولاد، زوجہ یا ضعیف والدین ان کو چھوڑ کر ہم کو لوجہ اللہ خلافت کے کام میں لگ جانا ضروری ہے یا نہیں؟

(۵)—— جن مدارس میں کہ سرکاری امداد لی جاتی ہے یا جو والیٔ ریاست ترکِ موالات اور مسئلہ خلافت کے مخالف ہوں اور ان سے کچھ رقم ملتی ہے ایسے مدارس میں پڑھنا یا پڑھانا یا ان میں امامت و وعظ و نصیحت یا مذہبی تعلیم دینے کے امور کے انتظام کرنے کے ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶)—— اپنے ذاتی اخراجات کے لیے اور ان لوگوں کے لیے جن کا نان و نفقہ اُن کے ذمہ فرض ہو کمیٹی خلافت کے بیت المال سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۷)—— ان لوگوں سے کیا معاملہ رکھنا چاہیئے جو سرکاری ملازم ہیں یا ایسے مدارس میں ملازم ہیں جن کو سرکار سے امداد ملتی ہے؟

(۸)—— مسئلہ خلافت اور ترکِ موالات میں اہل ہنود سے اتحاد رکھنا اور اُن سے امداد اور اعانت (یعنی خواہ مالی ہو یا زبانی یا اور کسی قسم کا ہو) جائز ہے یا نہیں ؟

(۹)—— مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے دوامی فنڈ کا روپیہ جو اس کی عمارتیں جو تقریباً چالیس لاکھ کی ہیں اور کتب خانہ جو رقم کثیر کا ہے اور دیگر حوائج کی اشیاء جو ہزار ہا روپیہ کی مالیت ہیں ان تمام چیزوں کی حفاظت اور ہر چیز کو اپنے مصرف میں صرف کرنا ممبران مدرسہ کے ذمہ فرض ہے یا نہیں؟

(۱۰)—— جو طلبہ انگریزی خواں ہیں ان کے لیے شرعاً یہ ضروری ہے کہ وہ علم دین کی تکمیل میں مشغول ہوں تاکہ فارغ التحصیل ہو کر دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں یا ایسے طلبہ کو اس وقت ترکِ موالات کو کامیاب بنانا ضروری ہے خلاصہ سوال یہ ہے کہ تکمیل علوم دینیہ کو ترجیح ہے یا ترکِ موالات و خلافت کے کام میں مشغول ہونے کو ؟ بینوا توجروا

طلبائے مدرستہ العلوم علی گڑھ محررہ غرہ ماہ صفر ۱۳۳۹ھ

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ :

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

ان مسائل کا جواب سننے سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ ایک مسلم صادق تمام گروہ کے خیالات سے علیحدہ ہو کر اپنے ایمان کی قدر و قیمت اور شعائر الٰہیہ کی عظمت اور مقامات کے تقدس و احترام کو اچھی طرح دلنشین کرے اور درس ماضیہ کے ساتھ واقعات حاضرہ پر گہری نظر ڈالے تو اسے معلوم ہوگا کہ آج مسلمانوں کی سب سے بڑی متاع گراں مایہ (جس کا تحفظ رکھنے والے کا اولین فرض ہے) کس طرح لوٹی جا رہی ہے اور کن کن بدعہدیوں اور شرمناک عیاریوں اور روباہ بازیوں سے جزیرۃ العرب کے متعلق پیغمبر اسلام (فداہ ابی و امی) کی اہم وصیت کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔

اعداء اللہ نے اسلام کی عزت اور شوکت کی بیخ کنی میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا عراق، فلسطین اور شام جن کو صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم نے خون کی ندیاں بہا کر فتح کیا تھا، پھر کفار کی حریصانہ حوصلہ مندیوں کے جولانگاہ بن گئے۔ پیراہن خلافت کی دھجیاں اڑا دی گئیں، خلیفۃ المسلمین جس کی ہستی سے تمام روئے زمین کے مسلمانوں کی ہستیوں کا شیرازہ بندھتا ہے اور جو بحیثیت ظل اللہ فی الارض ہونے کے آسمانی قانون کے رائج کرنے والا اور مسلمانوں کے حقوق و مصالح کا محافظ اور شعائر اللہ کی صیانت کا ضامن اور کلمۃ اللہ کی رفعت و سربلندی کا کفیل تھا وہ بھی بے شمار دشمنوں کے نرغے میں پھنس کر بے دست و پا ہو چکا۔

صبّت علیّ مصائب لو انها صبّت علی الایام صرن لیالیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا (خاکم بدہن) سرنگوں ہوا جا رہا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ، سعد بن ابی وقاص، خالد بن الولید اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم کی روحیں اپنی خوابگاہوں میں بے چین ہیں، یہ سب کیوں ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں میں سے غیرت و حمیت مفقود ہو رہی ہے شجاعت

اور دینی حرارت ان کی میراث تھی۔ وہ انہوں نے غفلت اور تعیش کے نشہ میں میں دوسروں کے حوالہ کر دی ہے۔

یہی نہیں کہ اس مصیبت کے وقت ایک مسلمان نے مسلمان کی مدد نہیں کی۔ بلکہ قیامت تو یہ ہے کہ کفار کی موالات و اعانت اور وفاداری کے شوق میں ایک مسلمان نے دوسرے کی گردن کاٹی۔ اس نے بھائی کا خون پیا اور دشمنوں کے سامنے سرخرو ہونے کے لیے اپنے ہاتھ اپنے ہی خون میں رنگے۔

اے فرزندانِ اسلام! اور اے محبانِ ملت و وطن! آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہے کہ جس برق مسلم سوز نے ان بلادِ اسلامیہ کے خرمنِ آزادی کو جلایا اور خلافتِ اسلامیہ کے قصر کو آگ لگائی۔ اس کا اصلی ہیولیٰ ہندوستانیوں کے خون گرم سے تیار ہوا تھا اور جس دولت سے نصاریٰ ان ممالک میں کامیاب ہوئے۔ اس کا بہت بڑا حصہ بھی تمہارے ہی دستِ بازو سے کمایا ہوا تھا۔

پس کیا اب بھی کوئی ایسا بلید اور غبی مسلمان پایا جاتا ہے جس کو نصاریٰ کے موالات و مناصرت کے نتائج نہ معلوم ہوئے ہوں اور ایسی تشویشناک حالت میں جب کہ ڈوبتا ہوا آدمی ایک تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ وہ اس فکر میں ہو کہ کوئی صورت موالات کے جواز کی نکالے۔

اے میرے عزیزو! یہ وقت استحباب اور فرضیت کی بحث کا نہیں، بلکہ غیرت اسلامی اور حمیتِ دینی سے کام لینے کا ہے کہیں علمائے زمانہ کا چھوٹا بڑا اختلاف تمہاری ہمتوں کو پست اور تمہارے دلوں کو پژمردہ نہ کر دے۔ میں اس وقت تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم تلوار لے کر جہاد کرو یا عراق اور شام میں جاکر اپنے بھائیوں کا ساتھ دو۔ بلکہ محض اس قدر درخواست کرتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں کے بازوؤں کو قوی مت بناؤ اور حق تعالیٰ شانہ کے ان ارشادات پر نہایت مستعدی اور جواں مردی اور اخلاص نیت سے عمل کرو۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود والنصٰرے اولیآء بعضھم اولیآء بعض ط ومن یتولھم منکم فانہ منھم الاٰیۃ۔

ترجمہ۔ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور مددگار مت بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست اور مددگار بنائے وہ بھی ان میں سے ہو۔

لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیآء من دون المؤمنین ج ومن یفعل ذٰلک فلیس من اللہ فی شیء.

ترجمہ۔ مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کہ وہ مومنین کے سوا کافروں کو اپنا دوست یا مددگار بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کو اللہ سے کچھ سروکار نہیں۔

بشر المنٰفقین بان لھم عذابا الیما ن الذین یتخذون الکٰفرین اولیآء من دون المؤمنین ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا ہ

ترجمہ۔ ان منافقین کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو جو مومنین کے سوا کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں حالانکہ تمام تر عزت خدا کے لیے ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الکٰفرین اولیآء من دون المؤمنین اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا مبینا ہ

ترجمہ۔ اے ایمان والو! مومنین کے سوا کافروں کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ کیا تم لیا چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا و لعبا من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم والکفار اولیآء واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین ہ

ترجمہ۔ اے ایمان والو! تم ان اہل کتاب اور کافروں کو اپنا یار و مددگار مت بناؤ جنہوں نے بنالیا ہے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو۔

تری کثیرا منھم یتولون الذین کفروا لبئس ما قدمت لھم انفسھم ان سخط اللہ علیھم و فی العذاب ھم خٰلدون ہ ولو کانوا یؤمنون باللہ والنبی وما انزل الیہ ما اتخذوھم اولیآء ولٰکن کثیرا منھم فٰسقون ہ

ترجمہ۔ ان میں بہت سے تم ایسے دیکھو گے جو رفیق بنتے ہیں کافروں کے۔ بے شک

بُرا ہے وہ جو آگے بھیجا ہے انہوں نے خود اپنے لیے کہ اللہ کا غضب ہے اُن پہ اور وہ ہمیشہ عذاب میں ہیں اور اگر یقین رکھتے وہ اللہ پہ اور نبی پہ اور اس پہ جو نبی کی طرف اُتارا گیا تو کافروں کو رفیق نہ بناتے۔ لیکن ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوآدون من حآدّ اللہ ورسولہ ولو کانوا آبآءھم او ابنآءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولٓئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ ط ویدخلھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھار خٰلدین فیھا ط رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اولٓئک حزب اللہ ط الا ان حزب اللہ ھم المفلحون ہ

ترجمہ۔ نہیں پاؤ گے تم کسی قوم کو جو یقین رکھتی ہو اللہ پہ اور قیامت کے دن پہ کہ دوستی کرے ان سے جنہوں نے مقابلہ کیا اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا اور اپنی روح سے ان کی مدد فرمائی اور ان کو داخل کرے گا باغ بہشت میں جس کے نیچے بہتی ہیں نہریں، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش، یہ جماعت ہے اللہ کی۔ یاد رکھو کہ اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیآء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جآءکم من الحق۔ (پ ۲۸، الممتحنۃ)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو رفیق مت بناؤ، پیغام بھیجتے ہو تم اُن کی طرف دوستی کا، حالانکہ وہ منکر ہوئے ہیں اس سچائی سے جو تمہارے پاس پہنچی ہے۔

اس مضمون کی آیات قرآن مجید میں بکثرت ہیں جن کا استیعاب مقصود نہیں۔ مگر اس قدر واضح ہے کہ اولیاء کا ترجمہ جو ہم نے دوست اور مددگار سے کیا ہے اس کا ماخذ امام ابن جریر طبری اور حافظ عمادالدین

بن کثیر اور امام فخر الدین رازی وغیرہم اکابر مفسرین کی تصریحات ہیں۔

ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ ترکِ موالات کے تحت میں جیسا کہ ان کی مدد کرنا داخل ہے۔ اسی طرح ان سے امداد لینا بھی ہے۔ لہٰذا آپ کے سوال اول اور دوم کا جواب یہ ہوگا کہ مدارس میں جو امداد گورنمنٹ سے لی جاتی ہے اور جو وظائف طلبہ وغیرہم کو ملتے ہیں وہ سب قابل ترک ہیں اور ترکِ موالات میں طلبہ اپنے والدین کی اجازت کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا حق ہے کہ وہ ادب اور تہذیب کے ساتھ اپنے والدین کو بھی ترکِ موالات پر مستعد بنائیں۔ اس وقت جو خلجان بعض طلبہ کو پیش آرہا ہے۔ عہد نبوت میں بھی بعض مومنین کو پیش آیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ کفار سے بالکل علیحدگی اور قطع تعلق کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو اپنے ماں باپ اور اپنے بھائیوں اور اپنے خویش واقارب سب سے چھوٹ جائیں گے۔ ہماری تجارتیں تباہ ہو جائیں گی، ہمارے اموال ضائع ہوں گے اور ہماری بستیاں اُجڑ جائیں گی۔ اس کا جواب حق تعالیٰ نے عنایت فرمایا۔

قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ، واللہ لا یھدی القوم الفٰسقین ○ (پ۱۰، التوبہ ع۳)

ترجمہ: کہدو تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور مال جو تم نے کمایا ہے اور تجارت جس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جو تم کو پسند ہیں۔ اگر یہ سب تم کو خدا اور خدا کے رسول اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو منتظر رہو تاکہ لے آئے اللہ اپنے حکم کو اور اللہ دستگیری نہیں کرتا اس قوم کی جو نافرمان ہے۔

کبھی دل میں یہ وسوسہ گزرتا ہے کہ خدانخواستہ اگر یہ تحریکات جو ملک میں پھیل رہی ہیں ناکام ہوئیں اور گورنمنٹ اپنی ضد پر اڑی رہی تو ہم کو سخت ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس طرح کے خیالات اس زمانہ میں بھی پیش کئے گئے تھے۔ یقولون نخشیٰ ان تصیبنا دائرۃ۔ (یعنی منافقین کہتے ہیں کہ ہمارے دوستانہ

تعلقات یہود کے ساتھ اس لیے ہیں کہ زمانہ کی گردش سے کہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے ناکامیاب ہوں اور یہود غالب آجائیں تو اس وقت ہمارے لیے بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا۔
اس کے جواب میں حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا۔

فعسی اللہ ان یأتی بالفتح او امر من عندہ فیصبحوا علیٰ ما اسرّوا فی انفسھم نٰدمین۰

ترجمہ۔ تو قریب ہے کہ لے آئے اللہ فتح یا کوئی اور بات اپنے پاس سے پھر منافقین ان خیالات پر نادم ہو کر رہ جائیں جو اُن کے دلوں میں مکنون ہیں۔

پس اے عزیزو! تم اللہ پہ بھروسہ کر کے اور اس کی رسی کو مضبوط تھام کر اپنے عزم پہ قائم رہو اور موالات نصاریٰ کو ترک کر دو اور اپنی استطاعت کے موافق جو خدمت گزاری اسلام اور اہلِ اسلام کی کر سکتے ہو اس سے درگزر نہ کرو، اب وقت درگزر کا نہیں۔

حسن اتفاق سے اس وقت ہندوستان کی سب سے بڑی کثیر التعداد قوم (ہنود) کا مطمح نظر بھی تمہاری ہمدردی اور واقعات پنجاب اور خواہش سیلف گورنمنٹ کی وجہ سے ترک موالات مع النصاریٰ ہے اور ابھی حال میں سُنا گیا ہے کہ سکھ لیگ نے بھی یہی فیصلہ کر لیا ہے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھنا چاہیئے تم اپنی نظر فقط خدا پر رکھو تمہارا دوست اور مددگار صرف وہی ہے۔ البتہ جو قومیں تمہارے اس پاک مقصد میں خود بخود شریک ہو جائیں یا تمہاری تائید اور غمخواری کریں، ان سے تم بھی مصالحت اور رواداری کا برتاؤ کرو اور مبرّۃ و اقساط (مروت اور حسن سلوک) سے پیش آؤ۔

قرآن کریم میں ہے:۔

لا ینھٰکم اللہ عن الّذین لم یقاتلوکم فی الدّین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ۰ انما ینھٰکم اللہ عن الّذین قاتلوکم فی الدّین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولّوھم، ومن یتولّھم فاولٰٓئک ھم الظّٰلمون ۰ (پ ۲۸: الممتحنہ)

ترجمہ۔ اللہ ان لوگوں کے متعلق جو دین کے معاملہ میں تم سے نہیں لڑے اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اس سے منع نہیں کرتا کہ تم ان کے ساتھ بھلائی اور

منصفانہ سلوک کرو. بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو چاہتا ہے. اللہ تو اُن
لوگوں کی دوستی سے روکتا ہے جو تم سے دین کے معاملہ میں لڑے اور تم کو تمہارے
گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد دی اور جو لوگ ان سے دوستی
رکھیں وہی ظالم ہیں.

اس موقعہ پر اس قدر تنبیہ ضروری ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے ان تعلقات کا اثر یہ نہ ہونا چاہیئے کہ مسلمان اپنے کسی مذہبی حکم کو بدل لیں اور شعائر کفر و شرک کو اختیار کرنے لگیں. اگر وہ ایسا کریں گے تو نیکی برباد گناہ لازم کی مثل اپنے اوپر منطبق کریں گے.

میری عرض یہ ہے کہ آپ ترکِ موالات پر نہایت دیانت سے عمل کریں اور خالص خدا پر اپنی نظر رکھیں اور جن طلبے حقوق واجبہ فوت نہ ہوتے ہوں وہ اس تحریک کی تبلیغ میں بھی حصہ لیں. بقدر ضرورت تعلیم دینی اور ضروریات زندگی حاصل کرنے کے بعد آج کل یہ شغلہ نہایت سُودمند ہے حق تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور جن لوگوں کے ذمہ اولاد یا بیوی یا ماں باپ کے حقوق ہوں وہ اسی حد تک اس کام میں حصہ لیں جہاں تک ان کی خبرگیری سے اغماض نہ ہو کہ وہ بھی فرض ہے اور اگر خلافت کی امداد و حفاظت میں سعی کرنے والے کو بقدر اس کی ضروریات کے خلافت کمیٹی اس چندہ میں سے جو اسی کام کے لیے کیا گیا ہو کچھ حق الخدمت دے، اس کا لینا جائز ہے.

الحاصل موالاتِ کفار حرام ہے اور جہاں تک قدرت ہو اپنے کو اور دوسروں کو موالاتِ کفار سے علیحدہ رکھنا ضروری ہے اور ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی توجہ ہر طرف سے ہٹا کر اسی رب العزت سے وابستہ کرے جس کے ہاتھ میں ہر ایک شاہ و گدا کی باگ ہے ۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و سرِ طرۂ یارے گیرند

اب بندہ التماس ختم کرتا ہے اور اس قدر اور معروض ہے کہ بندہ کوئی مفتی نہیں. فتوے لکھنا دوسرے علماء کا کام ہے. تاہم امید ہے کہ میری معروضات سے آپ کو اپنے سوالات کا جواب مل جائے گا اور علی گڑھ کالج کی عمارتوں اور کتب خانہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کے دل کو دستک دے گا کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے ان چیزوں کی قیمت کو کیا نسبت ہے.

بالکل آخر میں مجھے یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ تحریک ترک موالات کا موجودہ حالت میں کامیاب بنانا صرف اس پر منحصر ہے کہ کوئی حرکت ہماری طرف سے ایسی نہ ہونی چاہیئے جو نقض امن یا سفک دماء کی موجب ہو اور یہی نصیحت اس ملک کے تمام سربرآوردہ دانشمندوں کی ہے۔ اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لیا جائے ورنہ فائدہ کی جگہ نقصان کا اندیشہ ہے۔ والسلام

مورخہ ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

اب میری یہ التجا ہے کہ آپ سب حضرات بارگاہ رب العزت میں نہایت صدق دل سے دعا کریں کہ وہ ہماری قوم کو رسوا نہ کرے اور ہم کو کافروں کا تختۂ مشق نہ بنائے اور ہمارے اچھے کاموں میں ہماری مدد فرمائے۔ واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

آپ کا خیر اندیش بندہ محمود عفی عنہ

۱۶ صفر ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۲۰ء

جمعیت علمائے ہند کے فتوے کی حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب آف سیال شریف نے عرس ۱۳۳۹ھ کے موقعہ پر مکمل تائید کی۔ آپ نے ۱۹۔ مارچ ۱۹۲۰ء کو جو تقریر فرمائی وہ جھنگ کے اخبار المنیر کی ۲۴۔ مارچ ۱۹۲۰ء کی اشاعت سے ہدیۂ قارئین کی جارہی ہے۔

اس کے بعد ہم وہ اعلان بھی نقل کریں گے جو حضرت خواجہ صاحبؒ نے یکم رجب ۱۳۳۹ھ کو فرمایا۔ اس کا حرف حرف مولانا احمد رضا خاں کے فتوے کی کھلی تردید ہے۔

پھر آخر میں ہم وہ **ہدایت** بھی ہدیۂ قارئین کئے دیتے ہیں جو آپ نے اپنے عقیدتمندان دربار سیال شریف کے نام فرمائی۔ کیا اب بھی کوئی نادان ہوگا جو خواجہ ضیاء الدین صاحبؒ کا موقف پڑھ کر مولانا احمد رضا خاں کی کچھ بھی پرواہ کرے۔ آپ کا پرو گورنمنٹ ہونا کسی سے چھپا ہوا نہ تھا۔

قبلہ محمد ضیاء الدّین صاحب سجّادہ نشین سیّال شریف کی

خلافت پر زبردست تقریر — ۱۹ مارچ ۱۹۲۰ء

۱۹ مارچ کو دوسرے یوم خلافت کے دن حضرت سجادہ نشین صاحب سیال شریف نے دوران وعظ میں تحمید و صلوٰۃ کے بعد ان گنت حاضرین مسلمین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

اے حاضرین کرام! آج جمعہ کا دن ہے جس کو خداوند کریم نے مسلمانوں کے لیے عید کا دن مقرر کیا ہے۔ مگر آج کا جمعہ یوم التغابن ہے۔ اس کو مسلمانانِ ہند نے یوم خلافت کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس لیے آج کا جمعہ ہمیشہ کے جمعہ سے نرالا ہے۔ اس میں مسئلہ خلافت پر تقریریں ہوں گی اور جابجا جلسے ہوں گے اور بقاء اسلام کے لیے بدرگاہ رب العزت دعاء و التجا کی جائے گی اور مسلم آبادی یک دل و زبان ہو کر اپنی مجازی حکومت کو ضروریات خلافتِ اسلامیہ و اتحادِ اسلام سے بالدلائل مطلع کرے گی۔ اور یہ بات گوش گزار کرے گی کہ اسلام بجز بقائے خلیفۃ المسلمین کے قائم نہیں رہ سکتا۔ فقیر کے دل میں بھی یہ خیال آیا کہ آج کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں سامعین کی سمع خراشی کی جائے اور اس خیال فاسد کو حرف غلط کی طرح عوام کے صفحۂ دل سے مٹا کر نسیاً منسیاً کر دیا جائے کہ فقراء میں (جس سے بالعموم سجادہ نشین و متولیانِ خانقاہ مراد لیے جاتے ہیں) محبت اسلام کی نہیں ہے۔

یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ وہ اخباری دنیا میں قدم نہیں رکھتے۔ اس میں وہ ایک حد تک حق بجانب بھی ہیں۔ کیونکہ وہ اشتہاری دوا فروشوں اور لیڈروں کی طرح اپنا نام پیدا کرنا نہیں چاہیے۔

مگر فی الاصل بقول حافظ ؎

بزیر دلق مرقع کمند ہا دارند　　　　درازدستی ایں کوتہ آستیناں بین

اس فرقہ کو ایک عضو معطل سمجھنا سخت غلطی اور نادانی ہے۔ انتظام عالم میں جتنا تصرف یہ گوشہ نشین رکھتے ہیں اتنا امور مملکت میں خسروانِ نامدار شہنشاہان کامگار بھی نہیں رکھ سکتے۔ اسلام کی خدمت جس قدر

اس زمرہ بے شور و شر وبے زور پانے کی ہے۔ یار تو بجائے خود رہے اغیار کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ مگر اب خاموشی کچھ معنی نہیں رکھتی۔ کیونکہ جب سے سابقہ لاٹ صاحب سر مائیکل اڈوائر نے وہ ایڈریس حاصل کیا جس پر نمائندگان سجادہ نشیناں اور خود سجادہ نشینوں کے دستخط تھے۔ اس دن سے جو خیال عام مسلمانوں کے دلوں میں ان بزرگوں کی نسبت پیدا ہوگیا ہے۔ اس کے ازالہ کے لیے کل سجادہ نشینوں کو چاہیئے کہ وہ گورنمنٹ کو مطلع کر دیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان رہنا پسند کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ اور امیرالمومنین خلیفۃ المسلمین نائب الرسول کی عزت و وقار میں ذرہ بھر بھی فرق آنے سے ہمارے دلوں پر سخت صدمہ ہوگا۔

پہلے ہم اس عالمگیر جنگ کو سیاسی اور ملکی قرار دیتے تھے مگر اب انخلائے دارالخلافہ قسطنطنیہ درہ دانیال و باسفورس وغیرہ یعنی یوروپی روم (جو جنگ میں غیرہ مفتوح رہا ہے) کے متعلق ایجی ٹیشن پادریان یورپ اور ان کے ہم خیالوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنگ صلیبی اور مذہبی جنگ تھی کیونکہ فاتح بیت المقدس کو وزیراعظم برطانیہ نے تمغہ پہناتے وقت فاتح کروسیڈ کا خطاب عطا کیا اور جو بحث دارالعوام لندن میں ۲۶ فروری کو ٹرکی کے مستقبل کے متعلق ہوئی تو اس میں جو وزیراعظم مسٹر لائیڈ جارج نے اندیشہ ظاہر کیا کہ ترکوں کے اخراج قسطنطنیہ کی جو تحریک پھیلی ہوئی ہے۔ وہ کسی حد تک مسیحیت کے قدیم احساسات پر مبنی ہے جو حالات کے برخلاف ہیں۔ انہوں نے اپنی جماعت کو تسلی دیتے ہوئے یہ کہا کہ ترکوں کو یوں سزا دی جائے گی کہ ان کی نصف سے زیادہ سلطنت قطع کر دی جائے گی اور ان کا دارالسلطنت اتحادی توپ کی زد میں ہوگا۔ اسے فوج اور بیڑے اور عظمت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اور بحیرۂ اسود اور بحیرۂ روم کا درمیانی راستہ جس سے ترکوں کو دنیا کی کونسلوں میں حقیقی اختیار ہے محروم کر دیا جائے گا۔ اور وہ آئندہ عیسائیوں کے مقدمات طے کرتے ہوئے اتحادی توپوں کے دباؤ میں دستخط کریں گے۔

اور ایک دوسرے مہربان جو مزدور جماعت کے سرگروہ ہیں یعنی مسٹر اڈمزن وہ ترکوں کو قسطنطنیہ میں رہنے کی سفارش تو کرتے ہیں مگر پاپائے روم سا بنا کر۔ وہ لکھتے ہیں:۔

مذہبی مشکلات اس صورت میں دور ہو سکتی ہیں کہ خلیفۃ المسلمین کو پاپائے روم کی طرح تمام دنیاوی قوتوں سے محروم کر کے قسطنطنیہ میں رہنے کی اجازت دی جائے۔

الغرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ باستثنائے چند تمام ممبران پارلیمنٹ کیا مذہبی پیشوا اور کیا مدبرین مملکت سب ترکوں کے خلاف بول رہے ہیں اور جن لوگوں نے سبز باغ دکھا کر اور وعدۂ تحفظ مقامات مقدسہ

دلا کر اور جنگ کو غیر ملک گیری جنگ بتلا کر مسلمانوں سے ہر طرح کی امداد لی۔ آج وہی وعدہ کنندگان اپنے وعدوں سے انحراف کر رہے ہیں۔ اور اپنے وعدوں کی بعید از خیال و فہم توجیہیں گھڑ رہے ہیں مسلمانوں نے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھ سے تباہ کیا ہے۔ ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

خدا جس قوم کی عقل سلب کر لیتا ہے اس سے ایسے ہی کام ہوا کرتے ہیں۔ یہ قانونِ قدرت ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ کسی قوم کو تباہ و برباد نہیں کرتا جب تک وہ قوم اپنی بربادی کے سامان خود مہیا نہ کرے۔ یعنی اعتقاد اور نیت جب تک نہ بدلے اللہ پاک کی دی ہوئی نعمت چھینی نہیں جاتی۔

اب اس مطلب کو مسلمان اپنی گورنمنٹ کے گوش گذار کریں کہ ہمارا خلیفۃ المسلمین پاپائے روم کی طرح ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پاپائے روم ان کا جانشین ہے جن کی یہ تعلیم ہے:۔

تم سُن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم کو یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیری داہنی گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی اس کی طرف پھیر دے (متی ۵ باب ۲۸، ۲۹ آیت)

مگر جیسے کہ ہمارے نبی عربی فداہ اُمی و ابی مثیل موسےٰ تھے ایسے ہی ان کے جانشین و خلیفہ مثل خلفاء و جانشینانِ موسےٰ سے باحشمت و باغیرت ہونے چاہئیں۔ جیسا کہ موسےٰ شریروں اور مفسدوں کی گوشمالی کے لیے مامور من اللہ تھے۔ موسےٰ کے خلفاء کی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور جیسا کہ بنی اسرائیل کے خلیفہ بنائے گئے تھے کہ وہ احکامِ شریعت موسوی جاری کیا کرتے تھے۔ مثلاً یوشع بن نون اور قاضی اور ساؤل اور داؤد اور سلیمان بن داؤد علیہم السلام وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی محمدی شریعت کے جاری کرنے والے مسلمانوں میں خلیفہ ہونے چاہئیں اور بفضل خدا آج تک ایسے ہی خلفاء خود مختار باخیل وحشم اسلام میں ہوتے رہے ہیں۔ اور اس وقت امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین نائب رسول الثقلین سلطان ابن سلطان خاقان ابن خاقان سلطان البر والبحرین خادم الحرمین الشریفین سلطان وحید الدین خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ مسند آرائے سریر خلافت ہیں۔ اگر ان سے کوئی علاقہ جو جنگ سے پہلے ان کے ماتحت تھا اب چھینا جائے تو ہمارے دلوں کو سخت صدمہ ہوگا۔ اس واسطے ہم صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں اور اپنی گورنمنٹ کے کانوں تک اس غم و رنج کو پہنچاتے ہیں کہ صلیبی جنگ لڑ کر اور آزادی کے خوش کُن لفظ سُنا کر ہم سے اسلامی ملک چھینے جا رہے ہیں اور ہماری

صدائے احتجاج کو کوئی وقعت نہیں دی جاتی۔ جیسا کہ کئی ایک مدبرینِ انگلستان کہہ رہے ہیں کہ ہندوستانیوں کو انخلائے قسطنطنیہ و تجزیہ ترکی کا کوئی صدمہ اور احساس نہیں۔

اب ہمارے سامنے دو راستے ہیں۔ یا ہم مسلمان نہیں اور مسلمانوں کی آواز گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچائیں یا اسلام سے قطع تعلق کر کے علیحدگی قسطنطنیہ کا جشن منائیں۔ جو شخص اس وقت اپنی صاف بیانی سے حکامِ وقت کی خدمت میں باآوازِ بلند یہ نہ کہہ دے کہ اگر ہمارے اسلام پر حملہ کیا گیا۔ یا اسلامی جھنڈا کے خلاف صلیب بلند کی گئی (جیسا کہ بعض کارٹونوں سے اس کا اظہار ہو چکا ہے) تو یا ہم مسلمان رہ سکیں گے یا وفادار —— تو وہ شخص یا منافق ہوگا یا دھوکہ باز۔ جس کی وجہ سے وہ پبلک اور گورنمنٹ کے لیے نہایت ہی خطرناک ہوگا۔ شارع کی تعلیم حجۃ الوداع کے دن اپنی امت کو یہ تھی کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہیں اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے کام آئیں خواہ کہیں بھی ہوں اور ایک دوسرے کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی فہمائش کریں۔

اب مخلص کا دعا بدرگاہ قاضی الحاجات یہ ہے کہ وہ اپنے اسلام اور خلیفۃ الاسلام کا ہر حال میں حامی و ناصر ہو۔ آمین ثم آمین

منقول از اخبار "المنیر" جھنگ

۲۴ مارچ ۱۹۲۰ء

اعلان جو بموقع عرس یکم رجب ۱۳۳۹ھ کیا گیا۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ و نشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا محمداً عبدہ ورسولہ الذی ارسلہ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ وکفیٰ باللہ شہیدا۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ و رضواناً۔ سیماھم فی وجوھہم من اثر السجود ذٰلک مثلہم فی التوراۃ ومثلہم فی الانجیل کزرع اخرج شطأہ فاٰزرہ فاستغلظ فاستویٰ علیٰ سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بہم الکفار وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت منہم مغفرۃ واجراً عظیماً۔

امّا بعد، فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یاایہا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیآء بعضہم اولیآء بعض ومن یتولہم منکم فانہ منہم ان اللہ لا یہدی القوم الظالمین۔ فترے الذین فی قلوبہم مرض یسارعون فیہم یقولون نخشیٰ ان تصیبنا دائرۃ فعسی اللہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہ فیصبحوا علیٰ ما اسروا فی انفسہم نادمین۔ ویقول الذین اٰمنوا اھؤلاء الذین اقسموا باللہ جہد ایمانہم انہم لمعکم حبطت اعمالہم فاصبحوا خٰسرین۔ یاایہا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ واسع علیم۔ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔ ومن یتول اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون۔ (پ۶ المائدہ ع ۸)

پوشیدہ نہ رہے کہ یہ کلام ربانی جو آپ لوگوں پر پڑھی گئی ہے سورۃ مائدہ کا آٹھواں رکوع ہے۔

خلاصہ مطلب اس کا یہ ہے کہ مومنوں کو حق تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی محبت اور مودت اور نصرت اور اعانت سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے جو ان کا دوست ہو وہ انہی میں سے ہے۔ پھر ان لوگوں کو تہدید فرمائی ہے۔ پھر ان لوگوں کو تہدید فرمائی ہے جو تحریک ترکِ موالات کے مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ تحریک بارآور نہ ہوئی تو رہا سہا اعتبار بھی چلا جاوے گا۔

فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ غیب سے فتح و نصرت اور امداد اسلام کے اسباب مہیا کرے گا۔ اس وقت یہ لوگ نادم اور شرمسار ہوں گے۔

اور آگے چل کر ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ تمہاری راہ و رسم سے پھر کر کفار سے جا ملتے ہیں، تم اس سے کبیدہ خاطر نہ ہو۔ عنقریب خدا ایک قوم کو لائے گا جو خدا سے عجز و نیاز رکھتے ہوں گے اور خدا تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہوگا۔ ان کی نشانی بھی فرما دی ہے کہ وہ مومنوں سے نہایت ہی تواضع سے پیش آئیں گے۔ اور کفار پر زبردست ہوں گے اور وہ کسی کی ملامت سے خوف بھی نہیں کھائیں گے۔ تمہارا دوست خدا ہے۔ اور رسول اور وہ مومن جو کفار سے ترکِ موالات کرتے ہیں اور خدا کے کل احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ اور جو تم میں سے کفار کی موالات ترک کر کے خدا اور رسول کی دوستی اور مومنوں کی دوستی پسند کرے وہی غلبہ میں رہیں گے اور کامیاب رہیں گے۔ کیونکہ خدا کا لشکر ہمیشہ کامیاب اور غالب رہتا ہے۔

اس موقع پر میں آپ لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانی نہیں چاہتا کہ ترکِ موالات کیا چیز ہے اور ترکِ معاملات کیا ہے اور اس وقت اس کی سخت ضرورت کیوں لاحق ہوئی ہے۔ یہ بات تو علمائے ہند خصوصاً مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا غلام معین الدین اجمیری ادام اللہ برکاتہم کی تصانیف سے بخوبی واضح ہو چکی ہے۔ اس جگہ ان کی تشریح تحصیل حاصل ہے۔ میں تو اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کو یہ جتا دینے کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ میں جمعیت علمائے ہند کے فتوے کی حرف بحرف تصدیق کرتا ہوں اور اس پر کاربند ہوں اور آشناؤں کو بھی اس کی ترغیب دیتا ہوں اور اس فتوے سے شاید ہی کوئی فرد اسلام بے خبر ہو۔ مگر ہمارا ملک پنجاب خصوصاً ضلع شاہ پور عام طور پر اسلامی تحریکوں سے بے خبر رہتا ہے۔ ان کی آگاہی کے لیے مختصراً وہ فتوے ذیل میں نقل کرتا ہوں:-

جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس کامل غور کے بعد مذہبی احکام کے مطابق اعلان کرتا ہے کہ موجودہ حالت میں گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ موالات اور نصرت کے تمام

تعلقات اور معاملات رکھنے حرام ہیں۔ اس کے ماتحت حسب ذیل امور بھی واجب العمل ہیں:۔

(۱) خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دینا

(۲) کونسلوں کی ممبری سے علیحدگی اور اُمیدواروں کے لیے رائے نہ دینا۔

(۳) دشمنانِ دین کو تجارتی نفع نہ پہنچانا۔

(۴) کالجوں اور سکولوں میں سرکاری امداد قبول نہ کرنا اور سرکاری یونیورسٹیوں سے تعلق قائم نہ رکھنا۔

(۵) دشمنانِ دین کی فوج میں ملازمت نہ کرنا اور کسی قسم کی فوجی امداد نہ پہنچانا۔

(۶) عدالتوں میں مقدمات نہ لے جانا اور وکیلوں کے لیے ان مقدمات کی پیروی نہ کرنا۔

صاحبو! اس فتوے کو وہ شخص ناقابلِ برداشت کہہ سکتا ہے جس کے دل میں ایمان اور اسلام کی ذرا بھی قدر نہ ہو۔ فقیر نے بارہا اپنے آشناؤں کو اسلامی اصُول کے ماتحت اس فتوے کی طرف توجہ دلائی۔ اور اب بصُورتِ اعلان ہر ایک خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ جو شخص فوج اور پولیس میں ملازم ہو۔ تو اس سے فقیر کا کوئی تعلق نہیں اور نہ اس کو فقیر سے کوئی تعلق ہونا چاہیئے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ وہ ملازمت چھوڑیں یا نہ چھوڑیں۔ یہ ان کے ضمیر اور ایمان پر چھوڑا گیا ہے اور آئندہ کوئی فوجی اور پولیس مین کوئی نذرانہ کسی قسم کا فقیر کے پیش نہ کرے کیونکہ وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ بناءً علیٰ قولہ تعالیٰ ومن یتولھم منکم فانہ منھم۔ ترجمہ۔ اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا ـــــ اور چاہیئے کہ کوئی آدمی فوجی ہو یا پولیس کا فقیر سے بیعت نہ کرے۔ کیونکہ اس کو بیعت نہیں کیا جائے گا۔ بناءً علیٰ قولہ تعالیٰ ضرب اللہ مثلاً رجلاً فیہ شرکاء متشاکسون۔ اور نیز متابعت حضرت خواجہ بزرگ ہند الولی خواجہ شیخ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اسرار اولیا ملفوظ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ مؤلفہ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ۔ ترجمہ فرمایا گنج شکر نے کہ:

ایک وقت ایک مسلمان ملازم معاندین اسلام کا مرید ہونے کے لیے شیخ معین الدین علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن خواجہ نے اسے بیعت نہ کیا۔ اس شخص نے جا کر اپنے آقا معاند اسلام کے پاس شکایت کی تو اس نے اپنے آدمی خواجہ صاحب کے پاس بھیجے کہ آپ اسے مرید کیوں نہیں بناتے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ شخص تیرا ملازم ہے۔ اور جو شخص بے گانہ کے آگے سر جھکائے ہم اُسے کلاہ نہیں دیتے اور مُرید نہیں کرتے ـــــ اگرچہ اِس قسم کے اعلانات اس جبر و استبداد کے زمانے میں تکلیف میں پڑنے کا باعث ہُوا

کرتے ہیں۔ مگر واللہ احق ان تخشاہ۔ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے۔ دنیوی چند روزہ عیش و آرام کے بدلے عقبیٰ کی لامتناہی و ابدی نعمت کو کھو دینا حماقت اور ضلالت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ بقول شیخ سعدی۔

مبادا دل آں فرومایہ شاد — کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

دوسرا اتمام حجت کے لیے ہر مرشد، پیر و سردار کو لازم ہے کہ اپنے مریدوں و رعایا کو امر معروف و نہی عن المنکر کرے تاکہ فردا قیامت کو شرمسار نہ ہونا پڑے۔ جب خدا کے روبرو دوزخی کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی۔ انہوں نے ہم کو گمراہ کیا۔ پس کہیں گے اے اللہ! ان کو دُگنا عذاب دے اور ان پر لعنت بھیج۔ تو اس دن یہ کہہ سکیں کہ اے خدا ہم نے تیرے پیغام ان لوگوں کو پہنچا دیئے مگر انہوں نے نہیں مانا۔ وما علینا الا البلاغ۔

پیروں کو ایسا نہیں چاہیئے کہ مردہ خواہ بہشت میں جاوے یا دوزخ میں۔ ان کو حلوے مانڈے سے کام ہو۔ بلکہ امر معروف و نہی عن المنکر ہر وقت کریں۔ یہی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ کنتم خیر اُمّة اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی اُمتوں کے علماء اور مشائخ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ انہوں نے امر معروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ لولا ینھٰھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ما کانوا یصنعون۔

ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے کیوں نہیں منع کرتے۔ واقعی ان کی یہ عادت بُری ہے۔

ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا آگے آپ کا ایمان

مراد ما نصیحت بود و گفتیم — حوالت با خدا کردیم و رفتیم

فقیر محمد ضیاء الدین عفا اللہ عنہ

۱۰ رجب المرجب ۱۳۳۹ھ

عقیدت مندانِ دربارِ سیال شریف کے لیے

ہدایت

برادرانِ ملت و عزیزانِ طریقت جو مظالم اس پُر ظلم دور میں اسلام اور مسلمانوں پر ٹوٹ رہے ہیں ان کو سُن کر ایک سچا مسلمان ہی نہیں بلکہ ہر انصاف پسند دل لرز جاتا ہے۔ خلافتِ اسلامیہ جس کا قیام و بقاء مذہبی نقطۂ نظر سے ایسا ہی ضروری ہے جیسے جاندار کے لیے روح پنجۂ عیسائیت میں گرفتار ہے۔ جزیرۃ العرب جس کی نسبت ہمارے آقائے نامدار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت تھی کہ اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب[1]۔ اعدائے اسلام کا لعبت گاہ بن گیا ہے۔ کلمہ حق کی آواز نکالنے والے فدایانِ ملت و قوم جیل خانوں کی کوٹھریوں میں دست و پا بزنجیر ہیں۔ سمرنا میں ہزاروں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ بے کس ہو کر جان دے رہے ہیں۔ جن کے مربی اور سرپرست حمایتِ حق پر نثار ہو گئے اور محض اس جرم میں کہ توحیدِ حق کا نعرہ بلند کرنے والے تھے۔ تیغِ تثلیث کی نذر ہو گئے۔ وما نقموا منھم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید۔ (پ۳۰ البروج آیت ۸)

ان واقعات کو سُن کر کس مسلمان کا کلیجہ ہے کہ پانی نہ ہو جائے اور کون سی آنکھ ہے۔ جو آنسوؤں کے دریا نہ بہائے۔ حقیقت میں ان واقعات نے مسلمانوں کو اپنے بھولے ہوئے فرائض کا زریں سبق دیا ہے۔ اور یہ خوابِ غفلت میں سوئی ہوئی قوم کو بیدار کرنے کے لیے تازیانۂ غیبی ہے۔ ہمیشہ سے اور اس نازک وقت میں ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے کہ وہ اپنی ہر ممکن کوشش سے حمایتِ اسلام اور اپنے مظلوم بھائیوں کی دستگیری کرے۔ اس لیے فقیر اپنے عزیز آشناؤں کو خصوصیت کے ساتھ توجہ دلاتا ہے کہ وہ مطالباتِ اسلامی پورا کرانے کی طرف اپنا گامِ عمل تیزی کے ساتھ بڑھائیں اور دنیوی اعزاز و جاہ (جو چند روزہ ہے) کے بدلے خدائے ذوالجلال اور رسولِ عربی فداہ ابی و امی کی خوشنودی کی دائمی عزت حاصل کریں۔ معاندینِ اسلام کے ساتھ تمام تعلقات نصرت و حمایت کو ترک کر دیں اور علمائے کرام کے متفقہ فتوے پر عمل پیرا ہوں۔ ۲۔ مظلومین سمرنا جہاں یتیم بچے لاوارث

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۲۹ ص ۴۲۹ و نحوہ فی صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۲

عورتیں بھوک کے مارے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ رہے ہیں۔ ان کی مالی امداد میں نہایت فراخ دلی سے حصہ لے کر مستحق رحمتِ ایزدی ہوں۔ کیا عجب ہے کہ اس نیک کام کی بدولت تمہارے سابقہ گناہ محو ہو جائیں اور جو روسیاہی اور ظلمت قلبی حمایت و نصرت اعدائے دین کی وجہ سے تم پر چھا چکی ہے ڈھل جائے۔ ان الحسنات یذھبن السیٔات۔ میرے عزیزو! کیا تمہارے مسلمان دل اس کو گوارا کر سکتے ہیں کہ تم اونچے اونچے محلات میں چین اڑاؤ۔ صبح و مسا متعدد کھانے تمہارے سامنے چنے جائیں اور تم خوشی سے ان کو نوشِ جان کرو۔ اور ادھر اسلام کے ننھے بچے اور بے کس عورتیں ایک لقمہ کی حسرت میں جان دے دیں۔ تمہارے گھروں میں غلہ کے انبار اور خزانوں کے خزانے دفن پڑے ہوں لیکن ان اسلامی پودوں کے لیے تم اپنی جیب سے ایک پیسہ صرف نہ کرو اگر واقعی تمہاری یہ حالت ہو گئی ہے تو تُف تمہارے اسلام پر۔ قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب اسلام اور اس کے مظلوم افراد فریادی ہوں گے کہ یا رسول اللہ کفار تے تو ہم پر ظلم توڑے لیکن ان مدعیانِ اسلام نے بھی انہیں کا ساتھ دیا اور ہماری کچھ خبر گیری نہیں کی تو اس وقت تم کیا جواب دو گے۔ اگر آپ حضرات صرف بیجا اسراف و لایعنی مصارف ہی کو چھوڑ دیں تو ان مظلومین کی کافی امداد ہو سکتی ہے۔ زکوٰۃ و عشر ہی سے اگر امداد کی جائے تو ان کو بس کرتا ہے جس کا اصلی و اہم مصرف ایسے ہی مظلومین ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ان ہدایات پر میرے عزیز آشنا عملی طور پر کاربند ہوں گے اور سعادتِ دارین حاصل کریں گے۔ جو صاحب مظلومین سمرنا کے لیے رقم ارسال کرنا چاہیں وہ یا تو فقیر کے پاس بھیجدیں تاکہ یہاں سے مرکزی مجلسِ خلافت کو روانہ کر دی جائے یا اپنے ضلع کی مجلسِ خلافت کو یا اس کام پر مامور خدامِ خلافت میں سے کسی کو باخذ رسید عطا کر دیں لیکن فقیر کو بھی رقم مرسلہ کے متعلق اطلاع دیں تاکہ فقیر بھی ان کے لیے دعاء خیر کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اس فقیر کو بھی اس کارِ خیر میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور اپنی مختصر امداد اور کچھ عزیزوں و آشناؤں کی مدد سے تقریباً چار ہزار روپیہ اس مد میں پیش کیے جا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کرے اور زبانی شور و فغاں کی بجائے شاہراہِ عمل پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللّٰھم آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

الداعی: فقیر محمد ضیاء الدین سجادہ نشین سیال شریف

سیال شریف کا موقف آپ کے سامنے بالتفصیل آچکا ہے۔ اب بریلی کا موقف بھی آپ دیکھ لیں اور خود فیصلہ کریں کہ حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سیالوی اور مولانا احمد رضا خاں میں سے کون انگریزوں کے خلاف تھا اور کون ان کا آلۂ کار۔

مولانا احمد رضا خاں کے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں عرلویانہ جھوٹ بولتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خلافت کے حامی علماء گاندھی کو پیغمبر مانتے ہیں۔ خان صاحب کو علم تھا کہ ختم نبوت کا مسئلہ مسلمانوں میں قطعی اور یقینی ہے۔ بس لوگ یہ سنتے ہی کہ حامیانِ خلافت ختم نبوت کے منکر ہیں۔ وہ گاندھی کو نبی مانتے ہیں۔ سب یکایک تحریکِ خلافت سے ہٹ جائیں گے اور اس طرح انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی تحریک ختم ہو جائیگی۔

فتوے بریلی

مولانا احمد رضا خاں کے صاحبزادے مصطفیٰ رضا خاں نے اپنے والد کے رسالہ دوام العیش فی الائمۃ من القریش کا مقدمہ لکھتے ہوئے خلافت کے بارے میں رائے عامہ یوں ظاہر کی ہے:

> دارالافتاء بریلی اس میں مخالف ہے۔۔۔۔۔ یہ مسئلہ اتفاقی نہیں ——— وہ مسلمان جو آج ایک عالم کے معتمد علیہ اور عرب و عجم کے مرجع ہیں اس میں مخالف ہیں[۱]

اس رسالہ میں مولانا احمد رضا خاں نے دو باتیں انگریزوں کے کھاتے میں ڈالی ہیں کہ ۱۔ مسلمان بغیر خلافت کے بھی رہ سکتے ہیں، یہ کوئی شرعی ضرورت نہیں۔ ورنہ فلاں فلاں وقت مسلمان خلیفہ کے بغیر کیسے رہے۔ ۲۔ جہاد کے خلاف فتوے کہ مسلمانانِ ہند انگریزوں کے خلاف کچھ نہ کریں۔ وہ کمزور ہیں۔ اس لیے انگریز حکومت کو قبول کرلیں۔ دوام العیش میں یہ دو باتیں ملاحظہ فرمالیں۔

> (۱) مفلس پر اعانت مال نہیں بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں۔ لہٰذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں[۲]
>
> (۲) ۶۵۷ھ آیا اور دنیا بے خلیفہ تھی۔۔۔۔۔ پھر ۶۵۸ھ آیا اور زمانہ اسی طرح بے خلیفہ تھا۔۔۔۔۔ پھر ۶۵۹ھ آیا اور وقت ماہ رجب یونہی بلا خلیفہ تھا۔۔۔۔۔ خلافت ساڑھے تین برس تک معدوم رہی[۳]

---

[۱] مقدمہ دوام العیش ص۱ [۲] دوام العیش ص۱۲۱ [۳] ایضاً ص۱۵ عن نقلہ من تاریخ الخلفاء

خان صاحب یہاں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمانان بلاخلافت بھی رہ سکتے ہیں. تو یہ کیا ضروری ہے کہ تسکی خلافت کو مذہبی تحفظ دیا جائے.

تحریکِ خلافت کے خلاف دارالافتاء بریلی کا دوسرا ہتھیار

دارالافتاء بریلی نے یہ پراپیگنڈہ بھی چلا دیا کہ ہندو تحریک خلافت میں مسلمانوں کا ساتھ کیوں دے رہے ہیں شیخ الہندؒ نے ہندوؤں کو محض انگریز دشمنی میں ساتھ لے رکھا تھا. ورنہ انہیں مسلمانوں کے مسئلہ خلافت سے کیا غرض تھی؟

اب بریلی سے یہ فتوے چلا کہ مشترکہ امور میں بھی ہندوؤں سے تعاون نہیں لیا جا سکتا. مولانا مصطفیٰ رضا خان نے جمعیت علمائے ہند پر یہاں تک بہتان باندھا کہ وہ گاندھی کو نبی مانتے ہیں.

مولانا مصطفیٰ رضا خاں نے لکھا :-

> وہ گاندھی کو اپنا امام و پیشوا، ہادی و رہنما جانتے ہیں بلکہ نبی بالقوۃ. بلکہ نبی بالفعل مانتے ہیں کہ اسے مذکر مبعوث من اللہ کہتے ہیں.[1]

تحریک خلافت میں ہندو مسلمانوں کے ساتھ لگے تھے. مسلمان ہندوؤں کے ساتھ نہ لگے تھے. انگریز چاہتے تھے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کو مسلمانوں کی حمایت سے دور رکھا جائے تاکہ پورے کا پورا ملک (ہندوستان) ترکوں کی حمایت میں نہ اٹھ کھڑا ہو. اس کے لیے ضروری تھا کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ نہیں مل رہے، مسلمان ہندوؤں سے اتحاد کر رہے ہیں. اس سے زیادہ حالات کی غلط تصویر کیا کھینچی جا سکتی تھی. مولانا مصطفیٰ رضا خاں کی زبان ملاحظہ فرمائیں. کس جوشِ بیان سے انگریزوں کی مالی مدد حلال کر رہے ہیں :-

> آج ان لوگوں کے نزدیک جو ہندوؤں سے اتحاد نہ کرے کافر ہے. جو ہندوؤں سے محبت و وداد کو ممنوع ورنا جائز کہے وہ کافر ہے جو کھدر نہ پہنے کافروں کا ساتھی ہے جو انگریزی ملازمت کرے کافر ہے جو ہندوؤں کی غلامی نہ کرے اسلام کا دشمن ہے.[2]

یہ کفر کا فتوے کسی نے نہ دیا تھا کہ جو ہندوؤں سے اتحاد نہ کرے کافر ہے نہ تحریک خلافت

---

[1] طرق الهدی والارشاد ص۳۲ [2] ایضاً ص۱۲

ہندوؤں سے اتحاد کا نام تھا۔ ہندو انگریز دشمنی میں مسلمانوں کا ساتھ دے رہے تھے اور مسلمان اسے غنیمت سمجھتے تھے نہ یہ کہ تحریک خلافت مذہبی تحریک نہ تھی۔ بریلی کے اس فتوے میں بلی تھیلے سے باہر آگئی۔ چوتھا فقرہ ملاحظہ کیجیے (جو انگریزی ملازمت کرے کافر ہے) اس فقرے پر طعنہ دیا جا رہا ہے کہ انگریزی ملازمت کرنے کو تم ناجائز کیوں ٹھہرا رہے ہو؟ انگریز کے خلاف نفرت کیوں پھیلا رہے ہو ——— کیا اب بھی بلی تھیلے سے باہر نہیں آئی؟

دارالافتاء بریلی کا حرمتِ جہاد کا یہ فتوے کیا قادیانیوں کو بھی پیچھے نہیں چھوڑ گیا اسے ملاحظہ کیجیے:

ایسی حالت میں جہاد جہاد کی رٹ لگانا غیر قوموں کو اپنے اوپر ہنسانا ہے ......

اور عجب کہ وہ ان شنائع قبائح پر مشتمل ہے حرام حرام حرام ہے۔[1]

غیر قوموں سے کون مراد ہیں؟ انگریز تو ہو نہیں سکتے۔ تحریک خلافت تو انہی کے خلاف تھی ہندو بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ تو بقول مصطفےٰ رضا خاں اس تحریک میں مسلمانوں کے ساتھ تھے اب وہ غیر قوم کون سی تھی؟ جس کے مسلمانوں پر ہنسنے کا غم خان صاحب بریلوی کو کھائے جا رہا تھا۔ بریلوی اس کے جواب میں کہتے ہیں سکھ مسلمانوں پر ہنس رہے تھے کہ لٹتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اس وقت سکھ کس گنتی اور کس شمار میں تھے کہ ان کی ہنسی کے ڈر سے دارالافتاء بریلی جہاد کو حرام حرام حرام قرار دے رہا تھا۔ پھر مسلمانوں پر طعنہ ہے کہ تم جہاد جہاد کی رٹ کیوں لگا رہے ہو ——— کیا ہمیں تم سے پوچھنے کا حق نہیں کہ تم حرام حرام حرام کی رٹ کیوں لگا رہے ہو۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو جہاد کو صرف حرام کہنے پر اکتفا کی تھی۔ تم تین دفعہ حرام حرام حرام کہہ کر آزادی ہند کی ہر کوشش کو مطلق منقطع دے گئے ہو ——— تاریخ گواہ ہے کہ دارالافتاء بریلی نے اس وقت سے لے کر تحریک پاکستان تک آزادی ہند کی ہر تحریک کی کڑی مخالفت کی ہے۔ مولانا محمود احمد رضوی کے والد مولانا ابوالبرکات کے اس فتوے کو کیا تاریخ جھٹلا سکتی ہے:۔

مسلم لیگ کی حمایت کرنا۔ اس میں چندہ دینا۔ اس کا ممبر بننا۔ اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا ہے۔[2]

مکمل فتوے اس کتاب کے صفحہ ۴۲۰ پر دیا گیا ہے۔ اس میں قائد اعظم پر بھی فتویٰ ہے

---

[1] طرق الہدیٰ والارشاد صفحہ ۱۲۱ [2] الجوابات السنیۃ صفحہ ۲۴

بعض بریلوی کہہ دیتے ہیں کہ حرام حرام حرام میں طلاق ثلثہ مراد نہیں۔ دوسرا اور تیسرا لفظ حرام پہلے حرام کی ہی تائید اور توثیق ہے۔ اسی کی حکایت ہے بنیا انشاء نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو مولانا نورانی پاکستان میں کیوں ایک سیاسی قیادت کرتے ہم کہتے ہیں حلالہ نکلوانے کے بعد طلاق ثلثہ سب کے نزدیک کالعدم ہو جاتی ہے اور اس کی تصدیق مولانا عبدالستار نیازی کریں گے۔ ہم تو اس وقت یہ سمجھا رہے ہیں کہ تحریک خلافت اور تحریک عدم موالات میں دارالافتاء بریلی نے حضرت شیخ الہند اور دوسرے آزادی پسند حضرات پر ہندوؤں سے ملنے کا الزام لگایا اور اسے ایک فتوے کی شکل دی، یہ دراصل انگریزوں کے قدم مضبوط کرنے کی ایک سازش تھی۔ یہ انگریز سے ایک سودے بازی تھی اور اپنے دین اور ملک سے غداری تھی۔ اس نازک موڑ پر سیال شریف کے حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحبؒ سامنے آتے ہیں جنہوں نے آستانہ بریلی کے اس بت کو پاش پاش کر دیا اور دارالافتاء سیال شریف سے فتوے صادر ہوا کہ ان حالات میں ہندوؤں سے تعاون لینا ناجائز نہیں ہے۔

دارالعلوم شمس الاسلام سیال شریف کی طرف سے مولانا محمد حسین نے ایک مفصل فتوے لکھا، اور تصدیق کے لیے دیوبند بھیجا۔ دیوبند کی طرف سے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے اس پر دستخط کیے اس میں یہ مسئلہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ ہندوؤں سے مشترکہ مقاصد میں تعاون لیا جاسکتا ہے۔

دیوبند اور سیال شریف کے اس فتوے سے مولانا احمد رضا خاں کا فتوے بالکل بے اثر ہو گیا یہ وہ وقت تھا جب مولانا احمد رضا خاں انگریزوں کی حمایت میں تھے اور حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالویؒ علمائے دیوبند کی حمایت میں کھل کر آمنے سامنے آگئے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں کی خواجہ ضیاء الدین صاحبؒ کے سامنے کوئی حیثیت نہ تھی۔ بہت سے علاقوں میں کوئی مولانا احمد رضا خاں کو جانتا بھی نہ تھا۔ اس لیے اس دینی اور اہم سیاسی مرحلے پر اہل السنۃ والجماعۃ حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحبؒ کے ساتھ رہے اور مولانا احمد رضا خاں اسی صدمہ میں ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو سفر آخرت پر چل دیئے۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادوں نے آپ کے بعد آپ کے دین و مذہب (۱۔ انگریزوں کی غیر متزلزل وفاداری (۲۔ اہل السنۃ والجماعۃ کو دوسرے نمبر پر تسلیم کیے رکھنا) کو برابر جاری رکھا لیکن سجادہ نشینان پنجاب ان کے جال میں نہ آئے، نہ

انہوں نے علمائے دیوبند کو کہا خواجہ ضیاء الدین خود بھی دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں چندہ بھی دیا۔

جناب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ آف گولڑہ

بریلوی یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ اور پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ دونوں مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ تھے۔ یہ غلط ہے۔ گولڑہ کی گدی سیال شریف کی مجاز ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ سیال شریف کے خلاف چلیں۔ آپ اپنے حالات کے تحت خاموش تو رہ سکتے تھے۔ لیکن سیال شریف کے خلاف نہ جا سکتے تھے۔ خواجہ ضیاء الدین صاحبؒ نے پیر مہر علی شاہ صاحب کو مندرجہ ذیل خط لکھا اور پیر صاحبؒ نے اس کا ایک باقاعدہ جواب دیا۔

دونوں بزرگوں کا یہ مکالمہ "امر معروف" ص۲ پر اسے ملاحظہ کیجئے چھپ چکا ہے:

حضرت سجادہ نشین صاحب سیالوی اور جناب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ گولڑوی کا تحریری مکالمہ

قدوۃ السالکین حاجی الحرمین
حضرت سجادہ نشین صاحب سیالوی

اور

جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی

کا تحریری مکالمہ

چونکہ عام طور پر یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب حکومت برطانیہ کے ساتھ تعلقات اور ان کی فوج اور پولیس کی ملازمت کو جائز رکھتے ہیں۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے مکالمہ مذکور شائع کرتے ہیں جس سے واضح ہے کہ جناب پیر صاحب فوج اور پولیس کی ملازمت اور تجارتی تعلقات کرناجائز قرار دیتے ہیں۔

حضرت سجادہ نشین صاحب سیالوی کا پہلا خط

اس خط میں جناب پیر صاحب سے تین استفسار کئے ہیں :-

(۱) اس نازک وقت میں مسلمانانِ ہند کے فرائض مذہبی کیا ہیں؟

(۲) حکومتِ برطانیہ کے ساتھ تجارتی تعلقات اور فوج و پولیس کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؛

(۳) کیا ہادیانِ اسلام کا یہ فرض نہیں کہ وہ اپنے پیروں کو شرعی احکام سے آگاہ کریں اور ان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں؟

جواب جناب پیر صاحب

خلاصہ سوال اوّل : مسلمانانِ ہند کو اپنے گناہوں سے توبہ کرنا چاہیئے اور دعا مانگنی چاہیئے۔

جواب سوال دوم : ایسے تعلقات جس میں اعانت کفر و معصیت ہو مسلم سے بھی حرام ہیں۔ فضلاً عن الکافر بغیر اس کے دنیوی معاملات جس میں اسلام پر مضر نہ ہو بغیر مرتدین کسی کافر سے مطلقاً بتصریح فقہاء حرام نہیں۔ البتہ بلحاظ مظالم دائرہ موجودہ زمانہ کے اگر سلسلہ تجارت کی کلی بندش ہو سکے تو کسی قدر انتقامی مد میں شمار کی جا سکتی ہے۔

جواب سوال سوم : ہادیانِ اسلام کا یہ فرض ہے لیکن وہ اپنے فریضہ سے غافل نہیں۔ البتہ جلسوں میں اس لیے شرکت نہیں کی جاتی کہ وہاں آراء کا بہت اختلاف ہوتا ہے۔

جناب پیر صاحب کے اس خط کے جواب میں جناب حضرت سجادہ نشین سیالوی نے ایک مفصل تحریر روانہ کی جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس وقت مسلمانانِ ہند کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں اور دعا کئے جائیں۔ بلکہ ان کے فرائض اہم ہیں جن میں سے ادنیٰ فریضہ حکومت محارب اسلام کے ساتھ ترکِ تعلقات ہے۔

دوسرے سوال کے جواب کی نسبت یہ فرمایا کہ اس کو ذرا واضح لفظوں میں تحریر کیا جاوے۔ کیونکہ سُنا گیا ہے کہ جناب کے اس خط کو فوجی لوگ، اپنی نوکری کے جواز پر سند لا رہے ہیں اور اس کی تبلیغ کر رہے ہیں

تیسرے جواب کی نسبت تحریر کیا کہ بے شک اس وقت کوئی مسلمان قلب اسلامی درد سے خالی نہیں لیکن ہادیانِ اسلام کا فرض ہے کہ وہ علانیہ حمایتِ اسلام کے لیے کھڑے ہوں۔ اس پر پہلے بندگانِ دین کے واقعات بطور سند پیش کیے۔ اس خط کے جواب میں جناب پیر صاحب کا جو خط آیا وہ بالفاظہٖ درج کیا جاتا ہے جس میں جناب پیر صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ حکومتِ برطانیہ کی فوج و پولیس کی ملازمت اور اس کے ساتھ تجارتی تعلقات ناجائز ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جناب پیر صاحب کے معتقدین اپنے پیر کے اس فرمان کو پڑھ کر اس پر عمل پیرا ہوں گے

نقل خط جناب حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف

تسلیم و نیاز کے بعد آج آٹھ صفحہ کی تحریر مزین بدستخطی جناب ملاحظہ سے گزری۔ اس قدر طول و طویل تکلیف فرمانے کی کیا ضرورت تھی۔ جواب سوال دوم جو پہلے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا غور فرمانے سے ظاہر ہے کہ کفار کی فوجی ملازمت ہمیشہ کے لیے اور خرید و فروخت بلحاظ حالتِ موجودہ ناجائز ہے۔ آج کا عنایت نامہ بھی اس کا مؤید ہے۔ جواب سوال اول بھی کسی قدر غور طلب ہے بے ربط نہیں۔ دہلی والے سرکاری جلسہ میں عدم شمولیت اور بھرتی والے انگریز کا یہاں سے ناکامیاب واپس ہونا وغیرہ وغیرہ نیاز مند کے خائف من الکفار ہونے یا نہ ہونے کی خدا لہم اللہ تعالیٰ پوری شہادت دیتے ہیں جس پر جناب کا وجدان بھی کافی میزان ہے۔ فوجی ملازم میرے طریقہ سابقہ کو ہرگز سند نہیں بنا سکتا۔ میرے حضرت رضی اللہ عنہ کا معاملہ تعلق یا عدم تعلق چشم دید ہے نہ صرف شنید۔ الغرض اتباعی ہدایت فوجی ملازموں کے لیے وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے آج سے نہیں مدتِ مدید سے یہی دستور العمل ہے۔ کیونکہ ان کا عدم جواز مؤید ہے۔

استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ حالات حاضرہ کا لحاظ کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند کو قوم ہنود کے ساتھ معاہدہ صلح اور دشمن قوی کے مقابلہ میں ان سے استعانت اور شراکت عمل کرنا جائز ہے یا نہ؟ بینوا بالتفصیل توجروا من الملک الجلیل۔

الجواب ما ہو فی السنۃ والکتاب

باسمہ سبحانہ حالاتِ حاضرہ کی رو سے جب کہ عیسائیت اسلام کے ساتھ محارب ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اسلام کی شوکت اور طاقت کو (خاک بدہن دشمن) فنا کر دے اور مسلمانانِ ہند بوجہ قوتِ مادی نہ ہونے کے اپنے اصلی فرض سے قاصر ہیں اور تحریکات مجریہ (ترک موالات) کی کامیابی بجز اس کے متصور نہیں کہ قوم ہنود سے معاہدہ صلح اور شرکت عمل کی جاوے تو ایسی حالت میں شرعاً ہنود کے ساتھ معاہدہ صلح اور شرکت عمل جائز ہے۔ خصوصاً جب کہ قوم ہنود خود معاہدہ اور امداد کے لیے ہاتھ بڑھا رہی ہے۔ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ (پ الانفال ع ۸) یعنی (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) اگر کفار صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ ـــــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل بھی یہی رہا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں مختلف قبیلوں سے آپ نے معاہدہ صلح کیا۔ یہود مدینہ سے چند شرائط پر معاہدہ صلح کیا جن میں ایک شرط یہ تھی کہ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے فریق کی مدد کرے گا۔ قبیلہ جہینہ اور قبیلہ بنی ضمرہ، بنی مدلج وغیرہ قبائل سے معاہدہ صلح کیا۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ مشہور ہی ہے۔

آیت پاک میں اگرچہ صلح کی مطلقاً اجازت ہے لیکن دوسری آیت اور آیت قتال سے اس کو مقید بالمصلحت کر دیا۔ صاحب فتح القدیر تحریر فرماتے ہیں:۔

ولآیة وان کانت مطلقة لکن اجماع الفقهاء علی تقییدها برؤیة مصلحة للمسلمین فی ذلک بآیة اخری هی قوله تعالی فلا تهنوا وتدعوا الی السلم الآیة (پ۲۶ محمد آیت ۳۵) فاما اذا لم یکن فی الموادعة مصلحة فلا تجوز بالاجماع[1]

ترجمہ. آیت اگرچہ مطلق ہے لیکن فقہاء کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ یہ آیت دوسری آیت فلا تہنوا کے ساتھ مقید بالمصلحت ہے لیکن اگر مصلحت نہ ہو تو پھر صلح بالاتفاق جائز نہیں۔

الغرض حضورؐ کے طرزِ عمل اور آیت بالا سے صاف ظاہر ہے اگر مسلمین کو ضرورت داعی ہو اور مصلحت صلح ہی میں ہو تو کفار کے ساتھ معاہدہ صلح جائز ہے۔ فقہاء کی بھی بے شمار تصریحات اس پر موجود ہیں۔ ہدایہ میں ہے:۔

واذا رای الامام ان یصالح اهل الحرب او فریقاً منهم وکان ذلک مصلحة للمسلمین فلا باس به لقوله تعالی وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی الله ووادع رسول الله صلی الله علیه وسلم اهل مکه عام الحدیبیة علی ان یضع الحرب بینه وبینهم عشر سنین۔[2]

ترجمہ. اگر امام اہل حرب یا اس کے کسی فرقہ سے صلح کرنا چاہیں اور اس میں مسلمانوں کی بہبودی ہو تو صلح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ خداوندی ارشاد ہے وان جنحوا للسلم الآیۃ اسی طرح حضورؐ نے بھی اہل مکہ سے حدیبیہ کے سال اس بات پر صلح کی تھی کہ دس سال تک ہماری آپس میں جنگ نہ ہو۔

عالمگیریہ میں ہے:۔

اذا رای الامام ان یصالح اهل الحرب او فریقاً منهم وکان ذلک مصلحة للمسلمین فلا باس به۔

ترجمہ. اگر امام اہل حرب سے یا ان کے کسی فرقہ سے صلح کرنا چاہے اور اس میں مسلمانوں کی بہبودی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور اسی کتاب میں آگے چل کر ہے:۔

ولو وادعهم فریق من المسلمین بغیر اذن الامام فالموادعة جائزة علی جماعة المسلمین۔[3]

---

[1] فتح القدیر لابن الہمام جلد ۵ ص ۲۰۲ [2] ہدایہ جلد ۲ ص ۵۴۳ [3] عالمگیریہ جلد ۲ ص ۱۹۶

ترجمہ۔ اگر امام کی اجازت کے بغیر کوئی فرقہ مسلمانوں کا کفار سے صلح کرلے تو یہ صلح تمام مسلمانوں پر جائز ہوگی۔

اس عبارت نے واضح کردیا کہ امام کی اجازت کے بغیر بھی صلح کرلینا جائز ہے۔ جیسا کہ صورت مندرجہ ذیل سوال میں ہے اور قدوری کے قول پر (اذا رأی الامام ان یصالح اهل الحرب او فریقا منهم وکان ذلك مصلحة للمسلمین فلا باس به) کے تحت میں صاحب جوہرہ لکھتے ہیں:۔

فان الموادعة جهاد اذا کانت خیرا للمسلمین لان المقصود هو رفع الشر حاصل به وقد وادع النبی صلی الله علیه وسلم اهل مکة عام الحدیبیة۔[1]

ترجمہ۔ کیونکہ صلح بھی ایک قسم کا جہاد ہے۔ جب کہ اس میں مسلمانوں کی بہبودی ہو کیونکہ جہاد کا مقصد شر کو دور کرنا ہے اور وہ اس صلح میں حاصل ہے۔ دوسرا یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اہل مکہ کے ساتھ صلح کی تھی۔

شمس الائمہ سرخسی (۴۸۳ھ) مبسوط میں تحریر کرتے ہیں:۔

واذا طلب قوم من اهل الحرب الموادعة سنین بغیر شئ ونظر الامام فی ذلك فان راه خیرا للمسلمین لشدة شوکتهم او لغیر ذلك فعله لقوله تعالیٰ وان جنحوا للسلم فاجنح لها ولان رسول الله صلی الله علیه وسلم صالح اهل مکة عام الحدیبیة علی ان وضع الحرب بینه وبینهم عشر سنین الی اخره[2]

ترجمہ۔ جب کوئی قوم اہل حرب کی طالب صلح ہو تو امام اس میں غور کرے اگر کفار کی شوکت زیادہ ہے یا کوئی اور امر ایسا ہے جس کی وجہ سے صلح کرنا ہی مسلمانوں کے لیے بہتر ہے تو موجب فرمان ایزدی وان جنحوا للسلم فاجنح لها کے صلح کرے اور اس لیے بھی کہ حضور نے خود اہل مکہ سے حدیبیہ کے سال اس بات پر صلح کی کہ دس سال تک آپس میں جنگ نہ ہوگی۔

اور درالمختار میں ہے:۔

و یجوز الصلح علی ترك الجهاد معهم بمال منهم او منا لو کان خیرا لقوله تعالیٰ

---

[1] الجوہرۃ النیرۃ جلد ۲ صفحہ ۳۳۳ [2] المبسوط جلد ۱۰ صفحہ ۸۶

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔[1]

ترجمہ۔ اور کافروں کے ساتھ ترک جہاد پر صلح کرلینا جائز ہے خواہ ان سے کچھ مال لے کر یا ان کو کچھ دے کر اگر یہ صلح مفید ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وان جنحوا للسلم فاجنح لھا الآیۃ۔

اور شامی میں ہے :۔

قولہ منا ای مال نعطیہ ایاھم ان خاف الامام الھلاک علی نفسہ والمسلمین بای طریق کان۔

ترجمہ۔ یعنی ہم ان کو مال دے کر صلح کریں اگر امام اپنے نفس یا مسلمانوں کی ہلاکت کا خوف کرے جس وجہ سے ہو۔

قولہ لقولہ تعالیٰ وان جنحوا للسلم ای مالوا قال فی المصباح السلم بالکسر والفتح الصلح یذکر ویؤنث والآیۃ مقیدہ برؤیۃ المصلحۃ اجماعاً لقولہ تعالیٰ فلا تھنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون افادہ فی الفتح۔

خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ یہ آیت یعنی وان جنحوا للسلم صلح میں مصلحت کے دیکھنے کے ساتھ مقید ہے اجماعاً کیونکہ اللہ جل جلالہٗ کا فرمان ہے فلا تھنوا وتدعوا الی السلم الآیۃ۔ جیساکہ فتح القدیر میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

فقہاء کی ان تصریحات سے یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ آیت وان جنحوا للسلم منسوخ نہیں جیساکہ بعض مفسرین کا زعم ہے۔ ورنہ اتنے بڑے اجلہ فقہاء آیت کو استدلال میں نہ لاتے۔

چونکہ بعض حضرات اس وقت بھی اس کے مدعی ہیں کہ ہندو سے عقد صلح مطلقاً ناجائز ہے اور حضورؐ کا طرز عمل اور آیات دالہ علی الصلح سب آیۃ براءۃ کے ساتھ منسوخ ہیں۔ اس لیے مزید اطمینان کے لیے چند اور سندیں پیش کی جاتی ہیں جن سے واضح ہوگا کہ نسخ کا قول قابلِ اعتماد نہیں۔ آیت وان جنحوا کے تحت میں صاحب جمل قول نسخ کی تشریح کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :۔

وھذا کلہ مبنی علی ان المراد بالصلح ھو عقد الجزیۃ اما اذا ارید بہ غیرہ

---

[1] درمختار جلد ۴ صـ۱۳۳ مع الشامی [2] ردالمحتار شامی جلد ۴ صـ۱۳۳

من العقود التي تفيدهم الامن وهي المهدنة والامان فلا نسخ مطلقا اذ يصح عقدها بكل كافر[1]

ترجمہ: نسخ کا جھگڑا سب اس مبنی ہے کہ سلم سے عقد جزیہ مراد لی جائے لیکن اگر دوسری عقود صلح و امن مراد ہوں تو نسخ ہرگز نہیں کیونکہ ہر کافر کے ساتھ عقد صلح و امن جائز ہے۔

اور ابن عربی اندلسی مالکی اپنی کتاب احکام القرآن میں آیت وان جنحوا للسلم کے حق میں لکھتے ہیں:

اما قول من قال انها منسوخة بقوله فاقتلوا المشركين فدعوى فان شرط النسخ معدومة فيها كما بيناه في موضعه[2]

ترجمہ: جس شخص نے یہ کہا کہ آیت وان جنحوا للسلم منسوخ ہے یہ محض دعوے ہی دعویٰ ہے کیونکہ شرط النسخ اس میں نہیں پائی گئی جیسا کہ ہم نے تفصیل پہلے کردی ہے

اور آگے لکھتے ہیں:

وان كان للمسلمين مصلحة في الصلح لانتفاع يجلب به اوضرر يندفع بسببه فلا بأس ان يبتدء المسلمون به اذا احتاجوا اليه وان يجيبوا اذا دعوا اليه قد صالح النبي صلى الله عليه وسلم اهل خيبر على شروط فقضوها فنقض صلحهم وقد وادع الضمري وقد صالح اكيدر دومة واهل نجران وقد هادن قريشا لعشرة اعوام حتى نقضوا عهدهم وما زالت الخلفاء والصحابة على هذه السبيل التي شرعناها سالكة وبالوجوه التي شرحناها عاملة.

ترجمہ یعنی اگر مسلمان کی صلح میں بہتری ہو، اس طرح سے کہ صلح سے کوئی نفع حاصل ہو یا کہ ضرر دور ہو تو مضائقہ نہیں کہ مسلمان ہی صلح کرنے کی ابتداء کریں۔ اگر ضرورت ہو یا ان کی دعوت صلح کو قبول کرلیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے چند شروط پر صلح کی تھی جس پر وہ قائم نہ رہے اور صلح باقی نہ رہی۔ اسی طرح ضمری و اکیدر دومہ و اہل نجران سے صلح کی اور قریش کو سے دس سال پر صلح کی جس پر قریش قائم نہ رہے اور خلفاء و صحابہ کا

---

[1] حاشیہ جمل بر تفسیر جلالین جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ [2] احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۸۶۲

بھی عملدرآمد ہمیشہ اسی پر رہا۔

تعجب ہے کہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کو نسخ کا علم نہ ہوا لیکن چودہویں صدی کے علماء نسخ کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔ علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں آیت وان جنحوا للسلم کے متعلق آیۂ براۃ کے ساتھ نسخ کا قول نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:۔

قال ابن کثیر فی تفسیرہ فیہ نظر ایضاً لان فی اٰیۃ البراءۃ الامر بقتالھم اذا امکن ذٰلک فاما اذا کان العدو کثیفاً فانہ تجوز مھادنتھم کما دلت علیہ ھٰذہ الاٰیۃ الکریمۃ کما فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الحدیبیۃ فلا منافاۃ ولا نسخ ولا تخصیص[1]

ترجمہ۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قول بالنسخ میں نظر ہے کیونکہ آیۂ براءۃ میں قتال کا حکم اس وقت ہے کہ جب مسلمانوں کو قتال کی قدرت ہو لیکن اگر دشمن غالب ہو تو ان کے ساتھ صلح جائز ہے جیسا کہ آیت وان جنحوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل صلح حدیبیہ اسی پر دال ہے پس نہ تو کوئی ان میں منافاۃ ہے نہ نسخ نہ تخصیص

دوسری جگہ علامہ مذکور لکھتے ہیں:۔

وقال النحاس قول من قال لم یعاھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد ھٰذہ الاٰیۃ غیر صحیح والصحیح انہ قد عاھد بعد ھٰذہ الاٰیۃ جماعۃ منھم اھل نجران قال الواقدی عاھدھم وکتب لھم سنۃ عشر قبل وفاتہ بیسیر[2]

ترجمہ۔ نحاس[ؒ] فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ کہا کہ آیت براءۃ کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے معاہدہ نہیں کیا اس کا قول صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیۃ کے بعد ایک جماعت سے صلح کی جن میں سے اہل نجران بھی ہیں واقدی نے کہا کہ حضور اقدس نے اہل نجران کے ساتھ معاہدہ کیا اور لکھ دیا سنہ دس ہجری میں وفات سے پہلے تھوڑا سا۔

---

[1] عینی علی البخاری جلد ۱۰ ص۹۵ [2] جو زبردست محدث اور ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بخاری، یحییٰ بن معین وغیرہم و دیگر اکابر محدثین کے شیخ ہیں جن کی نسبت یحییٰ بن معین لکھتے ہیں۔ ثقۃٌ من احفظ الناس للحدیث حمزہ۔

مذکورہ بالا تحقیق سے یہ تو صاف ظاہر ہو گیا کہ مسلمانوں کو بوقت ضرورت شدیدہ کفار سے مصالحت کرلینا جس میں مسلمانوں کی منفعت ہو جائز و مشروع ہے۔ بنا ءً علیہ چونکہ زمانۂ حال میں اہل اسلام و خلیفۃ المسلمین نہایت ابتلاء اور تکلیف میں ہیں اور مسلمانانِ ہند بوجہ کم استطاعت اور نہتے ہونے کے فریق محارب اسلام کے مقابلہ سے عاجز ہیں اور ہنود جن کی تعداد بہ نسبت مسلمانانِ ہند کے سہ گونہ سے بھی زیادہ ہے اور ان کے ساتھ اتفاق کرنے سے البتہ فریق محارب پر البتہ اسلام کا رعب یا وقعت بڑھ جانے کی قوی امید ہے۔ لہذا اس وقت ہنود سے اتحاد اور اتفاق کرنا عین مصلحت و منفعت اسلام ہے۔ ایسے آڑے وقت میں اگر ہنود سے مخالفت و منافرت برتی جائے تو آپ کا یہ مطلب ہوگا کہ ایک محارب کے مقابلہ کی تاب نہیں اور دوسرا محارب پیدا کرلیا جاوے۔

جیسا کہ غیر مسلموں کے ساتھ بوقت ضرورت مصالحت جائز ہے۔ اسی طرح ضرورت کے وقت ان سے مدد لینا اور ان کو شریک عمل کرنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ ہوازن میں صفوان بن امیہ سے جو اس وقت غیر مسلم تھے زرہ عاریۃً لیں اور اسی جنگ میں صفوان خود بھی شریک جنگ ہوئے۔ عینی شرح بخاری میں ہے:۔

وقد استعان صلی اللہ علیہ وسلم بصفوان بن امیۃ فی ہوازن واستعار منہ مائۃ درع باداتہا وخرج معہ صفوان[1]

ترجمہ: حضور اقدس نے جنگ ہوازن میں مدد لی اور سو زرہ مع ساز و سامان اُن سے مستعار لی اور صفوان (خود بھی) حضورؐ کے ساتھ جنگ میں نکلا۔

علامہ نووی حدیث فلن استعین بمشرک کے تحت لکھتے ہیں:۔

وقال الشافعی وآخرون ان کان الکافر حسن الرای فی المسلمین ودعت الحاجۃ الی الاستعانۃ بہ استعین والا فیکرہ وحمل الحدیثین علی ہذین الحالین[2]

ترجمہ: امام شافعی اور اس کے سوا اور دیگر حضرات نے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی کافر صائب الرائے اور مدبر ہو اور مسلمانوں کو اس سے امداد لینے کی حاجت ہو تو امداد لی جاوے ورنہ (یعنی اگر حاجت نہ ہو) تو مکروہ ہے۔ دونوں حدیثوں کا (فلن استعین استعانہ بصفوان)

---

[1] [2] شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۸

محل ضرورت و عدم ضرورت قرار دیا ہے۔
حضور اقدس نے بنی ضمرہ سے جو معاہدہ کیا اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

معاہدہ قبیلہ بنو ضمرہ

هٰذا كتابٌ من محمد رسول الله لبني ضمرة انهم آمنون على اموالهم
وانفسهم وان لهم النصر على من رامهم الا ان يحاربوا في دين الله و
ان النبي اذا دعاهم لنصره اجابوه[1]

ترجمہ۔ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے۔ بنو ضمرہ کے لیے ان لوگوں کا جان و
مال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے
گی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں۔ اور جب پیغمبر ان کو مدد کے
لیے بلائیں گے تو مدد کو آئیں گے۔

جنگ بویب ۱۴ ہجری

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں جنگ بویب جو رمضان ۱۴ھ ہجری میں واقع ہوئی ہے۔ عیسائی
قومیں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک کارزار تھیں جن کو علامہ شبلیؒ نے الفاروق میں تفصیل سے لکھا ہے اور
سوانح عمری حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی واقعہ کو لکھ کر طبری کا حوالہ دیا ہے۔ الفاروق کے چند جملے یہ ہیں:۔

یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے حضرت عمر رضی
اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے۔ اس قومی معرکہ میں ہم
بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ ان کے قبیلہ کے ہزاروں آدمی تھے
اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے الخ

آگے لکھتے ہیں:۔
مثنیٰ نے قوم کو للکارا کہ گھبراؤ نہیں یہ معمولی خلل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے

---

[1] روض الانف و زرقانی جلد ۱ ص ۱۳۷

بُلا کر کہا کہ اگرچہ تم عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو۔ آج قوم کا معاملہ ہے میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا۔ انہوں نے لبیک کہی مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پہ لے کر دھاوا کیا الخ۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

دیر تک بڑے گھمسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا۔ مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اُتر کر اُس کو گود میں لیا اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔

ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ ضرورت کے وقت غیر مسلموں سے امداد لی جا سکتی ہے اور ان کو شریک عمل کیا جا سکتا ہے۔ بنا بریں علیہ قوم ہنود سے جو اس وقت مسلمانوں کے محارب نہیں صلح کرنا اور ان کو شریک عمل کرنا جائز ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ایسے تعلقات یا ایسی شراکت عمل جس میں مذہب اسلام کو ضرر پہنچے اور کفار کے مذہب کی تائید ہو کسی حال میں جائز نہیں۔ چنانچہ اس وقت گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ تجارتی تعلقات یا فوجی ملازمت جن کی وجہ سے گورنمنٹ غرہ ہو کر مسلمانوں کو تباہ کر رہی ہے یہی وہ تولا ہے جس سے قرآن پاک نے جا بجا منع فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس مسئلہ کی تصدیق جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے اس خط سے ہوتی ہے جو جناب حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب سجادہ نشین دربار سیال شریف کی خدمت میں تحریر کیا گیا ہے۔ جناب پیر صاحب کی عبارت یہ ہے:۔

دنیوی معاملت جس میں اسلام پر ضرر نہ ہو بغیر مرتدین کسی کافر سے مطلقاً بتصریح فقہاء حرام نہیں۔

اس عبارت سے واضح ہے کہ جو معاملات اسلام کو ضرر رساں نہ ہوں وہ کفار کے ساتھ جائز ہیں۔ تو وہ معاہدہ جس میں بجائے ضرر کے نفع کی غالب امید ہو کیوں جائز نہ ہوگا۔

محمد حسین عفی عنہ

المجیب

محمد حسین عفی عنہ مدرس دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام

سیال شریف

العبد
حررہ خادم العلماء والفقراء ادنیٰ از خدام حضرت خواجہ پیر سیال شریف رضی اللہ ساکن شہر گھیانہ
غلام حسین بقلم خود

العبد
حررہ المسکین احمد الدین میانوالی۔ خادم دربار عالیہ سیال شریف بقلم خود

الجواب صحیح
وہذا التحریر تفسیر آیۃ لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم
یخرجوکم من دیارکم الآیۃ۔ فقیر محمد ضیاء الدین سیالوی

الجواب صحیح
حررہ محمد امین تکوچی مقیم دربار سیال شریف

الجواب صواب بلا ارتیاب سعید احمد لکھنوی
صدر مدرس و مفتی مدرسہ عربیہ گنبدان پانی پت و ناظم مدرسہ رفاہ المسلمین لکھنؤ

فذا ہو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال جمال الدین کوٹھیالوی ضلع گجرات

تصدیق علمائے دیوبند

بے شک موجودہ حالت میں قوم ہنود کے ساتھ مصالحت کرنا اور حدود مذہب کو محکم طریقہ سے محفوظ رکھتے ہوئے اُن کے ساتھ اتحاد کرنا اور ان سے مدد لینا درست ہے اور روایات و آثار سے ثابت ہے کما حققہ المجیب العلام۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

مفتی مدرسہ دیوبند۔ ۱۹، ربیع الاول سنہ

الجواب صواب

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

محمد مرتضیٰ حسن عفا اللہ عنہ

انگریز اور دارالعلوم دیوبند

غیر جانبدار شہادتوں کی روشنی میں

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

مولانا محمود احمد رضوی کے والد و معاندہ از نفس بشریر مولانا ابوالبرکات سید احمد کا فتوے

جاری کردہ مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور

(۲) مسلم لیگ کی حمایت کرنی. اس میں چندہ دینا. اس کا ممبر بننا. اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا کیسا ہے ؟

(۶) جو شخص اپنے کو سنی کہتا ہو اور پھر مسٹر جناح کو رافضی بلکہ تبرّی جانتے ہوئے اپنا پیشوا ماننے اور قائد اعظم لکھے اس کے لیے کیا حکم ہے ؟

الجواب

(۲) لیگ کی حمایت کرنا. اس میں چندہ دینا. اس کا ممبر بننا. اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا منافقین و مرتدین کی جماعت (مسلم لیگ) کو فروغ دینا ہے اور دین اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے.

(۶) اس شخص پر واجب اور لازم ہے کہ فوراً توبہ کرکے سچا پکا مسلمان بن جائے. اگر رافضی کی تعریف حلال جان کر اور جناح کو اس کا اہل سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مرتد ہو گیا. اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔[1]

ابوالبرکات سید احمد غفرلہ

ناظم دار العلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند (لاہور)

[1] منقول از الجوابات السنیۃ صفحہ ۳۲ مطبع سلطانی بمبئی ۹

دارالعلوم دیوبند اور انگریز حکومت

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد:۔

اکابر علماء نے دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بالفعل حصہ لے چکے تھے۔ سیاسی ناکامی کے بعد ان کا پروگرام اسلام کی علمی آبیاری اور مدارس عربی کا قیام تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی پالیسی یہی رہا کہ مدرسہ کے نظم و عمل میں خود زیادہ نمایاں نہ ہوں۔ ان حضرات کو آگے رکھیں جو عملاً کسی سیاست میں ملوث نہ ہوئے تھے۔ ان کے ہم مسلک وہ علماء جو ملک کے اعلیٰ علمی اداروں سے ریٹائر ہوئے اور انگریز حکومت کو ان سے کسی قسم کی بغاوت کا شبہ نہ ہو سکتا تھا حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے ایسے لوگوں کو آگے آگے رکھا تاکہ یہ علمی دانش کدہ ایک خالص غیر سیاسی رنگ میں ابھرے اور مسلمانوں کو پھر سے جوڑ سکے اور ایک پراگندہ منتشر اور مظلوم قوم پھر سے سنبھل جائے۔ سو یہ تو صحیح ہے کہ اکابر علماء دیوبند ہمیشہ انگریزوں کے مخالف رہے ہیں۔ لیکن دارالعلوم دیوبند ہمیشہ سے صرف ایک علمی ادارہ رہا ہے۔ بحیثیت مدرسہ یہ کسی سیاست میں ملوث نہیں ہوا۔ یہ اکابر کی پالیسی تھی کہ انہوں نے وقت کی نبض پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی پوری دینی ذمہ داری ادا کی ——— مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے سوانح قاسمی میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے شروع کے دور میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام زیادہ معروف کیوں نہیں ہوا۔ اس کے حاشیہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

اس وقت کے نازک حالات، حضرت والا کا وارنٹ، روپوشی، سرکاری دو شوں کا

پیچھے پیچھے لگا رہنا، پھر حضرت والا کے ان جذبات و نظریات کا ماضی سے زیادہ مستقبل کے لیے ہونا جو اس وقت اجزاء مدرسہ کی روح اور آج ایک مستقل کتب خیال اور ملت کی تاریخ بنے ہوئے ہیں، جن کی رو سے یہ مدرسہ تعلیمی ہونے کے ساتھ ساتھ گویا اہل اللہ کی سیاست کا ایک مرکز بھی تھا کچھ ایسی باتیں نہ تھیں جو کلیتہً پردۂ خفا میں ہوں یا کم از کم بحیثیتِ مجموعی حکومتِ وقت کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہوں ایسی صورت میں حضرت والا کا بحیثیت بانی یا بحیثیت کسی ذمہ دار عہدیدار کے سامنے آنا بلاشبہ مدرسہ کو خطرات و مہالک کا شکار بنا سکتا تھا اور ابتداء ہی سے حکومت وقت کی نگاہیں اس پر کڑی ہو جاتیں جس سے وہ حریت پرور مقاصد بروئے کار نہ آسکتے تھے جن کے لیے یہ تاسیس عمل میں آئی تھی۔ ان حالات میں حضرت والا کا کسی رسمی ذمہ داری کی صورت میں سامنے نہ آنا اور سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہ ہونے کو نمایاں رکھنا ایک اچھی خاصی سیاسی مصلحت کی صورت ہو جاتی ہے۔[1]

اس کے آگے بحث کے اس نکتہ پر کلام کرتے ہوئے کہ اگر ایسا تھا تو عام ممبران یا ممتحنین کی فہرست میں بھی حضرت (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا نام کیوں آیا۔ اس کے جواب میں قاسمی صاحب لکھتے ہیں:۔

کہ اتنی بات سے کسی عہدے دارانہ ذمہ داری کی صورت ظاہر نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اس فہرست میں ایسے حضرات کی اکثریت تھی جو تارک الدنیا اور مسجد نشین بزرگ تھے جنہیں سیاست سے تو بجائے خود، عام شہری معاملات سے بھی کوئی خاص لگاؤ نہ تھا اور یا ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔[2]

بعد ازاں لکھتے ہیں:۔

اس پر بھی مخالفین مدرسہ نے حضرت ہی کے تعلق کو بنیاد قرار دے کر مدرسہ کو حکومت وقت کی نگاہوں میں مشتبہ کر دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ حتیٰ کہ گورنمنٹ کو تحقیقات کرانی پڑی۔ اس وقت یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو

---

[1] سوانح قاسمی حاشیہ صفحہ ۲۴۶ [2] ایضاً صفحہ ۲۴۶ تا صفحہ ۲۴۷

سامنے رکھ کر مدرسہ کی صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی۔ ورنہ اگر شخصی طور پر عہدیدارانہ ذمہ داریوں کے ساتھ حضرت والا آگے ہوئے ہوتے تو ظاہر ہے کہ مدرسہ کی طرف سے ان بزرگوں کی صفائی اور یقین دہانی کارگر نہ ہو سکتی تھی[1]

اس حکیمانہ پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت زیادہ کھل کر اس مدرسے کے آڑے نہ آسکی اور پھر اس درسگاہ سے سیاست کے بھی وہ نابغۂ روزگار اٹھے جنہوں نے ترکوں تک کو اپنی فکری بساط میں سمیٹ لیا۔ حضرت شیخ الہندؒ سے کون واقف نہیں یہ اسی مدرسہ کی پیداوار تھے جو ملکی سیاست میں بظاہر کسی طرح ملوث نہ تھا۔ ان حضرات کی فکری سوچ نے خود دشمن کو دھوکہ میں ڈال دیا تھا۔ ایک انگریز اسی مدرسہ کے معائنہ کے لیے آتا ہے اور وہ ان الفاظ میں اپنی رپورٹ لکھتا ہے:۔

یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار و ممد و معاون سرکار ہے یہاں کے تعلیم یافتہ لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن ہیں کہ ایک کو دوسرے سے واسطہ نہیں۔

اس سے دو باتوں کا پتہ چلا۔ ایک تو یہ کہ اس مدرسہ کے بارے میں عام شہرت یہی تھی کہ یہ انگریزوں کے خلاف ایک جماعتی مرکز ہے۔ اس گمان کو دور کرنے کے لیے معائنہ کرنے والے نے یہ لکھا کہ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں عام شہرت غلط ہے۔ دوسری بات یہ کہ انگریزی حکومت نے عام ناخواندگی کو دور کرنے کے لیے جو پروگرام دے رکھا ہے مدرسے کا وجود ہندوستان کے اس قومی تقاضے کو بھی پورا کر رہا ہے۔ اس پہلو سے یہ معاون سرکار بھی ہے۔ پھر اس انگریز رپورٹر کا یہ لکھنا کہ "یہاں کے تعلیم یافتہ ایسے آزاد ہیں کہ ایک کو دوسرے سے واسطہ نہیں" یہ جملہ کیا بتاتا ہے؟ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انگریز حکومت ان حضرات کی تنظیم سے خائف تھی اور یہ سمجھ اس کے نہیں ہو سکتا کہ انگریز دیوبند کو اپنے خلاف ایک فکری مرکز سمجھتے ہوں اور اب لیفٹیننٹ گورنر کا نمائندہ یا مر اپنی حکومت کو اعتماد دلا رہا ہے کہ عملی طور پر دیوبند والے منظم نہیں ہیں۔ وہ آزاد ہیں کسی کو ایک دوسرے سے واسطہ نہیں۔ انگریز حکومت کو مدرسے سے خائف نہ ہونا چاہیئے۔ یہ رپورٹ ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء کی ہے۔

مدرسہ دیوبند کا صرف ایک فکری مرکز ہونا اور عملی مرکز نہ ہونا یہ محض کوئی اتفاقی کارروائی نہ تھی اسے اسی طرح رکھنا یہی پالیسی ابتداء سے کارفرما تھی۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:۔

---

[1] سوانح قاسمی ص ۲۴۳

مدرسہ دیوبند کے صرف چھ ماہ بعد متصل شہر سہارن پور میں ایک شاخ کھولی گئی۔ آخر میں
ان شاخوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے چالیس تک پہنچ گئی۔ مدرسہ دیوبند کی ان شاخوں
کا نظام لامرکزی تھا[1]

یہ پالیسی اس لیے قائم کی گئی تھی کہ یہ مدارس کہیں حکومت کا براہِ راست نشانہ نہ بنیں اور آزادی
لیتے لیتے کہیں مسلمان مذہب بھی نہ دے بیٹھیں۔ مسلمانوں کو اس وقت آریہ اور عیسائی مشنریوں سے بچانے کی
ضرورت بھی تھی۔ صفِ اوّل میں اگر حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے سیاسی رفقاء کھڑے تھے تو دوسری طرف صف
میں مولانا حافظ محمد احمد مہتمم اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نائب مہتمم کھڑے تھے۔ جن کا کام اسلام کی علمی قدروں
کا تحفظ، مدرسے کا استحکام اور قرآن و حدیث کے ماہرین تیار کرنا تھا۔ یہ حضرات حکومت کو یہ تاثر دیتے تھے کہ
مدرسہ خود کسی سیاسی تنظیم کا نام نہیں یہ محض ایک علمی اور دینی درس گاہ ہے۔

خود حضرت شیخ الہندؒ بھی چاہتے تھے کہ ہماری تحریک آزادی کی وجہ سے مدرسہ دیوبند پر کوئی آنچ
نہ آئے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو کیا حضرت شیخ الہندؒ خود یاغستان نہ جاتے۔

کارپردازانِ حکومت کا احساس یہ ہے کہ مولانا یاغستان اس لیے تشریف نہیں لے گئے
کہ دیوبند کا مدرسہ حکام کی نظر میں مشتبہ ہو جائے گا[2]

مولانا غلام رسول مہرؔ دیوبندی تو نہ تھے وہ بھی لکھتے ہیں:۔
ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے
حتی الامکان محفوظ رکھیں[3]

ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ علمائے دیوبند انگریزوں کے خیر خواہ تھے۔ ان کا آگے بڑھنا بھی
ملک و ملت کی بہبود اور اللہ کی رضا کے لیے تھا اور دوسری صف میں کام کرنا بھی مسلمانوں کے علم و عمل کو بچانے
اور اللہ کی رضا کے لیے تھا۔ انگریزوں کے ایجنٹ صرف وہ مذہبی طبقے تھے جو دین میں تحریف کر رہے تھے
جیسے منسوخی جہاد اور ختم نبوت زمانی کا انکار یا وہ جو اہلسنت مسلمانوں کے دو ٹکڑے کر رہے تھے۔
اور ان میں کفر و اسلام کے فاصلے قائم کیے ہوئے تھے اور اپنے مدرسوں کے لیے انگریزوں سے مالی
امداد لینے کو جائز سمجھتے تھے۔ خلافت عثمانیہ کے خلاف ہر دو نوع کے یہ ایجنٹ ایک جنس میں جمع ہو جاتے تھے

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صـ۲۲ [2] تحریک شیخ الہندؒ صـ۱۲۳ [3] سرگزشت مجاہدین صـ۵۵۳

۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد علماء کی عام حالت

۱۸۵۷ء کی سیاسی ناکامی کے بعد فتحیاب انگریزوں نے سارے ملک میں قیامت توڑ رکھی تھی۔ بر سرِ عام پھانسیاں لٹکی تھیں اور علماء اسلام کو اس تحریک آزادیٔ ہند کا سالار سمجھا جاتا تھا سب سے زیادہ ظلم کا تختۂ مشق یہی لوگ تھے۔ جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو لائق دار ہے۔

وارثین انبیاء کے لیے یہ بڑا نازک موڑ تھا علم دین کی امانت ان کے سینوں میں تھی اور اس کا تحفظ اور قوم کو پھر سے زندگی دینا ان کا فرض منصبی تھا۔ اس اندھا دُھند دار و گیر میں پیچھے ہٹنا تحریک سے پیچھے ہٹنا نہیں ایک داؤ کی کروٹ لینا ہے۔ ارباب عزیمت کی تاریخ میں ایسے موڑ آتے ہیں کہ دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے اصل کردار کو چھپانا پڑتا ہے (اسے عربی میں توریہ کہتے ہیں)۔

حضرت جابرؓ (۷۴ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا — الحرب خدعة۔[1]

لڑائی ایک چال ہے۔ حضرات علماء کرام نے یہ چال چلی کہ مدارس عربی قائم کرنے شروع کر دیئے۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کا قیام بھی انہی دنوں عمل میں آیا۔ اس کا پہلا فارغ التحصیل طالب علم دیوبند کا رہنے والا محمود حسن تھا جو تاریخ کے اگلے موڑ پر شیخ الہند بنا۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور حضرت مولانا رشید احمدؒ جو جنگ آزادی میں بالفعل حصہ لے چکے تھے انہوں نے ایسے حالات میں اپنے آپ کو بہت کم نمایاں کیا، تاکہ ان کی وجہ سے اس مرکز علمی پر کوئی بار نہ آئے۔ اب سوچنے کی بات ہے کہ ان حالات میں اگر کسی نے اپنے آپ کو اس جنگ ۱۸۵۷ء میں کم سے کم ملوث بتایا اور یہ بھی اس وقت جب جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا تو کیا اسلام دشمن سے اس داؤ کھیلنے کی اجازت نہیں دیتا؟ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

اتفق العلماء علی جواز خداع الکفار فی الحرب کیف امکن الخداع الا ان یکون فیہ نقض عہد او لعان فلا یحل وقد صح فی الحدیث جواز الکذب فی ثلثۃ اشیاء احدھا فی الحرب۔[2]

---

[1] مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۴ [2] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۳

ترجمہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنگ میں کفار سے دھوکہ کرنا جس طرح بھی ہو سکے جائز ہے۔ ہاں اگر عہد باندھ چکے ہیں یا کسی کو امان دے چکے ہیں تو اس کا توڑنا جائز نہیں اور حدیث سے صحیح طور پر جن تین مقامات پر جھوٹ بولنے کا جواز (رخصت) ہے ان میں ایک (کافروں سے) جنگ بھی ہے۔

یہ کہنا کہ اکابر علماء نے اب رُخ ادھر (مدارس عربی کے قیام کی طرف) کیوں کر لیا تھا ۱۸۵۷ء کا پانسہ پلٹنے کے بعد اپنا اس جنگ میں حصہ لینا انگریزوں کو کیوں نہ بتایا اور خود پھانسی کے تختوں پر کیوں نہ چڑھے؛ یہ اسی بے وقوف کا کام ہو سکتا ہے جو کتاب و سنت کے ڈر سے بے نور اور عقل و ہوش سے کلیتہ بے شعور ہو۔ شریعت اس بلا مقصد جان دینے کو شہادت نہیں کہتی۔

پھر اس جنگ اور ناکامی کے بعد جب تک مسلمان پھر قوت نہ پکڑیں اور اپنی فوجی طاقت بحال نہ کر لیں کیا کوئی سر پھرا کہے گا کہ انہیں انگریزوں سے سر ٹکراتے ہی رہنا چاہیئے تھا۔ اس حکومت کو تسلیم کرنے میں کیا مسلمانوں پر اضطراری حالت نہ تھی؟ کیا اسی اضطراری حالت میں مسلمانوں نے آئندہ ایک موقع پر کابل ہجرت کرنے کا فیصلہ نہ کیا تھا؟ کیا ہندو لیڈر بھی جو انگریزوں کے خلاف لڑ رہے تھے عدم تشدد کی پالیسی پر نہ آ گئے تھے؟ ایسے وقت میں بعض علماء دیوبند کا یہ کہنا کہ ان کے اکابر فسادوں سے کوسوں دور تھے۔ کیا کسی تاویل کا متحمل نہیں ہو سکتا؟ اگر آپ اسے توریہ سمجھیں تو اس کے ایک دور کے معنی آپ کو خود نظر آ جائیں گے اور اس میں امام نووی کے فتویٰ پر عمل بھی ہو جائے گا۔

کیا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اُٹھنے والے مفسدین تھے؟ اگر نہیں تو پھر اس میں شامل ہونے والے اگر کہیں کہ وہ مفسدین کے ساتھ شریک نہیں ہوئے تو یہ جھوٹ کیسے ہو گا۔ ان حالات کو الفاظ سے نہیں ان الفاظ کے پیچھے جو حقیقتیں چھپی ہیں ان میں جھانک کر پڑھنا ہو گا۔

دھوکہ میں نقض عہد جائز نہیں

جنگی حالات میں کفار سے دھوکہ کرنے میں گناہ نہیں۔ مگر عقد وفا یا صلح کے بعد نقض عہد کسی صورت میں جائز نہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانان ہند ایک اضطراری حالت میں تھے اور سمجھ اس کے کہ وہ انگریزی

لہ

حکومت کو تسلیم کرلیں اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

اتفق العلماء علی جواز خداع الکفار فی الحرب کیف امکن الخداع الا ان
یکون فیہ نقض عہد او امان فلا تحل۔

اب مسلمان مذہبی طور پر پابند تھے کہ وہ حکومت کے وفادار ہیں۔ ہاں حکومت کا کوئی ایسا حکم ہو جو اسلام کے خلاف ہو تو مسلمان اس کے ماننے کے پابند نہ ہوں گے۔

لا طاعۃ المخلوق فی معصیۃ الخالق۔

حضرت شیخ الہند آزادی ہند کے لیے سوچ بچار تو کرتے رہے مسلمانوں میں جذبہ جہاد بھی بیدار کرتے رہے۔ انگریزوں سے رہائی پانے کی تدبیریں بھی کرتے رہے۔ ترکوں سے بھی مشورے کرتے رہے لیکن عملاً آپ نے عہد نہیں توڑا۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے اپنے وہ وعدے توڑ دیئے جو انہوں نے جنگ عظیم اوّل کے دوران مسلمان سے کئے تھے۔ اس پر حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقاء اور حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی تحریک خلافت اور ترک موالات میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان حضرات نے ہندوستان کے اس سیاسی مدوجزر میں شریعت کا دامن کسی وقت نہ چھوڑا۔ یہ حالات علماء دیوبند کے اندر کی خبر دے رہے ہیں کہ ان کا دل و دماغ کس قدر انگریزی حکومت سے متنفر اور دور تھا۔ اگر انہوں نے کبھی یہ کہا کہ ہم وفادار ہیں تو یہ بھی شرعی حدود میں اور اگر سامنے آگئے تو یہ بھی شرعی تقاضوں سے نقض عہد کی راہ سے ان حضرات سے جنگ نہیں لڑی۔

واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء ان اللہ لا یحب الخائنین۔ (پ الانفال ع ۷)

ترجمہ۔ اور اگر آپ کو کسی قوم سے دغا کا اندیشہ ہو تو پھینک دیں ان کی طرف ان کا عہد بے شک اللہ تعالیٰ دغا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

خدا تعصب کا ستیاناس کرے جب یہ کسی قوم کے دل و دماغ پر قبضہ کرلے تو اس کے لیے حق و انصاف کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ مولانا اسماعیل سلفی (گوجرانوالہ) کے اس سیاہی میں رنگین صاحبزادے لکھتے ہیں:۔

مولانا شیخ الہند کا ایک اپنا علمی مقام ہے ان کے سینکڑوں شاگرد ہیں جو ان کا سرمایہ ہیں لیکن وہ مجاہد نہ تھے نہ انہوں نے تمام عمر کبھی جہاد میں حصہ لیا۔[1]

اب پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی مطبوعات میں سے نمبر ۲۱ کی ایک پرانی تحریر پڑھیں اور خود فیصلہ

---

[1] علمائے دیوبند کا ماضی ص ۱۷۸

کرلیں، یہ تصریح تو دیوبند سے صادر نہیں ہوئی۔

> مولانا محمود الحسن جنگِ آزادی کے صفِ اوّل کے قائدین میں تھے مولانا محمود الحسن نے دارالعلوم دیوبند کو تحریکِ آزادی کا ایک اہم مرکز بنایا۔ مولانا مالٹا میں قید رہے۔ ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء کو رہا ہوئے۔ قوم نے "شیخ الہند" کا خطاب دیا۔[1]

دیوبند واقعی تحریکاتِ آزادی کا فکری مرکز بنا رہا۔ گو عملاً یہ ایک علمی درسگاہ تھی جہاں کے تعلیم یافتہ اپنی اپنی جگہ آزاد تھے۔ اس تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کو شیخ الہند کا خطاب دیوبند کے کسی جلسے میں نہ دیا گیا تھا۔ یہ پوری قوم کا ایک اقرار تھا اور یہ سیاسی سطح پر مسلمانانِ ہند کی سیاسی قیادت کا ایک نشان تھا۔ مگر تعصب کا کیا جائے انتقام کی آگ میں جلنے والے تاریخ میں ہمیشہ تاویل کرتے ہیں لیکن وہ اسے مسخ نہیں کر سکتے۔

یُوں سمجھئے علماءِ حق حالات کے تحت پھر ملکی زندگی میں داخل ہو چکے تھے۔ جہاں افراد کو تیار کرنا اور تعلیمی ذہن کی آبیاری وقت کا ایک سیاسی تقاضا تھا جس طرح معرکۂ بالاکوٹ کے بعد معرکۂ ۱۸۵۷ء جہاد کی دوسری کڑی تھی تحریکِ ریشمی رومال اور پھر تحریکِ خلافت یہ بھی اسی تسلسل کی کڑیاں تھیں اور ان میں ملی زندگی کا درس تھا۔

جو لوگ مدارس کے اس قیام یا بعض علماء کی اس پالیسی کو کہ وہ اپنے آپ کو ۱۸۵۷ء کی جنگ میں زیادہ ملوث نہ بتائیں اصل محاذ سے ہٹنا سمجھتے ہیں یا حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی یا حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ہجرت کرنے کو راہِ عمل سے فرار سمجھتے ہیں۔ وہ ایک جاہلی جذبے کا شکار ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ راہِ عزیمت کے مسافروں کو کبھی رستے میں چھپنا بھی پڑتا ہے۔ حضورؐ کا غارِ ثور میں چھپنا یا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا رجل یھدینی (یہ ایک شخص جو شخص مجھے رستہ دکھا رہا ہے) کہہ دینا کسی اعتقادی کمزوری کے باعث نہ تھا۔

شریفِ مکہ کی بغاوت کے بعد ترکی خلافت کو بڑا نقصان پہنچا۔ اس وقت شیخ الہندؒ کی ریشمی رومال کی تحریک ناکام ہو چکی تھی۔ ایسے حالات میں حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ اور مدرسہ دیوبند کی انتظامیہ کا حکومت سے حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی کا مطالبہ کرنا یہ کوئی ناجائز بات نہ تھی۔ دینی بصیرت نہ رکھنے والے معترض اسے کمزوری کہہ سکتے ہیں لیکن اس حقیقت پر نظر رکھنے والا معترض اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے رہائی کے فوراً بعد اپنے آپ کو تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے محاذ پر لا کھڑا کیا۔ یہاں تک کہ آپ اسی حال میں سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔ اب کہئیے یہ پسپائی تھی یا پنجہ آزمائی۔ ہاں بدنیت کو غلط بات کہنے سے روکا نہیں جا سکتا۔

---

[1] ص ۲۷۴

اگر آپ اس جاہلی جذبے سے کہ لوگ یہ نہ کہیں آپ انگریزی عملداری میں ہندوستان کیوں واپس آ گئے مالٹا ہی میں کیوں قید نہ رہے. وہیں پڑے سڑتے رہتے. تو ظاہر ہے کہ آپ اس میں ہندوستان کی اگلی جدوجہد آزادی میں حصہ نہ لے سکتے تھے.

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے (اقبال)

قوموں کی تاریخ میں مجموعی رفتار عمل دیکھی جاتی ہے. حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے دارالعلوم دیوبند قائم کر کے اپنی سیاسی فکر کو ترک نہیں کیا. حضرت شیخ الہندؒ جیسے شاگرد بنائے. حضرت شیخ الہندؒ نے تحریکوں کے زخم کھانے کے بعد اپنی سیاسی فکر کو ترک نہیں کیا. حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے مجاہد میدان میں لا کھڑے کیے. حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے مایوسی کو قریب نہیں آنے دیا. حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ جیسے ارباب عزیمت اس موڑ پر کھڑے کر دیئے.

تحریک پاکستان میں بھی دینی طبقے کی قیادت علماء دیوبند کے ہاتھ میں رہی. پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں اسلامی دستور کی صدائے بازگشت کہاں سے سُنی گئی؟ علماء دیوبند سے ——— پھر پاکستان میں اسلام اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے یہاں کے دینی طبقوں کی قیادت کن علماء نے کی. مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہوں یا محدث العصر مولانا یوسف بنوریؒ یہ سب حضرات حضرت شیخ الہندؒ کے باغ کے ہی مہکتے مہکتے پھول تھے مولانا ابوالحسنات قادری کو تحفظ ختم نبوت پر کون لوگ لائے؟ یہ صورت حال پتہ دیتی ہے کہ اکابر علماء دیوبند کا مدارس کھولنا یا حضرت شیخ الہندؒ کا مالٹا سے ہندوستان آ جانا یہ کوئی گریز پائی نہ تھی یہ قدموں کا وہ تسلسل عمل اور انداز حکمت ہے جس سے ارباب عزیمت گزرا ہی کرتے ہیں.

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

آزادی حاصل کرنے میں اگر سو دو سو سال لگ جائیں اور سب ہی محاذ پر کام کرتے رہیں تو اس دوران مرنے والوں اور ان کی نسلوں کو مسلمان رکھنے کی ذمہ داری کس طرح ادا ہوگی؟ موت کسی وقت اور کسی تحریک کی کامیابی کا انتظار نہیں کرتی. دین فطرت وہ ہے جو ہر حال میں کسی نہ کسی درجے میں چل سکے. اگر سب علماء ایک محاذ آزادی پر جمع ہو جائیں اور تسلسل لمبا ہوتا جائے تو عام لوگوں کے اسلامی عقائد کے تحفظ اور ان کی اسلامی قدروں کے تحفظ

واستحکام پر کون محنت کرے گا. مولانا احمد رضا خاں نے انگریزی حکومت کی مخالفت اس لیے نہ کی کہ وہ عشق مصطفےٰ پر محنت کرتے تھے اور فتاوے لکھتے تھے تاکہ حکومت کے مسلمان افسر اور سیاسی امور میں حصہ نہ لینے والے مسلمان اپنے ایمان وعمل کو بچا سکیں.

جواب: انگریزوں کی مخالفت نہ کرنا اور دینی کاموں میں لگے رہنا یہ اور بات ہے اور انگریزوں کی حمایت کرنا اور تحریکات آزادی کی مخالفت میں آجانا یہ امر دیگر ہے. تاریخ مولانا احمد رضا خاں کو اس طبقے میں نہیں رکھتی جنہوں نے کبھی انگریزوں کی مخالفت نہ کی بلکہ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہے جنہوں نے علی الاعلان دینی مدارس کے لیے انگریزوں سے گرانٹ لینے کو جائز کہا اور تحریک ترک موالات کو ناجائز بتلایا.

سیاست سے ہٹ کر جو حضرات اس دینی محنت پر لگے رہے ان میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلویؒ کی دینی محنت اور مخلصانہ کردار ایک نہایت بلند پایہ اور مثبت دینی محنت ہے. اس سے کون واقف نہیں. پاکستان میں اوپر کے سرکاری افسران اور معروف کاروباری حضرات کے دینی تحفظ کے لیے ان حضرات کی محنتوں نے تاریخ میں نہایت روشن نقوش چھوڑے ہیں. ہم اس بحث کو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی اس غیر جانبدار شہادت پر ختم کرتے ہیں.

> دیوبندی علماء کرام نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نزدیک دارالعلوم کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد ملت اسلامیہ کو جہاد آزادی اور ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کے لیے تیار کیا جائے. آزادی ہند کے لیے ریشمی رومال کی تحریک شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی ہی نے منظم کی تھی ـــــ تحریک خلافت میں بھی ان علماء نے بڑا حصہ لیا.[1]
>
> اور بریلویوں کے بارے میں لکھا ہے:
>
> ایک گروہ جو فکر وعقائد میں احمد رضا خاں قادری کو اپنا پیشوا تسلیم کرتا ہے. تاریخی اعتبار سے یہ گروہ ..... علماء دیوبند کی تحریک کے رد عمل کے طور پر وجود میں آیا ہے.[2]

اگر علماء دیوبند انگریزوں کے خلاف نہ تھے، تو کیا ضرورت تھی کہ انگریز حکمران ان کے رد عمل میں کسی گروہ کو کھڑا کرتے. آپ اس پر خود غور کریں ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی.

---

[1] دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۹ صفحہ ۶۲۴ طبع ۱۳۸۹ھ ۔ ۱۹۶۹ء [2] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۴۸۵

علماء دیوبند کی دوسری لائن جو مدارس میں کتاب و سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دے رہی تھی یہ بھی وقت کی ایک شرعی ضرورت تھی اور یہ انہی کی محنتوں کا ثمرہ ہے کہ انگریز اپنے اس طویل دور حکومت کے باوجود برصغیر پاک و ہند سے اسلام کو ختم نہ کر سکا۔ سو کسی رپورٹر کی یہ رپورٹ کہ دیوبند کے تعلیم یافتہ آپس میں منظم نہیں ہیں اور یہ مدرسہ مدرسے کی حیثیت سے حکومت کے خلاف نہیں۔ کوئی ایسی بات نہیں جس پر مرزا غلام احمد قادیانی یا مولانا احمد رضا خاں کے پیرو خوشیاں منائیں کہ کوئی اور بھی ہم میں آملا ہے۔

پھر مسٹر پامر یہ رپورٹ کہ مدرسہ دیوبند سرکار کے خلاف نہیں خود دارالعلوم میں بیٹھ کر لکھ رہا ہے اور عام معائنہ کی کتاب میں لکھ رہا ہے۔ یہ کوئی رازدارانہ نیازمندی نہیں۔ ظاہرداری میں رواداری کا یہی انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ ہاں انگریز حکام کی اکابر دیوبند کے بارے میں اصل رائے وہی تھی جسے وہ اپنے ہاں جا کر لکھتے تھے اور اس پر اپنے اعلیٰ حلقوں میں وہ اعتماد کرتے تھے۔

ہنٹر اپنی کتاب ہندوستانی مسلمان Indian Muslims میں لکھتا ہے۔

ہمیں اپنے اقتدار کے سلسلہ میں مسلمان قوم کے کسی گروہ سے خطرہ نہیں اگر خطرہ ہے تو مسلمانوں کے ایک مختصر گروہ وہابیوں سے۔ کیونکہ صرف وہی ہمارے خلاف جدوجہد میں معروف ہیں[1]

یاد رہے کہ انگریزوں کے ہاں لفظ وہابی سے غیر مقلد لوگ مراد نہ لیے جاتے تھے۔ ان کے ہاں وہابیوں کے سرخیل حضرت سید احمد شہیدؒ تھے جو حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے پیرو مرشد ہیں۔ ان کے بارے میں ہنٹر کی زبان ملاحظہ ہو۔

وہ اپنی گذشتہ سوانح حیات کو جو بحیثیت ایک قزاق کے گزری تھی حاجی کے لباس میں چھپا کر اگلے سال اکتوبر میں بمبئی گیا[2]

اور Hughes ہیوگیس لفظ وہابی کے تحت ڈکشنری آف اسلام میں لکھتا ہے۔

وہ پچھلے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے مکہ حج کرنے گیا۔ وہاں ان وہابی مبلغین کے زیر اثر آگیا جو حاجیوں میں خفیہ طور پر وہابیت کی اشاعت کر رہے تھے۔

آپ دیکھیں حضرت سید احمد شہیدؒ پر کس حکمت سے لفظ وہابی اتارا جا رہا ہے۔ حالانکہ ان کا حنفی ہونا

---

[1] ہمارے ہندوستانی مسلمان صہ ۲۲ [2] ہمارے ہندوستانی مسلمان صہ ۴۲
[3] ڈکشنری آف اسلام لفظ وہابی

کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اپنے مسلک کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں:۔

ایں فقیر و خاندان ایں فقیر در بلاد ہندوستان گمنام نیست الوف الوف انام از خواص و عوام ایں فقیر و اسلاف ایں فقیر را مے دانند کہ مذہب ایں فقیر اباً عن جدٍ حنفی است و بالفعل ہم جمیع اقوال و افعال ایں ضعیف بر قوانین اصول حنفیہ و آئین ایشاں منطبق است [۱]

ترجمہ۔ یہ فقیر اور اس کا خاندان ہندوستان میں غیر معروف نہیں۔ عوام و خواص لاکھوں آدمی مجھے اور میرے اسلاف کو جانتے ہیں کہ اس فقیر کا مسلک باپ دادا سے حنفی چلا آرہا ہے اور عملاً بھی اس عاجز کے تمام اقوال و افعال حنفی قوانین اور ان کے طریقے کے مطابق ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے دوسرے ساتھی حضرت مولانا عبدالحی دہلویؒ تھے ان پر بھی وہابی ہونے کا الزام تھا۔ ۱۲۳۳ھ میں ان سے ان کے مسلک کے بارے میں مختلف سوالات کئے گئے اور آپ نے ان کے جوابات دیئے۔ ان میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

قیاس را معتقدم و در قیاسات و اجتہادات مقلد مذہب حنفی ام [۲]

ترجمہ۔ (جب کتاب و سنت کی نص نہ ملے تو) میں قیاس فقہی پر یقین رکھتا ہوں اور ایسے اجتہادی مسائل میں فقہ حنفی کی تقلید کرتا ہوں۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ ایسے مقلد نہ تھے کہ کسی اور دلیل پر غور کرنے تک کے لیے بھی تیار نہ ہوں آپ حضرت امام طحاویؒ کی پیروی میں ایک بلند پایہ محقق تھے۔

من بمذہب حنفی مثل طحاوی در کرخی ام باسناد صحیح کار بندے شوم نہ مثل حاطب اللیل بانبوہم [۳]

ان تصریحات سے واضح ہے کہ انگریز مسلمانوں کے جس گروہ کو وہابی کہہ کر اپنے لیے خطرہ سمجھتے تھے وہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں جانوں کی بازی لگانے والے لوگ تھے۔ یہ لفظ اس ماحول میں غیر مقلدین کے لیے خاص نہ تھا۔ یہ اکابر شہدائے بالاکوٹ سب مقلد تھے۔

۱۔ مکاتیب سید احمد شہید ص۱۱ ۲۔ الصراط الہیمت ص۲ طبع ۱۳۰۷ھ مطبع احمدی ۳۔ دیکھئے اشاعۃ السنہ جلد ۱۲ شمارہ ۲ ص۱۴۸

انگریز مؤرخ ڈاکٹر اسٹارڈ Stuard حضرت کو وہابی کہتے ہوئے لکھتا ہے۔

شمالی ہند میں ایک وہابی جانباز سید احمد نے پنجابی مسلمانوں کو ابھار کر حقیقتہً ایک مذہبی سلطنت قائم کرلی۔ مگر ان کی ناگہانی موت سے شمالی ہند میں وہابی تحریک ختم ہو جاتا رہا۔ اس سلطنت کو سکھوں نے ۱۸۳۱ء میں برباد کیا لیکن جب انگریزوں نے اس ملک کو فتح کیا تب وہابی عقائد کی سلگتی ہوئی چنگاریوں نے بہت کچھ پریشان کیا یہ خیالات عرصہ تک باقی رہے اور اسباب غدر میں ممد ہوئے اور انہی عقائد نے افغانستان اور شمال مغربی سرحد کے وحشی قبائل کو ہمیشہ کے لیے مذہبی تعصب میں رنگ دیا[۱]

غیر مقلدین اس لفظ وہابی سے سخت تنگ تھے۔ وہ حکومت کو بار بار باور کراتے کہ ہم وہابی نہیں ہیں۔ وہابی مقلدین ہیں اور ہم غیر مقلدین ——— لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اب تک یہ لفظ ان سے ہٹ نہیں سکا۔ مشہور اہلحدیث بنگ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں۔

اور سچ تو یہ ہے کہ وہابی ہونا عبارت ہے مقلد مذاہب خاص ہونے سے۔ کیونکہ پیشوا وہابیوں کا محمد بن عبدالوہاب مقلد مذہب حنبلی تھا اور تابعین حدیث کسی ایک کے مذاہب مقلدین میں مقلد نہیں۔ بس وہابیہ اور اہل حدیث میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔[۲]

مشہور اہلحدیث عالم مولانا عبدالمجید سوہدروی بھی رقمطراز ہیں۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ کے ذریعہ اہلحدیث کی بہت خدمت کی لفظ وہابی آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا۔ اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے منسوب کیا گیا۔[۳]

ان تفصیلات کی روشنی میں ہنٹر کا یہ کہنا کہ انگریزی حکومت کو خطرہ صرف اسی جماعت سے ہے تو اس سے مراد ہزارہ کے یہی مجاہدین ہیں جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی قیادت اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی معیت میں آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے غیر مقلدین ان دنوں موحدین ہند کہلاتے تھے۔ وہابی کا ٹائٹل انہی جانبازان ہزارہ کے

---

[۱] ... [۲] ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۰ [۳] سیرت ثنائی صفحہ ۳۷۲

نام تھا. نواب صدیق حسن خاں صاحب انگریز ملک کے ہاں اپنی برئیت ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

> گورنمنٹ ہند کے دیگر فرقِ اسلام نے یہ دلنشین کر دیا ہے کہ فرقہ موحدین ہند مثل وہابیان ملک ہزارہ ایک بدخواہ فرقہ ہے اور یہ لوگ (موحدین ہند) ویسے ہی دشمن و فسادی ملک گورنمنٹ برٹش ہند کے ہیں جیسے کہ دیگر شریہ اقوام سرحدی (مجاہدین بالاکوٹ وغیرہ) بمقابلہ حکومت ہند سوچا کرتے تھے[1]

مجاہدینِ ہزارہ سکھوں کے خلاف کس عزم سے نکلے تھے

حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ گو براہِ راست سکھوں کے مقابلہ میں میدانِ جہاد میں آئے تھے. لیکن یہ بات کسی ہوشمند سے مخفی نہیں کہ ان دونوں سکھ اور انگریز ایک دوسرے کے حلیف تھے حریف نہ تھے. انگریزوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور وہ اپنا اصل دشمن مسلمانوں کو ہی سمجھتے تھے اور سکھوں نے بھی پنجاب مسلمانوں ہی سے لیا تھا. اس ناطے انگریز اور سکھ دونوں مسلمانوں کے حریف تھے. مجاہدینِ بالاکوٹ گو اولاً سکھوں کے مقابلہ میں نکلے تھے لیکن ان کا عزم ان دونوں سے وطن آزاد کرانا تھا.

حضرت سید احمد شہیدؒ کے خطوط جو آپ نے مختلف سرداروں اور فرمانرواؤں کو لکھے اور انہیں ہندوستان کا حال زار بتلا کر اس آگے بڑھتے ہوئے فتنہ سے انہیں ڈرایا، وہ چھپ چکے ہیں. ان میں وہ خط بھی ہے جو آپ نے شاہِ بخارا کے نام لکھا اور اسے اپنے تعاون کے لیے آمادہ کیا. اس میں آپ نے لکھا کہ ہندوستان اب دار الحرب ہو چکا ہے اور انگریز نہایت خطرناک شاطرانہ چال سے آگے بڑھ رہے ہیں. انہیں روکنا چاہیئے. آپ لکھتے ہیں :-

> کفار فرنگ کہ بر سر ہندوستان تسلط یافتہ اند نہایت تجربہ کار و ہشیار و حیلہ باز و مکار اند. اگر بر اہلِ خراسان بیائند بہ سہولت تمام جمیع بلاد آنہا را بدست آرند باز حکومت آنہا بولایت آنجناب متصل گردد و اطراف دار الحرب بہ اطراف دار الاسلام متحد شود[2]

ترجمہ. انگریز کفار جو ہندوستان پر غلبہ پا چکے ہیں بہت تجربہ کار ہشیار، حیلہ باز اور مکار

---

[1] ترجمان وہابیہ صلا [2] مکاتیب سید احمد شہید ص۲۵

ہیں. اگر اہل خراسان کے پاس آئیں تو بہت آرام سے ان کے تمام علاقے اپنے قبضے میں
لے لیں پھر ان کی حکومت آپ کی مملکت تک بھی جا پہنچے گی اور دار الحرب اور دار الاسلام
کے کنارے باہم جا ملیں گے۔

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سید احمد بریلویؒ اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا نظریہ انگریزوں
کے بارے میں کیا تھا. جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات صرف سکھوں کے خلاف تھے. انگریزوں کے خیر خواہ
تھے. ان کی یہ سوچ حقیقت سے بہت دور ہے. نہایت افسوس ہے کہ اس فکری کشمکش میں ان لوگوں
نے اس خط میں بھی تحریف کر دی اور کفار فرنگ کی بجائے کفار دراز مویاں (لمبے بالوں والے کافر یعنی سکھ)
اور ہندوستان کی بجائے پنجاب لکھ دیا اور عبارت یوں بنا دی :۔

کفار دراز مویاں کہ بر ملک پنجاب تسلط یافتہ اند[1]

دین کی معمولی بصیرت رکھنے والا جانتا ہے کہ مسئلہ جہاد میں لمبے بالوں کا کوئی دخل نہیں کافر لمبے
بالوں والے ہوں یا چھوٹے بالوں والے حکماً سب ایک سے ہیں. یہ کوئی وجہ فارق نہیں جو یہاں ذکر کی گئی
ہے. پھر تاریخ گواہ ہے کہ سکھوں کو کبھی تجربہ کار اور عقلمند وہشیار نہیں کہا گیا. بس یہ عبارت اپنے سباق
سے بتا رہی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے۔

حضرت سید احمد بریلویؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خطوط میں ایک اور جگہ انگریزوں کا یہ ذکر ملتا ہے۔

نصاریٰ نکوہیدہ خصال و مشرکین بد مآل بر اکثر بلاد ہندوستان از لب دریائے اباسین
تا ساحل دریائے شور کہ تخمیناً شش ماہ راہ باشد تسلط یافتند و دام تشکیک و تزویر
بنا بر اخمال دین رب خبیر بر بافتند و تمامی آں اقطار بہ ظلمات ظلم و کفر مشحون
گردانیدند[2]

ترجمہ. بد خصلت انگریز اور بد انجام مشرک ہندوستان کے بیشتر علاقوں پر دریائے
اباسین سے ساحل دریائے شور تک کہ تقریباً چھ ماہ کے سفر کا فاصلہ ہوگا قابض ہو چکے
ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کو پامالی کے لیے تشکیک و فریب کا جال بُن چکے ہیں یہ تمام
علاقے ظلم و کفر کی تاریکیوں سے بھر چکے ہیں۔

---

[1] تواریخ عجیبہ صفحہ ۱۴۵ [2] مکاتیب سید احمد شہید صفحہ ۲ جانب اول

یہاں مشرکین اور نصاریٰ کی دونوں کا ذکر بڑی صراحت سے موجود ہے۔ افسوس کہ اس عبارت کو بھی ان لوگوں نے یُوں بدل دیا:۔

سکھان بکوہیدہ خصال دمشرکین بدمآل براکثر اقطاع غربی ہندوستان ... تسلط یافتند۔[1]

ترجمہ: بدخو سکھ اور بدانجام مشرکین ہندوستان کے بیشتر غربی علاقوں پر قبضہ پا چکے ہیں۔

یہاں اکثر اقطاع غربی ہندوستان کے الفاظ محض اس لیے لائے گئے کہ پنجاب کی طرف اشارہ ہو سکے، اور انہیں کسی نہ کسی طرح سکھوں سے متعلق کیا جا سکے۔ ورنہ اصل الفاظ اکثر بلادِ ہندوستان تھے۔

تحریک کا رُخ انگریزوں سے ہٹانے کی کوشش

تواریخ عجیبہ میں اس تحریک کا رُخ انگریزوں سے ہٹانے اور اسے صرف سکھوں تک محدود رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تحریف خود تواریخ عجیبہ کے مصنف سے سرزد ہوئی۔ یا کسی اور نے دیدہ و دانستہ اسے ان کی کتاب میں جگہ دے دی۔ اور کسی سیاسی مصلحت یا اختلاف عقیدہ کے باعث یہ مضامین بدلے گئے۔ یہ اس وقت موضوع بحث نہیں۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ تحریف ضرور ہوئی۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی اپنی تحریرات تواریخ عجیبہ کی نقل سے بدرجہا زیادہ معتبر ہیں۔ وہ خود صاحب واقعہ ہیں اور تواریخ عجیبہ ان کے کافی بعد کی تالیف ہے۔ ہاں اس سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ شہداء بالاکوٹ کی تحریرات شروع سے ہی مخالفین کا تختۂ مشق بنی رہی ہیں اور وہ ان میں لفظی و معنوی تحریف کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

امیر تحریک حضرت سید احمدؒ کے ایک مرید شیخ غلام علی الٰہ آباد رہتے تھے۔ یہ حضرت سید صاحبؒ کے ساتھ جہاد میں نہ گئے تھے۔ سید جعفر علی نقوی جہاد کو جاتے ہوئے انہیں رستے میں ملے تھے۔ شیخ غلام علی مرحوم نے اس ملاقات میں سید جعفر علی صاحب سے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تھا۔

اب ہماری نظر اس لشکر اسلام کی فتح پر لگی ہوئی ہے اور ہماری معاش کی اصلاح بھی اسی پہ موقوف ہے۔[2]

الٰہ آباد پنجاب میں نہیں ہندوستان میں ہے۔ حضرت سید احمدؒ کی تحریک جہاد سے الٰہ آباد کے حالات کی اصلاح صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کے پیش نظر پنجاب پر قبضہ پانے

---

[1] تواریخ عجیبہ ص۱۸۹، ص۱۹۰ [2] منظورۃ السعداء فی حول الغزاۃ والشہداء۔ مصنفہ سید جعفر علی ۱۲۸۸ھ

کے بعد پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانا اور بلادِ اسلام کو پھر مسلمانوں کے قبضے میں لانا ہو. حضرت سید احمد شہیدؒ شاہزادہ کامران کے نام ایک خط میں تصریح کرتے ہیں:۔

مقصود اصلی خود اقامتِ جہاد بر ہندوستان است نہ توطن در دیار خراسان[1]

ترجمہ: ہمارا اصلی مقصد پورے ہندوستان پر لشکر کشی ہے نہ کہ دوسرے علاقہ کو وطن بنا کر بیٹھ رہنا.

پھر ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:۔

بس ایں قدر ضروری است کہ بلادِ ہندوستان از اصل دار الحرب نیست بل کفرہ ہندو فرنگ بالفعل برآں مسلط گردیدہ پس استخلاص بلاد مذکور از دست آنہا بر ذمہ جماہیر اہل اسلام عموماً و مشاہیر حکام خصوصاً واجب. ایں فقیر بقدر استطاعت خود کوشش مے نماید آنجناب را لازم کہ بقدر طاقت خود سعی فرمائید[2]

ترجمہ: بس اتنی بات ضروری ہے کہ ہندوستان بنیادی طور پر دار الحرب نہیں. بلکہ بات یہ ہے کہ ہندوستان کے کفار (ہندو اور سکھ) اور انگریز عملاً اس پر قابض ہو گئے ہیں پس جمہور اسلام پر عموماً اور معروف مسلم حکمرانوں پر خصوصاً واجب ہے کہ ہندوستان کو ان لوگوں کے ہاتھوں سے آزاد کرائیں (یعنی اس طرح سے یہ دار الحرب ٹھہرتا ہے) یہ فقیر اپنی ہمت کے مطابق کوشش کرتا ہے. آنجناب پر بھی لازم ہے کہ اپنی ہمت کے مطابق کوشش فرمائیں.

اس خط میں آپ نے صراحت سے انگریزوں کو غاصب قرار دیا ہے اور ان سے ملک کو آزاد کرانا اپنا نصب العین قرار دیا ہے. ہندوستان کی کافر قومیں (سکھ وغیرہ) انگریزوں کی حلیف تھیں. اس لیے آپ نے انہیں ایک ہی صف میں شمار کیا ہے.

مولانا اسماعیل شہیدؒ نے میر شاہ علی کے نام جو خط لکھا وہ بھی ان مکاتیب میں موجود ہے. مولانا شہیدؒ بھی سکھوں اور انگریزوں کو ایک ہی صف قرار دیتے ہیں:۔

کسے از کفار سکھ و فرنگ ہم ادعای ایں قبائح در ذات آنجناب نے تواند کرد[3]

---

[1] مکاتیب سید احمد شہیدؒ ص۹۱ جانب دوم [2] مکاتیب ص۵۱ جانب دوم [3] مکاتیب ص۴۵ جلد اول

ترجمہ سکھوں اور انگریزوں میں سے کوئی بھی آنجناب کے بارے میں اس قسم کی برائیوں کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

ان تحریرات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اس حضرات کے پیشِ نظر پورے ہندوستان کی آزادی تھی سکھ اور انگریز ان کے مقابل کی صف میں تھے سکھوں کے بعد ان کا عزم ہندوستان کی طرف بڑھنے کا تھا۔ پس جن لوگوں نے اس تحریک کو صرف سکھوں تک محدود سمجھا۔ انہوں نے حالات کا تجزیہ کرنے میں بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ سب سے پہلے یہ خیال سر سید احمد خاں نے ظاہر کیا تھا مگر واقعات اس تاویل کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ قوم کا ذہن انگریزی اقتدار کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور شہداء بالاکوٹ کو محدود اسلامی نظریہ کے الزام میں بدنام کیا جا سکے۔ حق یہ ہے کہ ان حضرات کا رویہ پوری حکومتِ برطانیہ کے خلاف تھا اور وہ حسنِ تدبیر سے پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانے کی اسلامی فکر میں تھے اور یہ تحریک صحیح معنوں میں ایک اسلامی جہاد تھا۔

شیخ الہند کی ریشمی رومال کی تحریک کا جو ریکارڈ لندن کے انڈیا آفس سے حال ہی میں عام ہوا ہے اس میں برطانوی حکومت کے پولٹیکل نمائندے مسٹر وی میان کا بیان بھی اس تحریک کی پوری تائید کرتا ہے۔

> مجاہدین یہ نام ہندوستان کے متعصب وہابیوں کی ایک بستی کے رہنے والوں کو دیا گیا ہے جو آزاد علاقہ میں یوسف زئی قبائل کے درمیان ہے۔ یہ بستی ۱۸۲۴ء میں وہابی لیڈر سید احمد شاہ بریلوی نے قائم کی تھی۔ اس وقت سے اس کے اراکین کا رویہ حکومتِ برطانیہ کے ساتھ خصومت اور جنگ کا ہے۔[1]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انگریزی سیاست میں ان دنوں ان تمام مجاہدین ہزارہ کو وہابی کہا جاتا تھا اور یہ لفظ غیر مقلدین سے خاص نہ تھا۔ سربراہِ تحریک حضرت سید احمد شہیدؒ حنفی المذہب تھے ہم اپنے عزیز محترم علامہ احسان الٰہی ظہیر سلمہ ربہ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ ہنٹر کی اس بات کو کہ انگریزوں کو خطرہ صرف وہابیوں سے ہے غیر مقلدین پر منطبق کیا جائے۔ انہوں نے البریلویہ میں یہاں یہ چھ نام بتلائے ہیں۔ مولانا جعفر تھانیسری، مولانا عبدالرحیم، مولانا عبدالغفار، مولانا یحییٰ علی، مولانا احمد اللہ اور مولانا نذیر حسین۔

یہ حضرات تحریک بالاکوٹ کے ارکان نہیں نہ وہابیانِ ہزارہ میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ انہیں تو ۱۸۵۷ء

---

[1] ریشمی خطوط سازش کیس ص ۱۶۵

کے واقعات میں ذکر کیا جاتا ہے۔ تحریک بالاکوٹ میں مقلدین اور غیر مقلدین کی کوئی بحث نہ تھی۔ قائد تحریک کھلے طور پر حنفی تھے معلوم نہیں علامہ احسان الٰہی ظہیر نے انہیں وہابیوں میں کیسے لکھ دیا ہے ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔

جہاد بالاکوٹ اگر صرف سکھوں کے خلاف ہی ایک فوجی کارروائی تھی اور اس سے پورے ہندوستان کو انگریزوں سے پاک کرنے کا پروگرام نہ تھا تو حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے بیعت کنندگان جہاد ان کی شہادت کے بعد وہاں پھر سے فوجی کیمپ نہ لگاتے اور مسلسل گوریلا جنگ نہ لڑتے۔ ان مجاہدین کی یہ گوریلا جنگ انگریزوں کے خلاف تھی؛

سکھ حکومت کے پنجاب سے جانے کے بعد بھی مجاہدین کا یہ فوجی کیمپ وہاں لگا رہا اور جب بھی تحریک آزادی کی کوئی لہر اٹھی یہ مجاہدین اس کے پر وبازو بنے۔ ان کی یہ جد وجہد اگر انگریزوں کے خلاف نہ تھی تو آخر کن کے خلاف تھی—— پاکستان بننے کے وقت تک یہ فوجی کیمپ لگا رہا۔ ۱۹۴۷ء میں مولوی فضل الٰہی اس کیمپ کے سربراہ تھے۔

پھر یہ جہاد بالاکوٹ اگر انگریزوں کی آنکھوں کا کانٹا نہ تھا جو آخر تک ان کی آنکھوں میں چبھ رہا تو سلطنت برطانیہ نے یہاں مسلمانوں کو آپس میں تقسیم کرنے میں اپنی عافیت کیوں سمجھی۔ لڑاؤ اور اپنا کام چلاؤ یہ کن کی پالیسی تھی؛ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ انگریزوں کا سیاسی سنگ میل تھا جس کے سائے میں وہ آگے بڑھتے تھے۔

انگریز مؤرخ P. Hardy پی ہارڈی لکھتا ہے:۔

The followers of Syed Ahmad Barelvi continued to maintain an active guerrilla war on the North West Frontier in the region of Black mountain. p.173. The Ulama were a potential political force and that it was necessary to divide them politically from the supporters of Syed Ahmad Brelvi p.174.

ترجمہ۔ سید احمد بریلوی کے پیروؤں نے (ہندوستان کی) شمال مغربی سرحد پر سیاہ پہاڑوں کے دامن میں کھلی گوریلا جنگ مسلسل جاری رکھی ص۱۷۳

اب بھی علماء یہاں ایک مضبوط سیاسی قوت تھے اور (حکومت برطانیہ کے لیے) ضروری ہو گیا تھا کہ سید احمد کی حمایت میں انہیں آپس میں سیاسی طور پر مختلف کر دیا جائے۔ ص۱۷۴

(میسٹن) کی نرم حکمتِ عملی کے باعث ۱۹۱۶ء میں کچھ علماء جنگِ عظیم
اوّل کے دوران برٹش گورنمنٹ کے خلاف ففتھ کالم کارکردگی (اندرونی مخالفت)
میں لگ گئے۔ دیوبند کے ایک چوٹی کے عالم شیخ الاسلام محمود حسنؒ ۱۹۱۵ء میں حجاز روانہ
ہوئے۔ تاکہ وہاں ترکوں سے رابطہ قائم کریں۔ وہاں آپ نے انور پاشا اور جمال پاشا
سے ملاقاتیں کیں مگر وہاں شریف حسین (شاہ حسین اُردن کے پر دادا) کے ایجنٹوں نے
جب وہ ترکوں کے خلاف بغاوت میں اُٹھے تھے آپ کو گرفتار کر لیا اور انہیں انگریزوں
کے حوالے کر دیا، جنہوں نے آپ کو مالٹا میں قید رکھا۔ آپ کے ساتھیوں میں ایک مولانا
عبید اللہ سندھیؒ افغانستان گئے اور وہ وہاں جرمنوں اور ترکوں کے سیاسی ایجنٹوں سے
ملے تاکہ شمال مغرب میں آزاد قبائل کو سلطنتِ برطانیہ کے خلاف بھڑکایا جا سکے۔

Despite Meston's complancency in 1915 some Muslims from among the Ulama did engage in fifth column work against the British during the war of 1914-18. A leading Alim belonging to Deoband Mahmud-al-Hasan Sheikh al-Islam (1851-1920) left for the Hijaz in 1915 in order to contact with Turks. After meeting with Enwar Pasha (1881-1922) and Jamal Pasha (1861-1922) he was detained by Shareef Hussain's men when they rose in revolt against the Turks and handed over to the British who interred him in Malta between (1917-1920).

The Muslims of British India, p.186.

One of his aids Maulana Ubaidullah Sindhi went to Afghanistan and worked with German and Turkish agents there to stir up the Tribeemen against the British in the North Frontier.

ibid p.187.

یہ ایک انگریز ہی کے قلم سے دو دیوبندی عالموں کا کردار آپ دیکھ پائے ہیں۔ اب ان کے مقابل دو بریلوی
مولویوں کا سیاسی کردار بھی دیکھیں۔ اب مولانا عبد الحامد بدایونی اور مولانا عبد الماجد بدایونی آپ کے سامنے
آتے ہیں ــــ یہ کس طرح انگریزوں سے امداد لیتے رہے۔ ان کا ہی (انگریزوں کا) ایک مؤرخ اب اس راز کو
طشت از بام کرتا ہے۔ نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا
پی ہارڈی P. Hardy لکھتا ہے:۔

For their activities the brothers, Abdul Hamid and Abdul Majid were well rewarded by the government. Medals denoting the title of Shams-ul-Ulama dangled from their turbans, while for his anti-khilafat work Abdul Majid was one of the most rewarded men in the province. At a provincial durbar in 1922, he received from Harcourt Butler both a robe and a sword of honour.

The Muslims of British India, p.272

ترجمہ۔ مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا عبدالماجد بدایونی کو حکومت (برطانیہ) کی طرف سے خاصی امداد ملتی تھی ــــ ان کی (دستاری رنگ کی) پگڑیوں میں شمس العلماء کے تمغے لٹکے ہوتے۔ مولانا عبدالماجد اپنی خلاف خلافت سرگرمیوں کے باعث اپنے پورے صوبے میں سب سے زیادہ (انگریزوں کی) مراعات یافتہ تھے۔ ۱۹۲۲ء میں ہارکورٹ بٹلر نے آپ کو ایک کھلے صوبائی دربار میں خلعتِ فاخرہ دی اور ایک تلوار کا اعزاز بخشا۔

مولانا احمد رضا خاں ۱۹۲۱ء میں فوت ہو چکے تھے۔ اس لیے انہیں اس دربار میں بلایا نہ جا سکا۔ نہ آپ اس موقعہ پر کوئی انعام پا سکے۔ ورنہ آپ کی بھی تحریک خلافت کے خلاف سرگرمیاں ان حضرات سے کچھ کم نہ تھیں۔ آپ نے اس موضوع پہ کہ ترک شرعاً خلافت کے اہل نہیں، ایک مستقل کتاب دوام العیش لکھی تھی اور مولانا عبدالماجد اور مولانا عبدالحامد انہی کی رہنمائی میں آگے بڑھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں مولانا عبدالماجد کو متلنڈر (بہ تکلف لیڈر بننے والا) لکھتے ہیں۔ کیونکہ تحریک خلافت کی مخالفت کا اصل لیڈر وہ اپنے آپ کو سمجھتے تھے کسی اور کو وہ کیسے تسلیم کرتے اور انگریزوں کی نظر میں کوئی دوسرا کیوں نمبر بنا جاتا۔

ان دنوں گورکھپور سے ایک پرچہ مشرق نکلتا تھا۔ اس کے حوالے سے پی ہارڈی ان الفاظ میں مولانا احمد رضا خاں کی خدمات کا اقرار کرتا ہے۔

It is not clear where the Barielу had its strongholds but the Mashriq of Gorekhpur and Al-Bashir took note of the pro-government fatwas of Ahmad Raza Khan and it seems that the school's permissive thinking on Islamic practice appealed especially to certain low groups in Muslim society.

The Muslims of British India, p.268.

تاج برطانیہ کی حمایت میں دیئے گئے مولانا احمد رضا خاں کے فتوے

سو یہ بات واضح ہے کہ اگر ۱۹۲۲ء میں ہارکورٹ بٹلر نے آپ کو اپنے دربار میں خلعتِ فاخرہ کا اعزاز نہ دیا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ اس لسٹ میں نہ تھے۔ بلکہ اس کی وجہ آپ کی ۱۹۲۱ء میں وفات ہے

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

۱۹۱۷ء میں جب مولانا بقیدِ حیات تھے تو مجلس معید الاسلام کا جو وفد وائسرائے ہند کو ایڈریس پیش کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اس میں آپ مولانا عبدالماجد کے ساتھ تھے۔ پی ہارڈی بتاتا ہے کہ اس وفد میں کون کون تھے :-

Abdul Majid of Badaun Wilayat Hussain of Allahabad Ahmad. Raza Khan of Bariely and the two leading Shia Mujtahids of Lucknow.

The Muslims of British India, p.279.

ترجمہ۔ عبدالماجد بدایونی، ولایت حسین الٰہ آبادی۔ احمد رضا خاں بریلوی اور لکھنؤ کے دو چوٹی کے شیعہ مجتہد

پھر آگے ص۲۸۵ پر لکھتا ہے :-

The deputation was to include Shia Mujtahids as well as Wilayat Hussain of Allahabad and Ahmad Raza Khan of Bareily. The Deobandis, characteristically objected to coming in with the Lucknow lot.

ibit, p.285.

ترجمہ۔ اس وفد میں ولایت حسین الٰہ آبادی اور احمد رضا خاں بریلوی اور شیعہ مجتہدین کا نام تھا۔ دیوبندیوں نے لکھنؤ کے ان مجتہدین کے ساتھ نکلنے کی کھلے طور پر مخالفت کی۔

فرانسس رابنسن Francis Robinson نے بھی مولانا احمد رضا خاں کو سلطنتِ برطانیہ کے سایہ میں کھڑا بتلایا ہے۔ فرانسس رابنسن لکھتا ہے :-

Nevertheless his normal stand was of support for government and he supported it throughout world war one, he opposed the khilafat movement and in 1921 organised a conference of anti-non-cooperation Ulama at Bareily. He had considerable influence with the masses but was not favoured by educated Muslims.

Separatism among Indian Muslims, p.422

ترجمہ آپ کا عام موقف سلطنتِ برطانیہ کی حمایت کرنا تھا اور آپ جنگ عظیم اول
(۱۹۱۴ء ——— ۱۹۱۹) دوران سلطنت برطانیہ کے طرفدار رہے۔ آپ نے تحریک خلافت
کی مخالفت کی اور ۱۹۲۱ء میں (اپنی زندگی کے آخری سال میں) تحریک ترک موالات
کے خلاف (حکومت کے حامی) علماء کی ایک کانفرنس بلائی۔ آپ کا عام لوگوں پر اچھا
خاصا اثر تھا لیکن تعلیم یافتہ طبقہ آپ کو پسند نہ کرتا تھا۔

پروفیسر مسعود احمد صاحب بھی اس سے اتفاق کرتے تھے۔

جدید تعلیم یافتہ طبقہ بڑی حد تک (آپ سے) نابلد ہے چنانچہ ایک مجلس میں جہاں یہ
راقم بھی موجود تھا۔ ایک فاضل نے فرمایا کہ مولانا احمد رضا خاں کے پیرو زیادہ تر جاہل
ہیں گویا آپ جاہلوں کے پیشوا تھے۔ [۵]

اس کے برعکس علمائے دیوبند کی دینی آواز کو ہمیشہ عزت کی نظر سے دیکھا جاتا اور ملک بھر میں اس کا
وزن اور وقار تھا۔ پی ہارڈی لکھتا ہے :۔

The collection of Fatawa by Deobandi Ulama are of immence importance for understanding the pre-occupations of Indian Muslims.

The Muslims of British India. p.171.

ترجمہ۔ علمائے دیوبند کے مجموعہ ہائے فتاویٰ ہندوستانی مسلمانوں کی پہلے سے ذہن
سازی کرنے میں بہت اہمیت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری کی تو رائے تھی۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ علمائے دیوبند قرآن و حدیث کے
خلاف کوئی بات کہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عام آدمی بوجہ جہالت بریلویت کو پسند کر لیتے ہیں لیکن انگریز مستشرق
کی یہ رائے بھی درست ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں میں مولانا احمد رضا خاں کی کوئی پذیرائی
نہ تھی نہ پنجاب اور مغربی یوپی میں آپ کا کوئی اثر تھا

پنجاب کے لوگ زیادہ تر علمائے دیوبند، تونسہ شریف اور سیال شریف کے بزرگوں کے زیر اثر تھے
خلافت کی آواز سندھ اور کراچی تک سنائی دے رہی تھی۔ اور مولانا احمد رضا خاں کو اس وقت سندھ میں
کوئی جانتا تک نہ تھا۔ پی ہارڈی لکھتا ہے :۔

It was reported from Nawabshah during the Khilafat agitation, that the agitation is making rapid progress and that the maulvis and pirs have regained their influence through it.

The Muslims of British India, p.265

ترجمہ: تحریک خلافت میں نواب شاہ (سندھ) سے اطلاع ملی کہ وہاں تحریک آزادی تیزی سے زور پکڑ رہی ہے اور علماء اور مشائخ نے عوام کو اپنے کھوئے گئے اثرات پھر سے حاصل کر لیے ہیں۔

حضرت مولانا محمود الحسن کو شیخ الہند اسی لیے کہا گیا کہ تحریک خلافت پورے ہندوستان میں پھیلی تھی اور برصغیر پاک و ہند میں ہر جگہ آپ کے معتقدین و متوسلین پھیلے تھے۔ جہاں جہاں مسلمان خلافت کے لیے اٹھے تھے وہیں حضرت شیخ الہند کا نام پہنچا تھا۔ بخلاف مولانا احمد رضا خاں کے کہ پڑھے لکھے طبقے میں بہت کم لوگ انہیں جانتے اور مانتے تھے۔

اس پر تعجب نہ کیا جائے کہ مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا ولایت حسین الٰہ آبادی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور لکھنؤ کے شیعہ مجتہدین یہ سب کیسے تاج برطانیہ کے طرفدار اور خیر خواہ ہو گئے تھے۔ کیا یہ سب اتفاقی تھا؟ نہیں یہ کوئی اتفاقی اور اجتہادی بات نہ تھی۔ یہ سلطنت برطانیہ کی اپنی سیاسی ضرورت تھی۔

انگریزوں کی ایک اپنی ضرورت

آزادی کی ان تحریکوں میں وہ بالاکوٹ کی تحریک ہو یا ۱۸۵۷ء کی تحریک ریشمی رومال کی تحریک ہو یا تحریک ترک موالات ان تمام تحریکوں میں حکومت کو اپنے کار خاص میں کچھ علماء کی بھی ضرورت ہوتی تھی وہ لوگ مجاہدین کی صف توڑ دیں۔ اس سے بھی حکومت کو بھی تقویت ملتی ہے۔ تحریک آزادی میں انگریزوں کو ایسے علماء کی ضرورت تھی جو ہندوستان کو دارالاسلام کہیں اور ہندو مسلم اتحاد کو یکسر گناہ قرار دیں۔ صرف صورت عمل میں برصغیر پاک و ہند میں سلطنت برطانیہ کو جو استحکام مل سکتا اور انگریز اس ضرورت سے بے خبر تھے۔

پی ہارڈی لکھتا ہے:

For every Alim who issued a fatwa that India was Dar-ul-Harb there would be one who declared that it was Dar-ul-Islam. Deoband represented the first response. p.272.

ترجمہ۔ ہر عالم جو فتوے دے کہ ہندوستان دارالحرب ہے اس کے مقابل ایسے دمولوی)
بھی چاہئیں جو کہیں ہندوستان (انگریزی عملداری میں بھی) دارالاسلام ہے۔ دیوبندیہی موقف
کی نمائندگی کرتا تھا کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔

دوسری طرف مولانا احمد رضا خاں تھے جو علماء کو پیغام بھیجتے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ اور
مولانا احمد رضا خاں کا یہ کہنا یہ محض ایک رائے نہ تھی ایک تحریک تھی۔ بریلوی علماء بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ آپ
نے تحریک خلافت کے خلاف قلمی جہاد کیا۔ گورکھپور کے اخبار مشرق کی ۷، اکتوبر اور ۱۸ نومبر ۱۹۲۵ء کی اشاعت
میں آپ کا وہ فتوے چھپا۔ P. Hardy لکھتا ہے۔

Ahmad Raza Khan of Bareily issued Fatwa declaring India to be Dar-ul-Islam, making it a sin to associate with infidels.

p.325 (foot-note)

ترجمہ۔ بریلی کے (مولانا) احمد رضا خاں نے فتوے دیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے، اور
ہندوؤں کو ساتھ لے کر کسی تحریک (آزادی) میں حصہ لینا گناہ ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی گو تحریک خلافت میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ نہ تھے پر آپ اپنی جگہ
ہندوستان ترکوں کی امداد کو واجب بتلاتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

ان کی نصرت واجب ہے اس لیے کہ کفار (انگریز) تو اس کو اسلامی سلطنت ہی سمجھ کر
مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس لیے اس وقت ترکوں کی نصرت اسلام کی نصرت ہے[1]

سو مولانا احمد رضا خاں کو حضرت تھانوی سے بھی کوئی تائید نہ ملی تھی

پھر حضرت تھانوی تحریک خلافت میں شامل نہ ہوتے ہوئے ایک خانقاہ میں ہدیہ نشین رہے۔ تحریک
خلافت کے خلاف کسی تحریک میں نہیں نکلے۔ جہاں تک ہو سکا ترکوں کی امداد واجب بتائی۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں
جس طرح تم ٹھونک کر ایک تحریک کی صورت میں تحریک خلافت کے خلاف نکلے، وہ کھلے بندوں انگریزوں کی
حمایت تھی اور ان کا رسالہ دوام العیش ترکوں کے مقابلہ میں جناب صاحب کے لیے زندگی بھر کے عیش

---

[1] الافاضات جلد سوم ص

کی ضمانت تھی۔ خان صاحب نے کیسا اسم بامسمّٰی نام رکھا، دوام العیش کے معنی عمر بھر کے عیش کے ہیں۔ اچھا ہوا، ۱۹۲۱ء میں مولانا احمد رضا خاں کا انتقال ہوگیا ورنہ ۱۹۲۲ء میں انجمن معید الاسلام کا جو وفد وائسرائے کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا اس میں مسٹر جے ہارڈی کی شہادت کے مطابق مولانا احمد رضا خاں کا نام بھی تھا۔

گورکھپور کا اخبار مشرق مدتوں تک مولانا احمد رضا خاں کے ان فتووں کی اشاعت کرتا رہا کہ تحریک خلافت اصولاً غلط تھی۔ ترک ہرگز خلافت کے مستحق نہیں کیونکہ وہ قریش سے نہیں انگریزوں کے لیے اس سے زیادہ سازگار فتوے اور کیا ہو سکتا تھا

خلافت ٹوٹنے کے بعد مسلمانوں کے پاس سوائے ترک موالات اور کوئی راہ باقی نہ رہ گئی تھی۔ مولانا احمد رضا خاں بوجہ گورنمنٹ ہونے کی وجہ سے ترک موالات کے بھی خلاف تھے خود مورت کے کنارے کھڑے تھے مگر انگریزوں کی حمایت میں جوش نوجوانوں کا سا تھا۔ ترک موالات کے خلاف اولڈ بوائے (بوڑھا لڑکا) کے نام سے جو مضمون آتے وہ آپ کے جمع کردہ مواد کی ہی ایک نئی ترتیب ہوتی تھی۔ سمجھنے والے سمجھتے تھے اولڈ بوائے کون ہے؟

مشرق گورکھپور کی ۱۱ نومبر کی اشاعت میں انسٹیوٹ گزٹ کے حوالے سے اولڈ بوائے کے جو دلائل چھپ کے سامنے آئے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے جمیعت علمائے ہند کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۳۳۹ھ میں ان کا مفصل جواب دیا۔ آپ لکھتے ہیں :-

> اولڈ بوائے کے مضمون میں جو اخبار مشرق گورکھپور کی ۱۱ نومبر کی اشاعت میں انسٹیوٹ گزٹ سے نقل کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے فتوے ترک موالات پر کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں جن سے بعض چیزوں کا ذکر تو بندہ کے اسی مضمون میں ہو چکا ہے اور جو بڑا جزو باقی ہے وہ والدین کی اطاعت سے متعلق ہے۔
>
> اولڈ بوائے کی طرح ہم بھی یقین رکھتے ہیں کہ والدین کی اطاعت کو قرآن حکیم نے ضروری قرار دیا ہے اور جو آیت آپ نے پیش کی ہے اس پر ہم یا حضرت

شیخ الہندؒ آپ سے کم ایمان نہیں رکھتے اور جو صحیح بخاری کی حدیث یا درمختار اور عالمگیری کی فروع آپ نے درج کی ہیں۔ ان سب کو بھی ہم آپ کی طرح مانتے ہیں مگر آپ نے عالمگیری کی بعض دوسری فروع پر نظر نہیں ڈالی۔ لیکن گفتگو صرف اس میں ہے کہ اگر ایک فرض عین کے ادا کرنے سے روکیں یا ایک محرم کے ارتکاب کا حکم دیں تو کیا اس میں بھی اولاد والدین کی اطاعت اور خوشنودی حاصل کرنے پر مجبور ہے ؟ جس قرآن نے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ :۔

وان جاھداك علیٰ ان تشرك بی مالیس لكَ بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفاً۔ (پ۲۱ : لقمان ع۲)

ترجمہ۔ اور اگر وہ دونوں تجھ کو اس پر مجبور کریں کہ تو اس چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کوئی علم نہیں ہے تو ان دونوں کی اطاعت مت کر البتہ دنیا میں ان کے ساتھ دستور کے مطابق معقول طریقے پر رہ۔

اس سے علماء نے یہ کلیہ معلوم کیا کہ خدا کی معصیت میں والدین کی اطاعت نہیں کیونکہ خدا کا حق والدین کے حق سے مقدم ہے۔ کیونکہ خدا کا حق والدین کے حق سے مقدم ہے۔ لا طاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ پس اگر سرکاری تعلیم گاہوں سے طلبہ کا علیحدہ ہونا اس ترکِ موالات میں داخل ہے۔ جس کو خدا نے فرض قرار دیا ہے تو اس میں طلبہ اسی طرح اپنے والدین کی اجازت کے محتاج نہیں جس طرح نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔ اور جس جگہ جہاد میں اذن والدین کو شرط بتایا ہے وہ اس وقت ہے جب کہ جہاد فرض علی الکفایہ ہو۔ اگر فرض عین ہو جائے تو اس میں بھی اذن شرط نہیں۔ اسی بناء پر حضرت شیخ الہندؒ نے ترکِ موالات کو تو اجازتِ والدین پر موقوف نہیں

سکھا، مگر اس تبلیغ میں حقوقِ والدین کی رعایت فرمائی ہے۔ کیونکہ ترکِ موالات کی طرح اس کی تبلیغ فرضِ عین نہیں بلکہ فرض علی الکفایہ ہے۔

ادلڈ لوائے صاحب کو پہلے اسی میں کلام کرنا چاہیئے تھا کہ تعلیم گاہوں کا معاملہ ترکِ موالات کے تحت میں داخل ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر جواب اثبات میں ہو تو پھر آپ کی یہ سب تعدیل لاطائل ہو گی۔

ادلڈ لوائے صاحب کو واضح ہو کہ آیت قل ان کان آباءکم وابناءکم الآیۃ۔ حضرت مولانا نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش نہیں کی۔ بلکہ جو ضعیف القلب طلبہ والدین کی نافرمانی یا ان کے انتقالِ غم کا تصور باندھ کر متوحش ہوتے تھے۔ ان کی ہمتوں کو قوی کرنے کے لیے یہ آیت لکھی گئی ہے۔ تاکہ وہ سمجھیں کہ ایک فرضِ عین کے انجام دینے میں ماں باپ یا کسی قریب رشتہ دار کی خفگی سے ملول نہیں ہونا چاہیئے۔

آخر میں مجھے اس قدر اور عرض کرنا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے مظالم مسلمانوں پر انگریزوں سے کم نہیں اور وہ آرہ۔ شاہ آباد۔ کٹارہ پور وغیرہ کے دردناک واقعات کو یاد دلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ترکِ موالات نصاریٰ کی طرح ہندوؤں سے بھی ہونا چاہیئے کیونکہ وہ بھی قاتلوھم فی الدین میں داخل ہیں۔

اس خیال کی صحت کو ایک حد تک میں تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اس قدر گذارش ہے کہ کٹارہ پور وغیرہ کے تلخ واقعات کے بعد ہندوؤں کے ممتاز لیڈروں اور جمہور نے یہ عہد کیا ہے کہ آئندہ اس طرح کے واقعات کو ناممکن بنانے میں پوری پوری کوشش کی جائے گی۔ اس لیے جب پچھلی کارروائیوں پر اظہارِ تاسف کر کے انہوں نے ہماری طرف مصالحت کا ہاتھ بڑھایا اور تحفظِ خلافت کے اہم معاملہ میں ان کی مصالحت سے ہمیں ایک بڑی تائید حاصل ہوئی۔

تو ہماری قوم کے بہت سے افراد اور علماء نے بھی ان کے ساتھ مصالحت اور رواداری کی روش اختیار کرلی اور صبر و اقساط سے پیش آنے میں حرج نہیں سمجھا. کیونکہ قرآن شریف میں ہے:۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لها و توکل علی الله.

ترجمہ. اگر وہ مصالحت کے لیے جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو.

اور یہ خیال کہ ہندو ہم کو اس مصالحت کے پیرایہ میں دھوکہ دیں گے. اگرچہ ممکن ہے درست ہو جائے. مگر جب تک ان کا کوئی فریب اور بدعہدی ثابت نہ ہو. یہ احتمال نکالنا اس قوم کی پوزیشن پر ایک حملہ ہے جسے وہ آپ پر بھی لوٹا سکتے ہیں. بہرحال ہم کو حق تعالیٰ کی اس قسم کی تسلی آمیز ہدایات پر اطمینان رکھنا چاہیے کہ:۔

وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک الله.

ترجمہ. اگر وہ تم کو دھوکا دینا چاہیں گے تو خدا تمہارے لیے کافی ہے.

اگر کہا جائے کہ انگریزوں سے مصالحت اور موافقت کرنے میں پھر کیا چیز مانع ہے. تو خوب سمجھ لیجیے کہ یہ قوم فی الحال مسلمانوں کی جماعتوں سے عراق وغیرہ میں برسرپیکار ہے اور مسلم اقوام کی آزادی کا خون کرنے میں اس کی تلوار اس وقت بھی بے دریغ چل رہی ہے. اس وقت تک اس سے مسلمان قوم نے قواعد اسلام کے موافق کوئی جائز صلح نہیں کی. ایسی صورت میں مسلمانوں کی موافقت اس سے کس طرح ممکن ہے.

مسلمان بے شک اس سے مصالحت اور رواداری کا برتاؤ کر سکتے ہیں. بشرطیکہ وہ اپنے حسبِ عہد کے موافق خلافت اسلامیہ اور ان مقامات مقدسہ سے ہاتھ اٹھالے جن کے زوال کی حسرتناک داستان آج مسلمانوں کے خون کر آنسو رلا

رہی ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ میری اس تقریر سے آپ اس فرق پر متنبہ ہو جائیں گے جو قرآن وسنت اور فقہائے کرام نے ایک کافر محارب اور کافر مسالم کی حیثیات میں ملحوظ رکھا ہے اور بعض مفسرین سلف کے اس قول کی طرف بھی توجہ کریں گے جس پر انہوں نے

لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارھم ان تبرّوا و تقسطوا الیھم۔ (پ۲۸، الممتحنۃ ع ۲)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں سے (بھلائی اور حسن سلوک سے) نہیں روکتا جو تم سے دین پر لڑے نہیں اور تمہیں انہوں نے تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کا مصداق ان کفار کو ٹھہرایا ہے جن سے مسلمانوں نے مصالحت کرلی ہو۔

اب میں یہ دعا کرتا ہوں اور آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔

کتبہٗ۔ شبیر احمد عثمانی دیوبندی عفا اللہ عنہ

۹، ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ

گورکھپور کے اخبار مشرق نے بریلویوں کے دلائل کو بڑی تفصیل سے نقل کیا ہے کہ انگریزی [حکوم]ت میں مسلمانوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہے ـــــ ڈاکٹر اقبال نے تو یہ کہہ کر جان چھڑالی۔

ہند میں ہے مسلم کو جو سجدے کی اجازت

نادان سمجھتا ہے کہ آزاد ہے اسلام

گمان کے مخدوم محترم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مشرق سے بریلویوں کے دلائل [نقل] کرکے پھر ان کا پوری طرح جواب دیا ہے۔ اخبار مشرق گورکھپور لکھتا ہے:۔

جو حکومت مسلمانوں کو ان کے مذہبی شعائر میں پوری آزادی دیتی ہے اُن کے

جان ومال وآبرو کی محافظ ہے۔ قرآن ورسول کی بے حرمتی کو قانوناً جرم[1] قرار دیتی ہے۔ بیت اللہ اور بیت الرسول کی زیارت سے نہیں روکتی۔ اس کے ساتھ ترکِ تعلقات کس طرح واجب ہو سکتا ہے ـــ باقی شریف مکہ یا اس کی فوج نے یا اُن کے ساتھ مل کر انگریزی فوج کے مسلمانوں[2] نے جو کچھ مکہ اور مدینہ کی بے حرمتی کی[3] ہے۔ اس کی بابت غیروں کو الزام دینا فضول ہے یہ سب کچھ خود مسلمانوں کے ہاتھوں کے کئے ہوئے کام ہیں اور ہنگامہ کانپور میں جو کچھ ہوا اس کے ذمہ دار بھی وہ لیڈرانِ قوم ہیں جنہوں نے گورنمنٹ کو غلط فتوے دیا

ہندوستان میں انگریزی حکومت کو سو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا مگر اس زمانہ میں مسلمانوں کے دین ومذہب پر اس کا کیا اثر ہوا، اس کو سیاحانِ عالم سے پوچھو۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان سے زیادہ کسی جگہ کے مسلمانوں دینداری کی رونق نہیں اور اگر ان کا یقین نہ آئے تو خود جاکر ترک عرب، مصر اور افغانستان کے مسلمانوں کو دیکھ لو کہ آزادی کی زہریلی ہوانے

---

[1] ہندوستان میں حضور کی گستاخی کرنا اگر قانوناً جرم تھا تو راجپال نے ___ ___ ___ ___ پر تے رنگیلا رسول لکھی اور پھر اگر غازی علم الدین شہیدؒ نے اس کا کام تمام کر دیا تو اسے کیوں پھانسی کی سزا دی گئی ـــ سو یہ غلط ہے کہ انگریزی عملداری میں حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی قانوناً جرم تھی۔

[2] انگریزی فوج کے مسلمانوں کو وہاں لے کر کون گیا تھا اور وہ کس حکومت کے حکم سے حجاز بھیجے گئے تھے۔ انگریز حکومت نے ہی تو انہیں خلافتِ عثمانیہ کی پامالی کے لیے بھیجا تھا۔ افسوس بریلوی مکہ کی بے حرمتی کا بوجھ ان مسلمان فوجیوں پر تو ڈال رہے ہیں لیکن انگریز حکومت پر نہیں۔ ایسا کیوں؟ یہ اس لیے کہ مولانا احمد رضا خاں کی پیدا گورنمنٹ شخصیت کو انہوں نے اپنا اعلیٰحضرت جو مان رکھا تھا۔

[3] بیت اللہ کی بے حرمتی اس طرح ہوئی کہ بریلویوں کے مخدوم ومحترم شریف مکہ کی تحریک پر انگریزوں کی ہندوستانی افواج وہاں داخل ہوئیں اور انہوں نے کعبہ پر بھی گولیاں چلائیں جس سے غلافِ کعبہ چھلنی چھلنی ہوا۔

ان کے دین کو کس طرح چھڑا لیا مشاہدہ کے بعد تم خود کہو گے کہ ہندوستان سے زیادہ دینداری کسی ملک میں نہیں۔

انگریزی حکومت کا جو اثر مسلمانوں کے دین و مذہب پر ہوا اس کو تو آپ نے دیکھ لیا کہ ہندوستان اس وقت دینداری میں اسلامی حکومت سے بھی سبقت لیے ہوتے ہے۔

میں صرف اس قدر دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ عراق، شام، فلسطین اور تھریس دسمرنا کے کلمہ پڑھنے والوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کیا مسلمانوں کی جان و مال و عزت و آبرو نہیں ہے؟ کیا انما المؤمنون اخوۃ۔ المؤمنون یدٌ علی من سواھم خدا اور خدا کے رسول کا کلام نہیں ہے۔ کیا امرتسر کے بازاروں میں رینگنے والوں میں سے کوئی مسلمان نہ تھا، کیا بیت المقدس شعائر اللہ میں سے نہیں۔ کیا مکہ مدینہ میں اگر انگریزی فوج کے مسلمان گئے ہیں وہ بدوں انگریزی حکومت کے حکم کے خود بخود چلے گئے۔ کیا ان مسلمانوں یا شریف مکہ کے مجرم ٹھہرنے سے انگریزی عمال بے قصور ثابت ہو جاتے ہیں۔ کیا کانپور میں صحیح فتویٰ معلوم ہو جانے اور چاروں طرف کے مسلمانوں کی آواز بلند ہونے کے بعد خونریزی اور گرفتاریاں نہیں ہوئیں۔

یہ صحیح ہے کہ دین کے بہت سے اجزاء میں ہندوستان کئی ممالک اسلامیہ سے فائق ہے مگر بعض اجزائے دین یعنی خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور زوال عن الاسلام والمسلمین کے ذلیلہ سے تقریباً محروم ہوا لیکن یاد رکھیے کہ یہ دینداری انگریزی حکومت کی برکات میں شمار نہیں ہو سکتی۔ بلکہ چند ایسے نفوس قدسیہ کی صرف ہمت اور بذل قوت کا نتیجہ ہے جو اس سرزمین میں ہماری خوش قسمتی سے پیدا ہوئے اور جنہوں نے اپنی نہایت ہی خداداد قابلیت، روحانی قابلیت اور حیرت انگیز جرأت سے نصاریٰ اور متنفرین کے اثر کا مقابلہ کیا۔ ان ہی

مقدس بزرگوں میں سے حضرت الشیخ الاجل مولانا حاجی محمد امداد اللہ قدس سرہ تھے جنہوں نے آخر کار انگریزی حکومت کے دائرہ سے نکل کر حرم شریف کو اپنا مسکن بنایا اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ روحہ تھے۔ جو ایک مدت تک انگریزی حکومت کے احکام گرفتاری کے چکر میں نانوتہ اور دیوبند کا گشت لگاتے رہے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ روحہ تھے جنہوں نے انگریزی حکومت کی برکات کو محسوس نہ کر کے مہینوں تک حوالات کی کوٹھڑی میں رہنا پسند کیا اور اب سب سے آخر میں وحید العصر حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی ہیں جن کی درد انگیز داستان آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

نہایت قلق سے کہنا پڑتا ہے کہ ان سب بزرگوں کو جن کے دم سے ہندوستان میں یہ دینداری پھیلی۔ انگریزی حکومت کی وہ برکات محسوس نہ ہوسکیں جن کا ہمارے دوست اس شدومد کے ساتھ دعوے کر رہے ہیں۔ شاید ان کا یہ دعویٰ بھی انگریزی حکومت کے برکات میں سے ایک برکت ہے۔[1]

اس وقت یہ بحث نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں اور ان کے بیٹوں کے انگریزوں اور شریف مکہ کی حمایت کے دلائل کس وزن کے تھے وہ تارِ عنکبوت سے بھی کمزور تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے انگریزوں سے ترکِ موالات کے دلائل آپ کے سامنے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ انگریزی عملداری میں علماء دیوبند کس قدر بدیشی حکومت اور اس کے ایک ایک آلۂ کار سے (وہ مرزا غلام احمد ہو یا مولانا احمد رضا خاں اور ان کی

صلبی اور روحانی اولاد) کس اخلاص اور للّٰہیت سے برسرِ پیکار تھے ـــــ اور شریف مکہ کی حمایت میں مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی کی تحریرات کے عکسی فوٹو ہم پیچھے صد ۔ پہ ہدیۂ قارئین کر آئے ہیں اور آپ انہیں پڑھ چکے ہیں۔ مرزا غلام احمد یہ تحریریں عرب ممالک کو بھیج رہے تھے۔

[1] تقریر ترک موالات

بل الدولة البرطانية محسنة الى المسلمين، والملكة المكرمة التي نحن رعايا لها ترجح الاسلام في باطنها على ملل اخرى، بل سمعت أزيد من هذا ولكن لا نرى ان نذكرها، فالحاصل انها كريمة وألقى الله في قلبها حب الاسلام.

دولتِ برطانیہ مسلمانوں کی محسنہ ہے اور ملکہ وکٹوریہ جس کی ہم رعایا ہیں اندر سے اسلام کو دوسرے سب مذاہب پر ترجیح دیتی ہے۔ میں نے تو اس سے بھی زیادہ سُنا ہے جسے بتانا ہماری مصلحت نہیں۔ حاصل یہ کہ وہ بڑی کریمہ ہے اور اللہ نے اس کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی ہے۔

ونحن نعيش تحت ظلها بالامن والعافية والحرية التامة ونصلي ونصوم ونأمر بالمعروف وننهى عن المنكر ونرد على النصارى كيف نشاء ولا مانع ولا حارج ولا مزاحم، وهذا كله من حسن نيتها وصفاء قلبها وكمال عدلها. ووالله لو هاجرنا الى بلاد ملوك الاسلام لما رأينا أمنا وراحة أزيد من هذا.

ہم اس کے زیرِ سایہ امن وعافیت اور پوری آزادی سے رہ رہے ہیں، نماز روزے ہمارے قائم ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہم کرتے رہتے ہیں۔ ہم جیسا چاہیں عیسائیوں کی تردید کرتے ہیں اور کوئی ہمیں روکنے ٹوکنے اور مزاحمت کرنیوالا نہیں۔ یہ سب اسکی حُسنِ نیت، صفائے قلب اور کمالِ عدل کی وجہ سے ہے بخدا اگر ہم مسلمان مُلکوں میں جائیں تو ان میں بھی امن اور آرام اس سے زیادہ نہ پائیں گے۔ (حمامۃ البشریٰ ص۲ خزائن جلد ص۲)

غلام احمد یہ بھی لکھتا ہے مجھے تین باتوں نے برطانیہ کا اوّل درجے کا خیرخواہ بنا دیا ہے (۱) خاندانی اثر نے کہ میرے دادا بھی تاجِ برطانیہ کے طرفدار رہے (۲) انگریز گورنمنٹ کے احسانات نے۔ (۳) خدا کے الہام نے۔ (اے ملکہ ادھر تیرا منہ اُدھر خدا کا منہ)

مولانا احمد رضا خاں بھی انجمن معید الاسلام کے وفد کے رکن اسی لیے بنے تھے کہ انہیں تاجِ برطانیہ کا زوال ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہ تھا۔ ان کا فتوےٰ تھا کہ مسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد نہیں ہے ـــــ یہی نہیں بلکہ آپ نے ہر اس تحریک کی مخالفت کی جو کبھی انگریزوں کے خلاف اُٹھی۔

مدرسہ بریلی کی غایتِ اُولیٰ

مولانا احمد رضا کا مدرسہ بریلی کسی ضرورت کے لیے نہیں محض دیوبند کے ردِ عمل کے لیے بنا تھا نیز اس لیے کہ اس پہ گورنمنٹ برطانیہ سے مالی مدد لی جا سکے. مگر یہ حقیقت ہے کہ دارالعلوم دیوبند ان تمام مخالفتوں کے باوجود اصلہا ثابت کی یاد بہار رہا ہے. تاہم مولانا احمد رضا خاں کے جگر کی آگ ٹھنڈی نہ ہو سکی بسترِ مرگ پہ بھی آپ نے اپنے اس دین و مذہب کی وصیت کی. حالانکہ یہ وہ وقت ہے جب سرکش سے سرکش انسان بھی خدا کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔

آپ کو اپنے آخری وقت میں یا طرح طرح کے کھانوں کی فکر تھی کہ وہ ختم میں آپ کو پہنچتے رہیں یا اپنے اس خاص دین و مذہب کی جس کی آپ نے اپنے سب بیٹوں کو وصیت کی ۔

میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پہ مضبوطی سے قائم رہنا بلہ

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں واقعی ایک نئے دین و مذہب کے بانی تھے اور ان کے پیرو انہیں اپنا مذہبی پیشوا مانتے تھے. اگر وہ ان کی نظر میں اس پرانے دین پہ تے جو اہل السنۃ والجماعۃ کے طور پہ پہلے سے چلا آرہا تھا تو اس نئی پیشوائی کی ضرورت کیا تھی؟ — اور کیا ضرورت پڑی تھی کہ ایک نیا مذہب قائم کیا جائے.

اب پرانے دین و مذہب (مسلک اہل السنۃ والجماعۃ) کے گرد وفا کا پہرہ دینے والوں میں مرکزی شخصیت حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحؒ کی تھی اور نئے دین و مذہب کے بانی اور داعی مولانا احمد رضا خاں تھے اور ان کے حلقے میں انہیں اعلیحضرت اور امام کہا گیا اور سب بریلویوں پہ ان کی پیروی لازم ٹھہرائی گئی. انسائیکلوپیڈیا میں بریلوی کا تعارف یہی ہے ۔

ایک گروہ جو فکر و عقائد میں احمد رضا خاں بریلوی قادری کو اپنا پیشوا تسلیم کرتا ہے لہ

نئے پیشوا کا مطلب یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ اب کوئی نئی جماعت میدان میں اُبھری ہے. اہلسنت پہلے ایک شاہراہ پہ چلے آرہے تھے ہندوستان میں یہ شاہراہ امام ابوحنیفہ رحؒ کے نام سے قائم تھی، اور تیرہویں صدی تک یہاں فقہ حنفی میں فتاویٰ عالمگیری اور علامہ شامیؒ کا فتویٰ چلتا رہا. جو مسلک تیرہویں صدی تک اس شان سے منضبط چلا آیا ہو اب اس میں چودہویں صدی میں کسی نئی پیشوائی کی کیا ضرورت تھی، وہ یہ آپ سوچیں. ہم تو اس پوری تحریک کو انگریزوں کے کھاتے میں ڈالتے ہیں.

لہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۴ ص۸۵

بعض بریلوی کہہ دیتے ہیں کہ یہاں پیشوا کا لفظ انسائیکلو پیڈیا والے نے لکھا ہے۔ اعلیحضرت نے خود اپنے آپ کو کہیں پیشوا نہیں کہا ہم کہتے ہیں کیا انہوں نے اپنے بیٹوں کو اپنے دین و مذہب پر چلنے کی دعوت نہ دی؟ اور پیشوائی کسے کہتے ہیں؟

میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا[1]

ان کے اپنے حلقوں میں اسے دین رضا سے بھی ذکر کیا جاتا تھا اور ان کے اپنے لٹریچر میں اس پر شہادت موجود ہے[2]

اس نئے دین و مذہب سے ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعت کی جو نئی تقسیم جاری ہوئی مؤرخین اس کا سہرا مولانا احمد رضا خاں کے سر پر باندھتے ہیں۔

یہ مولانا احمد رضا خاں کی پچاس سالہ محنت تھی جس سے سوادِ اعظم اہل السنۃ والجماعۃ مستقل طور پر دو ٹکڑوں میں منقسم ہو گئے اور شیعوں کے سر پر جو بارہ سو سال سے بھاری سنی اکثریت کی تلوار لٹک رہی تھی اور وہ کبھی اہل السنۃ کے خلاف کھلی جارحیت نہ سوچ سکتے تھے کھلے طور پر اہل السنۃ کے مقابلہ میں آ گئے۔ اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ جب بھی اہل السنۃ اور اہل تشیع میں کوئی معرکہ ہو مولانا احمد رضا خاں کے پیرو شیعوں سے جا ملیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے علمی اور سیاسی وارث جو کبھی ہندوستان کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت تھے اب اس چودھویں صدی میں خود اقلیت ہو کر رہ جائیں علماء دیوبند کے سوا کون ہے جو آج مسلمانوں کو شیعیت کے بڑھتے اثرات سے بچائے

مولانا احمد رضا خاں کی اس وصیت کا ایک سیاسی پہلو بھی ہے جس کے دو حصے ہیں۔ (۱) انگریز حکومت سے غیر متزلزل وفاداری اور (۲) اہل السنۃ والجماعۃ کی دو حصوں میں مستقل تقسیم جو آئندہ کبھی ان کو ملنے نہ دے۔

یہ وہ مقاصد تھے جن کے لیے مولانا احمد رضا خاں نے مدرسہ بریلی قائم کیا۔ ورنہ فقہی پہلو سے تو آپ کو کسی مدرسہ کی ضرورت نہ تھی مسلمان جو کچھ کریں بس وہی فقہی پہلو سے تو آپ کو کسی مدرسہ کی ضرورت نہ تھی مسلمان جو کچھ کریں بس وہی آپ کا دین ہے اور آپ اس پر کسی نقل و روایت کی ضرورت نہ سمجھتے تھے ـــــ پھر مدرسہ کی کیا ضرورت تھی۔

---

[1] وصایا شریف ص [2] حدائق ص ص

مولانا احمد رضا خاں نے دیو بند کے رد عمل کے طور پر مدرسہ بریلی قائم تو کر لیا لیکن اس کی حیثیت دارالعلوم دیو بند کے مقابلہ میں کیا رہی. اس پر خالی الذہن ہو کر ایک غیر جانبدار شہادت سُنیئے. ماسٹن Meston نے ۱۹۱۵ء میں ان مدارس کا تقابلی جائزہ لے کر Harding کو جو رپورٹ دی ہے وہ قابل غور ہے.

ترجمہ. یوپی میں اولین توجہ میں تین مدرسے سامنے آتے ہیں
۱. مولانا احمد رضا خاں کا مدرسہ بریلی. ۲. مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ. ۳. دارالعلوم دیو بند جسے ماسٹن Meston, نے ۱۹۱۵ء میں سب سے زیادہ مؤثر ادارہ بیان کیا ہے جو اس کے خیال میں بہت حد تک ان عظیم یونیورسٹیوں کی یاد دلاتا تھا جو (مسلمانوں کی) قرون وسطیٰ میں رہی ہیں

دیکھیئے یہاں اس مؤرخ نے مدرسہ بریلی کو سکول کے درجے میں رکھا ہے اور دارالعلوم دیو بند کو قرطبہ جیسی یونیورسٹیوں میں قرار دیا ہے. کیا اب بھی یہ بات یقین کرنے کے لائق نہیں کہ مدرسہ بریلی کی علمی حیثیت دارالعلوم دیو بند سے کوئی نسبت نہ تھی. یہ مدرسہ بریلی صرف دارالعلوم دیو بند کے بڑھتے ہوئے اثرات کو رد کرنے کے لیے محض ایک رد عمل کے طور پر قائم کیا گیا تھا.

Harding papers p.87

It is not clear where the Bariely had its strongholds but the Mashriq of Gorekhpur and Al-Bashir took note of the pro-government fatwas of Ahmad Raza Khan and it seems that the school's permissive thinking on Islamic practice appealed especially to certain low groups in Muslim society.

The Muslims of British India, p.268.

سو دیو بند کے بارے میں ہارڈ نگ کی رائے کہ یہ درسگاہ ان یونیورسٹیوں کی یاد تازہ کرتی ہے جو قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کی عظمت کا نشان تھیں بالکل صحیح ہے. مگر یہ بات کہ مدرسہ بریلی جیسا پرائمری سکول کس برتے پر دیو بند کے مقابل آگیا ہنوز ناقابل فہم تھی. ہم پی ہارڈی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے یہ بات بھی کھول دی اور مولانا احمد رضا خاں کے پیچھے کونسی طاقت تھی اس کا پتہ چل گیا.

ترجمہ۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ بریلوی مکتب فکر کی اصل طاقت کہاں سے تھی لیکن گورکھ پور سے شائع ہونے والے اخبار مشرق اور البشیر سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے فتوے پر وگورنمنٹ ہوتے تھے (برٹش گورنمنٹ کے مقاصد کی تکمیل کرتے تھے) اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اعمال اسلام پہ بریلوی مکتب فکر کا نرم گوشہ ہونا مسلمانوں کے نچلے طبقے کے لوگوں کو خاص طور پہ اپیل کرتا تھا۔

کسے معلوم نہیں کہ گیارہویں اور ختموں اور عرسوں کے دلدادہ پیرزادے نمازوں میں کتنے پختہ ہوتے ہیں پھر یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ مُریدین کی لمبی قطار جب ان صاحبزادوں کے آگے جھکتی ہے تو اعمال اسلام کی قدر و قیمت ان پیروں اور مریدوں کے دل و دماغ میں کیا رہ جاتی ہوگی۔ یہ وہ نرم گوشہ ہے جس نے جاہل لوگوں کو ہمیشہ سے بریلویت کا دلدادہ بنا رکھا ہے۔

غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا امتیاز عقیدہ توحید میں ہے۔ وہ خدا اور بندے کے درمیان کسی واسطہ نجات کے قائل نہیں ہیں عبادت میں بھی مسلمان براہ راست خدا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور اس کے اور خدا کے درمیان میں کوئی وسیلہ نہیں عیسائیوں کے پادری خدا اور بندے کے مابین واسطہ بنتے تھے۔ لوگوں کے گناہ معاف کرنا ان کے اختیار میں ہوتا تھا اور قرون وسطیٰ میں یہ لوگوں کو جنت کے سرٹیفکیٹ بھی دیتے تھے۔ اسلام میں علماء کا درجہ شارحین دین کا ہے وسیلہ نجات بننے کا نہیں۔

دارالعلوم دیوبند

مولانا احمد رضا خاں اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کی اس کشمکش سے مدتوں پہلے دارالعلوم دیوبند قائم ہو چکا تھا۔ اب یہ اس کی دوسری صف تھی جس نے ان حالات کا سامنا کیا۔ دارالعلوم دیوبند اصل میں مدرسہ رحیمیہ دہلی کی ہی نشأۃ جدیدہ تھی اور اس کے سب اکابر اہل السنۃ والجماعۃ کے طریق پہ یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ دین ہے وہی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی جماعۃ مقدسہ (صحابہ کرامؓ) سے ثابت ہو۔ یہ نہیں کہ اس پر کہیں دلیل منع وارد نہ ہو — اس مدرسے کا قیام قرآن و سنت اور فقہ و تزکیہ کے اصولوں پہ محض اشاعت علم اور تبلیغ دین کے لیے تھا یہ کسی اور مسلک کے ردعمل کے طور پہ وجود میں نہ آیا تھا — بخلاف مدرسہ بریلی کے جو محض دارالعلوم دیوبند کے ردعمل کے طور پہ قائم کیا گیا تھا۔

انسائیکلو پیڈیا ہر حلقہ علم و ادب کی ایک جانبدارانہ آواز ہوتی ہے۔ آیئے دارالعلوم کا کچھ اور تذکرہ ملاحظہ فرمائیں:۔

اس درسگاہ کے بانی اور پہلے سرپرست مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بڑے متقی اور متوکل علی اللہ مشہور تھے۔ یہی باتیں آگے چل کر دارالعلوم دیوبند کی ایک مستقل روایت اور دیوبندی علماء کی خصوصیت بن گئیں۔

سلطنت مغلیہ کے خاتمے اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی ناکامی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کی دینی اور عملی ضروریات کے پیش نظر اہم مقاصد یہ تھے:۔

(۱) آزادیٔ ضمیر اور اعلائے کلمۃ الحق۔
(۲) مسلمانوں کو ایک جمہوری عوامی تنظیم میں پرونے کی جدوجہد کرنا۔
(۳) حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی حفاظت و اشاعت
(۴) مسلم معاشرے سے خودغرضی اور استبداد کا خاتمہ۔
(۵) علوم دینی کا احیاء۔
(۶) علوم عقلیہ کی صحیح ترتیب۔
(۷) دین میں مہارت کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم کے تقاضے پورے کرنے والے علماء تیار کرنا۔

درسگاہ کی مالی ضروریات کے سلسلے میں مولانا نانوتویؒ نے آٹھ اصول مقرر کئے، جن کا مقصد یہ تھا کہ حکومت وقت اور امراء و اغنیاء کے تسلط سے درسگاہ آزاد رہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت برطانیہ اور ریاستی حکومت کی خواہش کے باوجود دارالعلوم نے کسی سے آج تک گرانٹ لینا پسند نہیں کی۔

گذشتہ نوّے سال میں اس ادارے نے مسلمانوں کے دینی مدارس میں ایک ممتاز مقام حاصل کرلیا ہے۔ دارالعلوم میں ان تین مختلف النوع دینی اداروں کی خصوصیات جمع ہیں جو تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے دوران میں دہلی، لکھنؤ اور خیرآباد میں موجود تھے۔ دہلی کے ادارے تفسیر اور حدیث

کی تعلیم پر زور دیتے تھے، لکھنؤ کے فقہ پر اور خیرآباد علم الکلام اور فلسفے کے لیے مخصوص تھا۔ دیوبند ان تینوں کے امتزاج کی نمائندگی کر رہا ہے۔ گو اس کا اصل زور احادیث پر ہے، جنہیں شاہ ولی اللہؒ اور دہلی کے مکتب محدثین کے نزدیک درجۂ استناد حاصل ہے۔ دیوبند میں بلادِ اسلامیہ کے مختلف حصوں سے بھی طلبہ آتے رہتے ہیں۔ اس میں تقریباً پندرہ سو طلبہ کے قیام کا بندوبست ہے۔ "دارالعلوم" کی عمارت ایک مسجد، ایک کتاب خانے، اور حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ کے متعدد درسی کمروں پر مشتمل ہے۔ دیوبند کے کتاب خانے کا شمار ہندوستان میں مخطوطات کے بڑے بڑے کتاب خانوں میں ہوتا ہے۔

اس میں تقریباً ستر ہزار عربی، فارسی اور اردو کتابیں موجود ہیں جو مطبوعہ بھی ہیں اور قلمی بھی۔ تعلیم کا طریقہ روایتی ہے۔ اس کا زور زیادہ تر اس بات پر ہے کہ دیندار شخصیتیں پیدا کی جائیں، اس پر نہیں کہ جدید علوم سے بہرہ ور ہو کر عہدِ حاضر کے تقاضے پُورے کر سکیں۔ لہٰذا اس ادارے نے زیادہ تر دینی رہنما پیدا کیے ہیں، گو سیاسی میدان میں بھی اس کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

دیوبندی علمائے کرام کا مسلک شاہ ولی اللہی مسلک ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تین واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ یہ حضرات فقہی مذاہب میں سے امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں اور تقلید کو بھی بالعموم ضروری سمجھتے ہیں۔ قرآن و سنّت پر سختی سے عمل پیرا ہونے کے علاوہ ان کا تصوف سے بھی گہرا تعلق ہے۔ ردِّ بدعت میں یہ بھی پیش پیش ہیں البتہ غلو سے پرہیز کرتے ہیں۔ اکثر علمائے دیوبند روحانی مسلک کے لحاظ سے حاجی امداد اللہؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں جو تصوف کے چاروں سلسلوں یعنی نقشبندی، چشتی، قادری اور سہروردی سے منسلک تھے۔ تاہم تصوف کو دُنیاداری سے قطعاً دُور رکھنا ضروری ہے۔ عقائد و علم الکلام میں امام ابو الحسن اشعری کے مقلد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت پر ایمان رکھتے ہیں۔ کثرت درود کو معین ثواب اور صدق نیت اور صحیح روایات کے مطابق ولادت نبوی کے تذکرے کو بھی پسند کرتے ہیں۔ اکابر علمائے دیوبند دین میں غلو اور انتہا پسندی کے بجائے راہِ اعتدال کے قائل اور عامۃ المسلمین کی تکفیر سے اجتناب و احتیاط لازم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ غالی بریلوی مسلک اور غالی اہلِ حدیث مسلک کے بین بین رہتے ہیں

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں "ہماری حالت تو یہ ہے کہ نہ ہم غیر مقلدین کو کافر کہتے ہیں، نہ تمام شیعوں کو، نہ سارے نیچریوں کو۔۔۔۔۔"

مولانا قاسم نانوتویؒ نے ایک مقام پر کہا "فی زمانہ کفار کا غلبہ ہے وقت نہیں ہے کہ مسلمانوں میں تفریق کو ہوا دی جائے جس سے ان کا کلمہ متفرق ہو کر مزید ضعف پیدا ہو، بلکہ توڑنے کی بجائے جوڑنے کی فکر کی جائے"

علمائے دیوبند کے اس مسلک نے انہیں سب کی نظر میں محترم بنا دیا۔ چنانچہ پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے ایک جگہ فرمایا "مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا زمانہ میں نے نہیں پایا، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ کی زیارت ایک دفعہ کی ہے، مصاحبت کا اتفاق نہیں ہوا، مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی کی ایک دفعہ زیارت کی ہے اور ایک دفعہ وعظ بھی سنا ہے۔ اس سے زیادہ ان حضرات کے ساتھ مصاحبت کا اتفاق نہیں ہوا، مگر میرا اعتقاد ان بزرگوں کے متعلق یہ ہے کہ یہ سب حضرات علمائے ربانیین اور اولیائے امت محمدیہ میں سے تھے۔ احقر کو بعض مسائل میں ان سے اختلاف بھی ہے، مگر میرا اعتقاد یہی ہے اور اس اعتقاد کے اختیار کرنے کا سبب ان کی تصنیفات کا مطالعہ اور قبول عام ہے"

دیوبندی علمائے کرامؒ نے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نزدیک دارالعلوم کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ۱۸۵۷ء

کے انقلاب کی ناکامی کے بعد ملتِ اسلامیہ کو جہادِ آزادی اور ہندوستان سے انگریز کو نکالنے کے لیے تیار کیا جائے۔ آزادیٔ ہند کے لیے ریشمی رومال کی تحریک شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ ہی نے منظم کی تھی۔ تحریک خلافت میں بھی ان علماء نے بڑا حصہ لیا۔ قیامِ پاکستان سے کچھ قبل اس جماعت کے دو حصے ہو گئے۔ ایک انگریز کی مخالفت کے جوش میں اتنا بڑھ گیا کہ مسلم لیگ کی تائید سے قاصر رہا۔ اس کے برعکس مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۹۴۹ء) اور مفتی محمد شفیعؒ وغیرہ نے مسلم لیگ کے موقف کی تائید کی اور تحریک پاکستان میں بھی حصہ لیا۔ چنانچہ زیادہ تر انہیں کی وجہ سے برصغیر کی تقسیم سے قبل صوبہ سرحد میں ہونے والے استصواب رائے عامہ میں مسلم لیگ کو کامیابی نصیب ہوئی۔ علمائے دیوبند اپنے آپ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور سید احمد شہیدؒ کے پیروکار اور ان کے افکار و نظریات کے حامی سمجھتے ہیں[1]

یہ ایک غیر جانبدارانہ تبصرہ ہے جو ملک کے سب سے بڑے مؤقر کا ہے۔ دوسرے ممالک اور غیر اقوام برصغیر پاک و ہند کے علم و ادب کو اسی آئینہ میں دیکھتے ہیں۔

The most vital school of Ulama in India in the second half of the nineteenth century was that centred upon Deoband, the Dar-ul-Uloom founded in 1867.

The Muslims of British India, P-170.

ترجمہ۔ ہندوستان میں انیسویں صدی کے نصف ثانی میں علماء کا سب سے زیادہ مؤثر ادارہ وہ ہے جس کی مرکزیت دیوبند میں ہے۔ یہ دارالعلوم دیوبند ۱۸۶۷ء میں قائم ہو چکا تھا۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۹ ص ۶۱۴

یو پی میں ان دنوں تین مدرسے بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ (۱) مولانا احمد رضا خاں کا مدرسہ بریلی (۲) مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ (۳) دارالعلوم دیوبند۔ ماسٹن ۱۹۱۵ء میں اسے مؤثر ترین ادارہ بتلاتا ہے۔ جو مسلمانوں کی قرونِ وسطیٰ کی یونیورسٹیوں کی یاد تازہ کرتا ہے۔ ہارڈ نگ کی رپورٹ میں ایسا ہی ہے۔

انگریزوں کا مسلمانوں پر دوسرا فکری حملہ

انگریزوں نے جب محسوس کیا کہ جاہلیت کے دیرینہ دے دارالعلوم دیوبند کے بڑھتے اثرات کو روک نہ سکیں گے تو انہوں نے اس بات کی ترویج چاہی کہ اسلام کو ایک نئی تشریح مہیا کی جائے اور وہ انگریز عمل کے نام سے نہیں خدا کے نام سے ہو۔ یہ ضرورت مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۹ء —— ۱۹۰۸ء) نے پوری کی اور خدا کے نام سے اسلام کو ایک نئے معانی کی قبا پہنائی۔ علمائے دیوبند نے اسلام کی اس نئی تشریح کا بڑے شد و مد سے مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ قادیانیت پورے بلادِ اسلامیہ میں ایک غیر مسلم اقلیت قرار پائی۔ مسلمانوں کو جس چیز نے قادیانیوں کے خلاف لاکھڑا کیا وہ مرزا غلام احمد کا اسلام کے عقیدہ ختمِ نبوت سے کھلا ٹکراؤ تھا۔

اب ہم ۱۹۸۸ء سے گزر رہے ہیں۔ مرزا غلام احمد کو اس دنیا سے گئے اسی سال ہو چکے ہیں اس اسی سالہ تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ علمائے دیوبند ہی ہیں جنہوں نے عقیدہ ختمِ نبوت کے گرد پوری وفا سے پہرے دیئے ہیں اور بریلوی علماء تو اُلٹے علمائے دیوبند پر ہی الزام لگاتے رہے کہ وہ ختمِ نبوت کے منکر ہیں اور اپنے اس دعوے کے اثبات میں مولانا احمد رضا خاں نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحذیر الناس سے تین مختلف مقامات سے تین عبارتیں لے کر انہیں ایک مسلسل عبارت بنایا اور پھر ہاتھ کی بڑی صفائی سے انکارِ ختمِ نبوت کا الزام مولانا محمد قاسمؒ پر لگا دیا —— تاہم مولانا احمد رضا خاں کی یہ بات چل نہ سکی۔ پی ہارڈی قادیانیت کے مقابلے میں بھی علمائے دیوبند کا ہی نام لیتا ہے۔

The prestige of Deoband as the active, confident and watchful guardian of sunni Islam was enhanced by its struggle against a new interpretation of Islam, which appeared in the late ninteenth century —— the Ahmadiya —— what envaged orthodox opinion was Mirza Ghulam Ahmad's apparent challenge to the fundamental doctrine of

KHATM-E-NUBUWWAT (the doctrine of the finality of prophethood of Muhammad, be peace upon him).

The Muslims of British India. p.172.

The government on the other hand considered it intolerable that in a Mosque in the charge of the most loyal taluqdar of Oudh, prayers should be publicly recited for the victory of the Turkish Sultan. p.271

ترجمہ. سنی اسلام کے مستعد. لائق اور بیدار محافظ ہونے کی حیثیت سے دیو بند کا وقار
اس جدوجہد سے اور بڑھا جو اس نے اسلام کی نئی تشریح کے خلاف کی جو (نئی تشریح)
انیسویں صدی کے اواخر میں احمدیت (قادیانیت) کے نام سے ظاہر ہوئی.

علمائے دیو بند نے تو اسلام کی اس نئی تشریح (قادیانیت) کے خلاف عہد ساز کام کیا اور سب طریں نے اس مسئلے (انکار ختم نبوت) کو علمائے دیو بند پر لوٹا دیا. اس سے قادیانیوں اور سلطنت برطانیہ کو کیا فائدہ پہنچا. یہ محتاج بیان نہیں. تاہم یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ علمائے دیو بند کو بڑا نے اسلام کے گرد وفادارانہ پہرہ دینے میں کن کن صعوبتوں اور کیسے کیسے حالات سے گزرنا پڑا. اور یہ اس زندہ قوم کی ایک زندہ تاریخ ہے. جس نے اس زندہ مذہب سے چمٹے رہنے کا عہد باندھ رکھا ہے.

پاکستان میں ان علماء کی ایک عالمی سطح کی تنظیم ختم نبوت کے نام سے قائم ہے. دنیا میں جہاں کہیں قادیانیت دم مارے عوامی سطح ہو یا عدالتی. یہ علماء ربانیین ہمیشہ اسلام کی اس نئی تشریح کے خلاف نبرد آزما ملیں گے.

ختم نبوت کے اجماعی عقیدے میں تشکیک کی نئی راہ

عقیدہ ختم نبوت کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی درجے کا کوئی نبی پیدا نہ ہوگا اسلام میں ایسا قطعی اور یقینی مسئلہ تھا کہ اس میں مسلمانوں کے کسی گروہ کو کبھی کسی قسم کا کوئی تردد نہیں ہوا. مولانا احمد رضا خاں نے ایسے وقت میں جب کہ دارالعلوم دیو بند پورے عالم اسلام میں علم کی سند مانا جاتا تھا اور اس کی علمی شہرت مصر و شام اور سمرقند و بخارا تک پہنچی ہوئی تھی یہ بات مشہور کر دی کہ علماء دیو بند

کی رائے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں ہیں. آپ کے بعد نیا نبی آسکتا ہے۔ (معاذ اللہ)

پس پھر کیا تھا. قادیانی جگہ جگہ مولانا احمد رضا خاں کو پیش کرنے لگے کہ دیکھو ہم ہی نہیں کہتے کہ حضورؐ کے بعد نیا نبی آسکتا ہے. دارالعلوم دیوبند کا فتوے بھی یہی ہے —— کئی نادان اس غلط لپیٹ میں آکر قادیانی ہو گئے. ان کے ذہن میں یہ بات سما گئی کہ اگر ختم نبوت کی اسلام میں کوئی بنیادی حیثیت ہوتی تو اتنا بڑا علمی مرکز کیوں یہ فتوے دیتا کہ حضورؐ کے بعد نیا نبی آسکتا ہے

یہ بنائے فاسد علی الفاسد تھی. خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی لاہوری اسی چکر میں قادیانی ہوئے اور جب انہیں پتہ چلا کہ علماء دیوبند تو ختم نبوت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اس عقیدے کو ضروریات دین میں سے جانتے ہیں تو پھر انہوں نے مرزا غلام احمد کو نبی کی بجائے مجدد کہنا شروع کر دیا —— تاہم یہ بات لائق غور ضرور ہے کہ جو لوگ اس غلط افواہ سے قادیانی ہوئے ان کا کفر و ارتداد کس کے نامۂ اعمال میں جائے گا؟ اس کا ثواب مولانا احمد رضا خاں کے کھاتے میں جاتا ہے. نہ وہ اتنے بڑے مرکز علمی طرف اس غلط عقیدے کو منسوب کرتے نہ نادان اور کمزور ذہن لوگ ارتداد کی گود میں چھلانگ لگاتے اور نہ امت کا شیرازہ کفر و اسلام میں بٹتا۔

اس کے برعکس علماء دیوبند نے ختم نبوت کی خدمت اس خلوص و محنت سے کی کہ وہ اس پر مسلمانوں کی رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے اپنے مخالف فرقوں میں سے بھی ایک ایک کے گھر پہ گئے۔ مشترک پلیٹ فارم تیار کیا اور قوم کو یہی تاثر دیا کہ ختم نبوت کا عقیدہ ایسا اجماعی اور یقینی ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقے گروہ آپس میں کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں اس عقیدے پر سب اکٹھے اور متفق ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس عظیم کام کے لیے مولانا ابوالحسنات محمد احمد خطیب جامع مسجد وزیر خاں کے پاس گئے. صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی کو مجلس احرار میں اپنے ساتھ رکھا اور دنیا کو یہی تاثر دیا کہ ختم نبوت کے مسئلہ پہ ساری قوم متحد اور مجتمع ہے۔

مرکز اسلام سعودی عرب نے بھی اس موقف کی پر زور تائید کی اور رابطہ عالم اسلامی نے مسلمان ملکوں اور ریاستوں کی تائید سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا. یہ مسئلہ ختم نبوت علماء دیوبند

کی عظیم خدمات کا ایک نہایت روشن باب ہے۔

اس کے برعکس مولانا احمد رضا خاں نے اسے مختلف فیہ قرار دینے میں علماء دیو بند کو اس لئے کا حامل بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نیا نبی آسکتا ہے ـــــ کیا یہ خانصاحب کی مرزا غلام احمد کے مشن کی ایک خاموش خدمت نہ تھی؟ ـــــ یہی نہیں بلکہ مسئلہ حیاتِ مسیح جو مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان مدت سے ایک اختلافی مسئلہ چلا آتا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں نے برملا کہا کہ اس کا منکر کافر تو در کنار گمراہ بھی نہیں ہے۔ (استغفر اللہ)۔ خانصاحب لکھتے ہیں:۔

> حیات و وفاتِ سیدنا عیسیٰ رسول اللہ علیٰ نبینا الکریم وعلیہ صلوات اللہ وتسلیمات اللہ جو خود ایک فرعی سہل خود مسلمانوں میں ایک نوع کا اختلافی مسئلہ ہے جس کا اقرار یا انکار تو در کنار ضلال بھی نہیں۔[1]

کیا ہم خانصاحب سے سوال کر سکتے ہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے یا ان کے اتباع محققین میں سے کس نے حیاتِ مسیح کا انکار کیا ہے۔ صحتِ نقل کے ساتھ کسی کا نام لیں۔

مولانا احمد رضا خاں قادیانیوں کی کھلی تائید نہ کر سکتے تھے لیکن چونکہ انہیں اور قادیانیوں (دونوں گروہوں) کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس لیے اس مشترک رشتے میں قادیانیوں کے لیے نرم گوشہ پیدا کرنا اور انکارِ ختمِ نبوت کے دائرہ کو وسیع تر کر کے پیش کرنا ان کی سیاسی ذمہ داری تھی۔ **واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

آستانۂ سیال شریف نے جس طرح کھل کر علماء دیو بند کا ساتھ دیا وہ اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی انگریزوں کی حمایت پنجاب میں بالکل اثر انداز نہ ہو سکی تھی۔ پنجاب میں یہ کام قادیانیوں کے سپرد تھا ـــــ بہار میں بریلویوں کا اعلان تھا کہ انگریزی عملداری میں ہمیں مکمل آزادی حاصل ہے

---

[1] الجراز الدیانی ص ۲۳ مؤلفہ مولانا احمد رضا خاں مطبوعہ کانپور

تتمہ ہم صفحہ ۲۵۶ پر حدیث ما راٰہ المسلمون حسناً کی شرح کر آئے ہیں بریلویوں کا استدلال یہ ہے کہ تمام مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ بدعت نہیں ہو سکتی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل بدعت کو حدیث پاک کے مفہوم و مطلب کے سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بدعات میں چونکہ بہت سے مسلمان شامل ہو جاتے ہیں اور ان کو اچھا سمجھتے ہیں، اسی لیے یہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہونگی حاشا حدیث پاک کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جسے عام مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ اچھی بن کر دین بن جائے ـــــ علماء اسلام نے اس کا مطلب واضح کر دیا ہے جس سے یہ شبہ دفع ہو جائے گا۔ صاحب مجالس الابرار لکھتے ہیں:۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اکثر لوگ ان بدعتوں کے جواز میں جن کے وہ عادی ہیں اس حدیث سے سند لاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں...... الخ تو کیا ان کا یہ استدلال صحیح ہے؟ ـــــ (جواب یہ ہے کہ) ان کا یہ استدلال جیسا کہ بعض فضلاء نے کہا ہے ٹھیک نہیں ہے اور یہ روایت ان کو مفید نہیں، بلکہ مضر ہے کیونکہ یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے جو عبداللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے اور اس کو احمد اور بزاز، طبرانی، طیالسی، ابو نعیم نے اس طرح روایت کیا ہے[1]:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا، پھر آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا، پھر اس نے اپنے بندوں کے دلوں کی طرف دیکھا تو اُن میں سے آپ کے لیے اصحاب منتخب کیے اور ان کو دین اسلام کا مدد گار اور نبی علیہ السلام کا وزیر بنایا بس جس چیز کو یہ مومنین اچھا سمجھیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس چیز کو یہ مؤمنین برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔

---

[1] علامہ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ پر اور علامہ صلاح الدین علائی نے بھی اس کو ابن مسعودؓ پر موقوف بتلایا ہے۔

(۱) اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ المسلمون میں الف لام مطلق جنس کے لیے نہیں ہے (اگر مطلق جنس کے لیے ہو تو) اس صورت میں یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف پڑے گی کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں سوائے ایک کے سب دوزخی ہوں گے۔ سو امت کا ہر فرقہ اپنے ہی مذہب کو اچھا اور سچا سمجھتا ہے۔ تو لازم آئے گا کہ کوئی فرقہ دوزخی نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے)۔

(۲) اسی طرح چند مسلمان ایک بات کو اچھا سمجھتے ہیں اور چند مسلمان بُرا تو لازم آتا ہے کہ حُسن و قبح میں کوئی تمیز نہ رہے۔

(۳) یا تو الف لام عہد کے لیے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ معہود وہی لوگ ہیں جن کا ذکر افتخار صحابہؓ میں ہے۔ پس المسلمون سے مراد فقط صحابہؓ ہیں۔

(۴) یا خصائص جنس کے استغراق کے لیے ہے پس المسلمون سے مراد وہ لوگ ہیں جو مجتہد ہیں اور اسلام کی صفت میں کامل ہیں۔ تو اب معنی یہ ہوں گے کہ جس بات کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی عمدہ ہے اور جس کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد قبیح سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

(۵) اور ممکن ہے کہ لام استغراقِ حقیقی کے لیے ہو۔ اس صورت میں معنی ہو گا کہ جس بات کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس بات کو تمام مسلمان بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے اور جس بات میں اُن کا اختلاف ہو جائے تو اب اس میں قرونِ ثلاثہ کا اعتبار ہو گا جن کی نسبت خیر کی شہادت ہے۔ مجالس الابرار مترجم ص۱۸

کشف الظنون اور اتحاف النبلاء المتقین میں اس کتاب کو ایک عمدہ علمی دستاویز کہا ہے۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے بھی اس کی بہت تعریف فرمائی ہے۔

تم الجلد الثالث ویتلوہ الرابع إن شاء اللہ العزیز